چنگیز
خان

چنگیز خاں

فاتحِ عالم

سلسلہ تاریخ و سوانح

(۳)

سلسلہ تاریخ و سوانح

مدیر • حنیف رامے

۱، الحسین • عمر ابو النصر

۲، الہارون • عمر ابو النصر

۳، خالد بن سیف اللہ • ابو زید شلبی

۴، امیر تیمور • ہیرلڈ لیمب

۵، عمر، فاروق اعظم • محمد حسین ہیکل

۶، ابو بکر، صدیق اکبر • محمد حسین ہیکل

۷، عرب دُنیا • نخلاء الدین

۸، عمرو بن عاص، فاتح مصر • حسن بن ابراہیم حسن

۹، الزہراء • عمر ابو النصر



چنگیز خاں

مصنّف : ہیرلڈ لیمب

مترجم : عزیز احمد

چنگیز خاں

"فاتحِ عالم"

مکتبہ جدید لاہور

بالاشتراک مکتبہ فرینکلن لاہور ، نیویارک

پرنٹر : سویرا آرٹ پریس لاہور

ناشر : رشید احمد چودھری ، مکتبہ جدید ، لاہور

ترتیب

"آسمان پر خُدا اور زمین پر خُدا کی قوّت۔ نوعِ انسان کے بادشاہ کی مُہر۔"

چنگیز خاں کی مُہر

پیش لفظ ــــ معمّہ

سات سو سال پہلے ایک آدمی نے دنیا کو تقریب قریب بالکل ہی فتح کر لیا تھا۔ اس زمانے کے رُبع مسکون کے نصف حصہ پر اس نے اپنا تصرّف قائم کیا اور نوعِ انسان پر ایسی دھاک جمائی جس کا اثر کئی نسلوں تک باقی رہا۔

اپنی زندگی میں اس نے کئی نام پائے ــــ قتالِ اعظم، قہرِ خدا، جنگجوئے کامل، باج گیرِ تاج و تخت۔ عام طور پر وہ چنگیز خاں کے نام سے معروف ہے۔

بہت سے صاحبانِ خطاب اپنے خطابوں کے اہل نہیں ہوئے مگر وہ ان سب خطابوں کا اہل تھا۔ ہم امریکی، جن کی تعلیم یورپی روایات کے مطابق ہوتی ہے، بڑے شہنشاہوں کی فہرست مقدونیہ کے سکندرِ اعظم سے شروع کرتے ہیں اور روما کے قیاصرہ کو شمار کرتے ہوئے، اس فہرست کو نپولین پر ختم کرتے ہیں۔ لیکن اس یورپی بازی گاہ کے کھلاڑیوں کے مقابلے میں چنگیز خاں بہت ہی بڑے پیمانے کا فاتح تھا۔

معمولی معیاروں سے اس کا جانچنا مشکل ہے۔ جب وہ اپنے اُردو کے ساتھ کوچ کرتا تو اس کا سفر میلوں نہیں، عرض البلد اور طول البلد کے پیمانوں پر ہوتا۔ اس کے راستے میں جو شہر آتے اکثر حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے، دریاؤں کے رُخ بدل جاتے۔ صحرا کے صحرا اسیمہ اور لبِ مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے اور اس کے گذر جانے کے بعد اُن علاقوں میں جو کبھی آباد تھے، بھیڑیوں اور کرگسوں

کے سوا کوئی زندہ مخلوق باقی نہ بچتی۔

انسانوں کی جانوں کی ایسی تباہی، آج کل کے انسان کے تخیل کو ششدر کر دیتی ہے۔ حالانکہ دوسری جنگِ عظیم کے تصوّر سے تباہی کے مناظر ایسے دور نہیں۔ ایک خانہ بدوش سردار چنگیز خاں نے صحرائے گوبی سے خروج کیا، دنیا کی متمدن قوتوں سے جنگ کی اور اس جنگ میں کامران ہوا۔

یہ سب اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں تیرھویں صدی عیسوی کو واپس ہونا پڑیگا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا راسخ عقیدہ تھا کہ اس عالمِ اسباب و اشیا میں یہ غیر معمولی انقلاب محض کسی فوق الفطری قوّت کے ظہور ہی سے آسکتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ قیامت کے آثار ہیں۔ ایک مورّخ لکھتا ہے "کبھی اس سے پہلے مغلوں اور نصرانیوں کے حملوں کے نرغے میں دارالاسلام کی یہ حالت نہیں ہوئی"۔

عیسائی دنیا بھی چنگیز خاں کی موت کے بعد مغلوں کی اگلی پشت کے مقابلے میں اتنی ہی سراسیمہ و حیران تھی۔ جبکہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے۔ پولینڈ کا شاہ بولسلاس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہزیمت کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگ گئے تھے اور سائی لیسیا کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگ نٹز میں مارا گیا تھا۔ یہی حشر روس کے گرینڈ ڈیوک جارج کا ہوا تھا اور قشتالیہ کی خوبرو ملکہ بلانش نے فرانس کے بادشاہ سینٹ لوئی کو یاد کر کے پکارا تھا۔

"میرے بیٹے۔ تو کہاں ہے؟"

جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک ثانی نے جو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا عادی تھا انگلستان کے شاہ ہنری ثالث کو لکھ بھیجا کہ یہ "تاتاری" عذاب الٰہی سے کم نہیں، جو نصرانی دنیا پر عیسائیوں کے گناہوں کی پاداش میں نازل ہوئے ہیں اور یہ تاتاری دراصل اسرائیل کے دس گم گشتہ قبائل کی نسل سے ہیں جن کو سامری کے سنہرے بچھڑے

کو پوجنے اور بُت پرستی کی سزا دینے کے لئے ایشیا کے ویران صحراؤں میں بند کر دیا گیا تھا۔

یہاں تک کہ روجر بیکن جیسے فلسفی نے یہ رائے ظاہر کی کہ مغل دراصل دجّال کے سپاہی ہیں اور اب اپنی آخری دہشت ناک فصل کاٹنے آئے ہیں۔

یہ یقین ایک عجیب پیشین گوئی کی وجہ سے اور بھی محکم ہو گیا جو غلطی سے سینٹ جیروم سے منسوب کی جاتی ہے۔ یہ کہ دجّال کے زمانے میں ایشیا کے پہاڑوں کے اس پار یاجوج ماجوج کے ملک سے "ترکوں" کی ایک قوم خروج کرے گی۔ یہ ایسی قوم ہو گی جو گندی اور رذیل ہو گی، جو نہ شراب پئے گی اور نہ نمک اور گیہوں کھائے گی، اور جو سارے دنیا پر تباہی لائے گی۔

اسی لئے پاپائے روم نے لیون میں مجلسِ مشاورت طلب کی جس کا ایک خاص مقصد یہ بھی تھا کہ کسی نہ کسی طرح مغلوں کے اس سیلاب کو تھاما جائے۔ ایک لحیم و شحیم مقدس راہب پلانو کارپینی کے باشندے جان کو پاپائے اعظم کا نمائندہ اور سفیر بنا کے مغلوں کے پاس بھیجا گیا۔ "کیونکہ ہمیں خوف تھا کہ کلیسائے خداوندی کے لئے سب سے زیادہ قریب اور ظاہر جو خطرہ تھا، وہ ان ہی مغلوں کا تھا۔"

اور کلیساؤں میں مغلوں کے غضب سے نجات پانے کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔

اگر یہ کہانی محض اس تباہ کاری، اس تمدن کشی پر ختم ہو جاتی تو چنگیز خاں کا رتبہ اٹیلا یا ایلارک سے زیادہ اونچا نہ ہوتا۔ وہ بھی ایک بے مقصد، بے پناہ، آوارہ گرد فاتح ہوتا اور کچھ نہ ہوتا۔ لیکن یہ قہرِ خداوندی، جنگجو یے کامل بھی تھا اور باج گیرِ تخت و تاج بھی۔

اور یہی وہ راز ہے جس میں چنگیز خاں کی شخصیت گھری ہوئی ہے   وہ ایک

خانہ بدوش تھا، شکاری تھا، چرواہا تھا لیکن تین بڑی سلطنتوں کے سپہ سالاروں کو اس نے شکست دی۔ وہ وحشی تھا جس نے کوئی شہر نہیں دیکھا تھا اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا لیکن اس نے پچاس قوموں کے لئے قانون بنایا اور نافذ کیا۔

جہاں تک خداداد فوجی قابلیت کا تعلق ہے۔ بادی النظر میں نپولین یورپ کا سب سے درخشاں سپہ سالار تھا۔ لیکن ہم یہ فراموش نہیں کر سکتے کہ نپولین نے ایک فوج کو مصر میں تقدیر کے حوالے کر کے چھوڑ دیا اور دوسری فوج کا بچا کھچا حصہ روس کے برف زاروں کے حوالے کر دیا۔ اور بالآخر واٹرلو کی شکست پر اس کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ اس کے جیتے جی اس کی سلطنت مٹ گئی، اس کا قانون پارہ پارہ کر دیا گیا اور اس کی موت سے پہلے اس کے بیٹے کو محروم الارث قرار دیا گیا۔ یہ پورا واقعہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تھیٹر میں کوئی ڈرامہ ہو اور جس میں نپولین خود بھی محض ایک ایکٹر تھا۔

فتح گیری میں چنگیز خاں سے موازنہ کرنے کے لئے مقدونیہ کے سکندر اعظم کا ذکر ضروری ہے۔ سکندر ایک بے پروا اور فتح مند نوجوان تھا، دیوتاؤں جیسا، جو اپنی صف بہ صف فوج کے ساتھ مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کی طرف بڑھتا چلا گیا، اس کے ہم رکاب یونان کے تمدّن کی برکتیں تھیں۔ سکندر اور چنگیز خاں دونوں کے مرتے دم ان کے اقبال و ظفر کا ستارہ انتہائی عروج پر تھا اور ان کے نام ایشیا کی حکایتوں میں محفوظ ہیں۔

دونوں کی موت کے بعد کے واقعات سے دونوں کے حاصل کے فرق کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ فرق بے اندازہ ہے۔ سکندر کے مرتے ہی اُس کے سپہ سالار آپس میں لڑنے لگے اور اُس کے بیٹے کو سلطنت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

لیکن چنگیز خاں نے اس قدر مکمل طور پر اپنے آپ کو آرمینیا سے کوریا تک اور تبت سے دریائے اینیل تک کے علاقے کا مالک بنا لیا تھا کہ بلا کسی رد و کد کے اس کے

بیٹے کو اس کی جانشینی نصیب ہوئی اور اس کا پوتا قوبیلائی خاں بھی نصف عالم کا حکمران تھا۔

یہ عظیم الشان سلطنت جسے ایک وحشی نے محض نیستی سے پیدا کیا، مورّخوں کے لئے ایک معجزہ اور ایک راز ہے۔ انگلستان میں اس کے عہد کے متعلق جو عام تاریخ حال ہی میں مستند مورخوں نے تالیف کی۔ اس میں اس امر کو ایک ناقابلِ تشریح واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک اور محترم عالم نے یہ کہہ کے حیرت کا اظہار کیا ہے "چنگیز خاں کی تقدیر ساز شخصیت کی تہ تک ہم اسی طرح نہیں پہنچ سکتے جیسے شیکسپیئر کی خداداد صلاحیت کا معمّہ نہیں سلجھا سکتے۔"

کئی وجہوں سے چنگیز خاں کی شخصیت ہماری نظروں سے چھپی ہوئی ہے ایک تو یہ کہ مغل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ یا کم سے کم انھوں نے لکھنے پڑھنے کی پروا نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چنگیز خاں کے عہد کی تاریخ ہمیں محض ایغوریوں، چینیوں ایرانیوں اور آرمینیوں کی منتشر تحریروں میں ملتی ہے۔ حال حال تک مغل سانگ ست زین کی داستان کا بھی اطمینان بخش ترجمہ نہیں ہوا تھا۔

یعنی اس مغل اعظم کے سب سے ذہین مورّخ اس کے دشمن تھے۔ یہ ایک ایسا امرِ واقعہ ہے جسے فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ یہ مورّخ دوسری نسلوں کے تھے۔ اس کے علاوہ تیرھویں صدی عیسوی کے یورپی باشندوں کی طرح اپنے ملک اور سرزمین سے باہر کے لوگوں کے متعلق اُن کے تصورات بہت مبہم تھے۔

انھوں نے مغلوں کو ایک نامعلوم سرزمین سے دفعتاً خروج کرتے دیکھا۔ انھوں نے اردو مغل کے دہشت ناک حملوں کی ضرب برداشت کی اور پھر انھوں نے دیکھا کہ ان کی سرزمین سے ہوتا ہوا یہ سیلاب دوسرے نامعلوم ملکوں کی طرف امڈ رہا ہے۔ ایک مسلمان مصنّف نے مغلوں کی یورش کے تجربے کو ان افسوسناک لفظوں میں ادا

کیا ہے "آئے، قتل و غارت کی، مالِ غنیمت سمیٹا اور چل دیئے۔"

اِن مختلف ماخذوں کو پڑھنا اور ان کا باہم مقابلہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جو مستشرقین ان ماخذوں کے مطالعہ میں کامیاب بھی ہوئے، انہوں نے ساری توجہ مغل فتوحات کی سیاسی تفصیلوں پر صرف کر دی۔ چنگیز خاں کی جو تصویر وہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ وحشی قوت و طاقت کے ایک مظہر، ایک عذاب کی ہے، جو صحراؤں کی جانب سے اکثر نمودار ہوتا ہے اور تمدنوں کو غارت کرتا ہے۔

سانگ ست زین کے ساگا سے بھی اس معمے کے حل کرنے میں کوئی نمایاں مدد نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ ساگا بڑی سادگی سے یہ بیان کرتا ہے کہ چنگیز خاں دیوتاؤں کی نسل سے ایک "بوگدا" تھا۔ یہاں بجائے معمہ کے ہم ایک معجزے سے دوچار ہوتے ہیں۔

یورپ کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخوں میں، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، عام طور پر یہ رجحان ملتا ہے کہ مغلوں میں ایک طرح کی شیطانی طاقت سرائت کئے ہوئے تھی، جو یورپ میں تگ و تاز کرتی رہی۔

غصّہ تو اس پر آتا ہے کہ جدید مورخین بھی تیرھویں صدی کے اوہام ہی کو دہراتے ہیں۔ خاص طور پر اس لئے کہ تیرھویں صدی کے یورپ نے چنگیز خاں کے خانہ بدوشوں کو محض پرچھائیوں کی طرح یورش کرتے دیکھا تھا۔

لیکن چنگیز خاں کے گرد جو راز، جو معمہ ہے، اُسے حل کرنے کی ایک آسان تدبیر ہے اور وہ یہ کہ گھڑی سات سو سال پیچھے کر دی جائے اور چنگیز خاں کو اس طرح دیکھا جائے جیسے اُس زمانے کے مورخین اسے دیکھتے تھے۔ معجزے یا وحشی طاقت کے مظہر کے طور پر نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے۔

ہم کو یہاں مغلوں کی نسل کی سیاسی کامیابیوں سے غرض نہیں۔ صرف اُس

فردِ واحد سے مطلب ہے جس نے مغلوں کو ایک گمنام قبیلہ کی حیثیت سے بلند کر کے دنیا کا مالک بنا دیا۔

اس آدمی کا تصوّر زندہ کرنے کے لئے ہمیں اُسے اپنی قوم کے درمیان، سات سو سال پہلے کی دُنیا میں، جیتا جاگتا دیکھنا ہے۔ ہم اُسے جدید تمدّن کے معیاروں سے نہیں جانچ سکتے۔ ہمیں آسے ایک بنجر سرزمین کے ماحول میں دیکھنا ہے جس میں خانہ بدوش شکاری بستے تھے، شہسواری کرتے تھے اور شمالی ہرنوں کی گاڑیاں چلاتے تھے۔

یہاں انسان جانوروں کے سمور کے لباس پہنتے ہیں؛ اور گوشت اور دودھ کی خوراک پر بسر کرتے ہیں۔ یہ انسان اپنے جسموں پر چربی اور تیل ملتے ہیں تاکہ سردی اور نمی سے محفوظ رہیں۔ کبھی کبھی وہ بھوک اور سردی سے مر بھی جاتے ہیں یا دوسرے انسان اپنے ہتھیاروں سے انہیں تکّا بوٹی کر دیتے ہیں۔

بقول بہادر رفرا کارپینی کے جو پہلا یوروپین تھا کہ جس نے اس سرزمین پہ قدم رکھا، "یہاں قصبے اور شہر نہیں۔ بس بنجر ریگستان ہیں، پوری زمین کا سوّاں حصّہ بھی ایسا نہیں جو دریاؤں سے سیراب ہو سکے یا جس پر کاشت ہو سکے۔ کیونکہ یہاں دریا بہت کم ہیں۔

"اس سرزمین میں درخت نہیں اُگتے۔ حالانکہ مویشیوں کی چراگاہیں بہت ہیں۔ شہنشاہ اور شہزادے اور باقی سب گوبر کے اُپلوں سے آگ تاپتے ہیں اور انہیں پر اُن کا کھانا پکتا ہے۔

"موسم بڑا سخت ہے۔ وسطِ گرما میں بھی باد و رعد کے بڑے سخت طوفان اُٹھتے ہیں اور بہت سے لوگ مر جاتے ہیں۔ گرمیوں میں بھی کبھی کبھی بہت برفباری ہوتی ہے۔ اور ایسے سرد طوفانی جھکڑ چلتے ہیں کہ گھوڑوں پر سوار ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے

ایک طوفان میں ہم کو زمین پر لیٹ جانا پڑا، اور گرد و غبار کی وجہ سے ہمیں نزدیک کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ اکثر اولے گرتے ہیں اور دفعتاً سخت ناقابلِ برداشت گرمی پڑنے لگتی ہے جس کے بعد اسی شدت سے سردی ہوتی ہے —"

یہ ہے صحرائے گوبی ۱۱۶۲ء عیسوی میں۔ بارہ جانوروں کی جنتری کے حساب سے یہ خنزیر کا سال ہے۔

باب اوّل پہلا حصّہ

صحرا

گوبی میں زندگی کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ اونچے بلند ہموار ٹیلے جن پر تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے، اور جن کی بلندی بادلوں سے قریب قریب پہنچتی۔ جھیلیں جن کے اطراف اونچی اونچی گھانس تھی، جس میں ہجرت کرنے والے پرندے شمالی ٹنڈراؤں کی طرف اڑتے ہوئے آن کر بسیرا لیتے۔ اوپر کی ہواؤں کے تمام عفریت وسیع جھیل بیکال پر جمع ہوتے۔ درمیانی جاڑوں کی شفاف راتوں کو افق پر شمالی روشنیاں طلوع اور غروب ہوتی دکھائی دیتیں۔

شمالی گوبی کے اس گوشے کی اولاد جو انسان تھے وہ تکلیف کے عادی نہیں تھے، وہ اس تکلیف دہ ماحول ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ جب ماں کا دودھ چھڑا کے گھوڑی کا دودھ شروع کرایا جاتا، اُسی وقت سے بچّے سے اس کی توقع کی جاتی کہ وہ اپنی فکر آپ کرے۔

گھریلو خیمے میں آگ کے قریب جوان جنگجوؤں اور مہمانوں کا مقام تھا۔ عورتیں بائیں جانب بیٹھ ضرور سکتی تھیں لیکن ذرا دُور۔ اور لڑکے لڑکیاں جہاں بن پڑے وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

یہی حال غذا کا تھا۔ بہار کے موسم میں جب گھوڑیاں اور گائیں خوب دودھ دیتیں تو خیر ٹھیک تھا۔ اُس زمانے میں شکار بھی خوب ملتا، قبیلہ کے شکاری ہرن یا ریچھ مار لاتے، بجائے اس کے کہ لومڑیوں یا ایسے اور بہو روائے دُبلے پتلے جانوروں کا شکار کریں۔ ہر چیز دیگ میں ڈال دی جاتی اور پھر کھائی جاتی —— اس طرح کہ جوان طاقتور مرد پہلے

جو چاہتے کھا لیتے، بوڑھے اور عورتیں اُن کے بعد کھاتے، اور بچوں کو ہڈیوں اور ریشوں کے لئے لڑنا پڑتا۔ کتوں کے لئے شاید ہی کبھی کچھ بچتا۔

جاڑوں میں جب جانور دُبلے ہو جاتے تو بچوں کو کچھ زیادہ نصیب نہ ہوتا۔ اُس زمانے میں دودھ کے استعمال کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اُس کی کومیس بنائی جائے۔ کومیس دودھ کو چمڑے کے تھیلوں میں بھر کے، خمیر دے کے اور پھینٹ کے تیار کی جاتی تھی۔ تین چار سال کے چھوٹے سے صاحبزادے کے لئے کومیس طاقت بخش اور کسی قدر نشہ آور ضرور ہوتی تھی۔ مگر شرط یہ تھی کہ وہ کسی طرح مانگ کے یا چرا کے اسے حاصل تو کر پائے۔ جب گوشت نصیب نہ ہوتا تو اُبلے ہوئے باجرے سے بھوک کا کچھ نہ کچھ علاج کر لیا جاتا۔

بچوں کے لئے آخری جاڑوں کا زمانہ بدترین ہوتا۔ مویشی اس لئے زیادہ کاٹے نہیں جاتے تھے کہ گلوں کی تعداد بہت کم نہ ہو جائے۔ ایسے زمانے میں قبیلے کے جنگجو دوسرے قبیلوں سے غذا کا سامان لوٹتے اور گھوڑے اور مویشی ہنکا لے جاتے۔

بچپن ہی سے بچوں کا گروہ الگ شکار کھیلتا اور کلہاڑیوں اور کند تیروں سے چوہوں یا کتوں کو مارنے کی کوشش کرتا۔ سواری کی مشق پہلے بھیڑوں پر، اور اُن کے اون کو سہارے کے لئے تھام کر کی جاتی۔

قوتِ برداشت پہلی چیز تھی جو چنگیز خاں کو ورثہ میں ملی۔ چنگیز خاں کا پیدائشی نام تموچین تھا۔ جس زمانے میں وہ پیدا ہوا ہے اس کا باپ قبیلہ کے ایک دشمن پر دھاوا کرنے گیا ہوا تھا اور اس دشمن کا نام تموچن تھا۔ اس مہم میں اُسے کامیابی ہوئی۔ دشمن قید ہوا اور باپ نے واپس آ کے اپنے بچے کو قیدی دشمن کا نام دیا۔

اُس کا گھر سمور کا خیمہ تھا۔ جس کا ڈھانچا بانسوں کا بنا ہوا تھا اور جس میں اوپر دھواں نکلنے کے لئے ایک ذرا سا حصّہ کھلا ہوا تھا۔ سمور پر چونے کی سفیدی پھری

ہوئی تھی اور زیبائش کے لئے تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ عجیب طرح کا خیمہ جو "یورت" کہلاتا تھا، ایک گاڑی پر کھڑا کر دیا جاتا، جسے درجن بھر یا اور زیادہ بیل کھینچتے۔ اور چراگاہوں اور میدانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لئے پھرتے۔ یہ بڑے کام کا خیمہ تھا، کیونکہ اس کی گنبد نما چھت، ہوا کے جھکڑوں کی روک تھام کرتی اور جب ضرورت پڑتی تو اس خیمے کو اتارا جا سکتا تھا۔

سرداروں کی بیویاں ۔۔ اور تموچن کا باپ بھی ایک سردار تھا ۔۔ علیحدہ اپنے آراستہ "یورتوں" میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتیں۔ لڑکیوں کا فرض یہ تھا کہ یورت کا سارا کام کاج کریں، اور اوپر کے روشندانوں کے نیچے، جن سے دھواں نکلتا تھا، آگ جلائے رکھیں۔ خیمے کے دروازے کے باہر، گاڑی کے چوبی تختے پر کھڑی ہو کے تموچن کی ایک بہن بیلوں کو ہنکاتی۔ ایک گاڑی کا بم دوسری گاڑی کے دُھرے سے باندھ دیا جاتا اور اس طرح چرچر کرتی اور دھکے کھاتی ہوئی گاڑیاں سطح چراگاہوں پر دور دور تک چلتیں، جہاں شاذ ہی کبھی کوئی درخت یا ناہموار زمین کا ٹکڑا نظر آتا۔

یورت میں گھر بھر کی ساری دولت ہوتی۔ بخارا یا کابل کے قالین جو شاید کسی کارواں سے لوٹے ہوئے ہوتے ۔۔ عورتوں کے ملبوسات سے بھرے ہوئے صندوق، ریشمی کپڑے، جو کسی ہوشیار عرب سوداگر سے کسی اور چیز کے معاوضے میں خریدے ہوئے ہوتے، اور منقش چاندی کے زیور۔ خیمے کی دیواروں پر ٹنگے ہوئے ہتھیاروں کی اہمیت اور بھی زیادہ تھی۔ چھوٹے ترکی تمنچے، نیزے، ہاتھی دانت یا بانس کے ترکش، مختلف لمبائیوں اور وزنوں کے تیر، اور شاید دباغت کئے ہوئے چمڑے کی مدور ڈھال، جس پر روغن لگا ہوا ہوتا۔

یہ بھی لوٹی ہوئی یا خریدی ہوئی چیزیں تھیں، اور لڑائیوں میں قسمت جس کا ساتھ دیتی۔ اُس کے ہاتھ پڑ جاتیں۔

توچن --- نوعمر چنگیز خاں --- کے سپرد کئی فرض تھے۔ گرمیوں کی چراگاہوں سے جاڑوں کی چراگاہوں تک سفر کرتے ہیں جتنی ندیاں نالے آتے سب میں مچھلیاں پکڑنا، خاندان کے بچوں کا فرض تھا۔ گھوڑوں کے گلّے بھی اُن کے سپرد تھے۔ اگر کوئی جانور گم ہو جاتا تو لڑکوں کو اس کی تلاش میں نکلنا پڑتا۔ اور نئی چراگاہوں کی تلاش بھی لڑکوں کا فرض تھا۔ زمین اور آسمان کے سنگم کی طرف وہ ہمیشہ چوکنّے ہو کے دیکھتے رہتے کہ کہیں سے کوئی حملہ آور تو نہیں آ رہے ہیں۔ کئی راتیں انہیں آگ کے بغیر برف میں گذارنی پڑتیں۔ وہ مجبور رہتے کہ کئی کئی دن مسلسل زین پر گذار دیں، اور تین تین چار چار دن تک پکا ہوا کھانا نہ کھا سکیں کبھی کبھی تو انہیں مسلسل فاقہ کرنا پڑتا۔

جب بکری یا گھوڑے کا گوشت افراط سے میسر آتا تو وہ فاقے کے دنوں کی کسر نکالنے کے لئے اتنا کھا اور بچا لیتے کہ حیرت ہوتی۔ اُن کا کھیل یہ تھا کہ میدانوں میں بیس بیس میل تک گھوڑ دوڑ کی اور واپس آئے یا پھر کشتیاں کھیلی جائیں۔ جن میں اکثر ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔

توچن کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا جسم بڑا طاقتور تھا اور اس کے دماغ میں تجویزیں سوچنے کی بڑی صلاحیت تھی۔ یہ گویا اپنے آپ کو ان حالات میں ڈھالنے کا ایک اور طریقہ تھا۔ وہ کشتی کھیلنے والوں کا سردار بن گیا۔ حالانکہ وہ زیادہ تنومند نہ تھا وہ تیر اندازی خوب کر لیتا۔ لیکن کمان اپنے بھائی قسار کے برابر نہ کھینچ سکتا جس کا لقب کمان دار تھا۔ لیکن قسار توچن سے ڈرتا تھا۔

ان دونوں نے اپنے طاقتور سوتیلے بھائیوں کے خلاف ایک محاذ بنا لیا تھا۔ اور پہلا واقعہ جو پیش آیا یہ تھا کہ توچن نے اپنے ایک سوتیلے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ کیونکہ اس نے اس کی ایک مچھلی چرا لی تھی۔ رحم ان نوعمر خانہ بدوشوں کی نظر میں ایک

بیکار سی بات تھی، لیکن انتقام فرض سمجھا جاتا تھا۔

اور تموچن کو بہت سے ایسے جھگڑوں کا علم ہونے لگا جو بچوں کی لڑائی سے زیادہ اہم تھے۔ اُس کی ماں اولون خوبصورت تھی، اور اسی لئے اُس کا باپ اُسے ایک پڑوس کے قبیلے سے عین اُس کی شادی کے روز اٹھا لایا تھا جبکہ وہ برات کے سنگ اپنے ہونے والے دولھا کے خیمہ کو جا رہی تھی۔ اولون ہوشیار بھی تھی اور عندی بھی۔ تھوڑے بہت واویلا کے بعد وہ جن حالات میں تھی اُن میں راضی رہی۔ لیکن یورت میں سب جانتے تھے کہ ایک دن بدی کا بدلہ لینے کے لئے اُس کے قبیلے کے آدمی آئیں گے۔

راتوں کو گوبر کی جلتی ہوئی آگ کے پاس تموچن گویوں کے گیت سنتا، یہ بوڑھے گویے یکتارا لئے ہوئے ایک خیمہ سے دوسرے خیمے تک سواری کرتے اور بھنبھناتی ہوئی آوازمیں قبیلے کے بزرگوں اور بہادروں کی شجاعت کے گیت گاتے۔

اُس کو اپنی طاقت، اور اپنی سرداری کے حق کا احساس تھا۔ کیا وہ بہادر یسوکائی بہادر کا سب سے بڑا بیٹا نہیں تھا جو یکّا یا بڑے مغلوں کے خان، اور چالیس ہزار خیموں کا سردار تھا۔

گویوں کی کہانیوں سے اس نے جانا کہ اس کا نسب اعلیٰ ہے۔ وہ بورچجن والوں کی اولاد سے ہے جن کی آنکھیں بھوری ہوتی تھیں۔ اس نے اپنے جدّ امجد قبل خان کا قصّہ سُنا جس نے ختا کے شہنشاہ کی داڑھی نوچی تھی اور اس لئے اسے زہر دے دیا گیا تھا۔ اُسے معلوم ہوا کہ اُس کے باپ کا منہ بولا بھائی جس نے بھائی بننے کی سوگند کھائی ہے طغرل خان ہے جو قوم قرایت کا سردار ہے گوبی کے خانہ بدوشوں میں یہ سب سے طاقتور تھا اور اسی کے تعلق سے ایشیا کے پریسٹر جان کے قصے یورپ میں پھیلے۔

لیکن اس وقت تموچن کا اُفق اپنے یاکا مغل قبیلے کی چراگاہوں تک محدود تھا۔
ایک دانش مند مشیر نے اس لڑکے سے کہا "ہم چین کے سویں حصے کے برابر بھی نہیں۔ لیکن اگر ہم چین کا مقابلہ کرتے رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب خانہ بدوش ہیں، ہمارا سامان رسد ہمارے ساتھ ہے، اور ہم کو اپنے طریقے کی لڑائی میں مہارت ہے۔ جب موقعے ملتے ہیں ہم لوٹتے ہیں، اور جب لوٹ نہیں پاتے تو چھپ جاتے ہیں۔ اگر ہم بھی شہر بسانا شروع کر دیں اور اپنی عادتیں بدل ڈالیں تو ہم پھل پھول نہ سکیں گے۔ اس کے علاوہ خانقاہوں اور مندروں میں آدمی نرم دل ہو جاتا ہے۔ نوع انسان پر حکومت وہی کر سکتا ہے جو خوفناک اور جنگجو ہو۔"

جب وہ گلہ کی نگہبانی کے فرض کا زمانہ پورا کر چکا تو اُسے اپنے باپ بیسوکائی بہادر کے ساتھ ساتھ سواری کرنے کی اجازت ملی۔ ہر لحاظ سے تموچن خوبرو تھا لیکن جسم کی طاقت اور سیدھی سیدھی اٹھان کی وجہ سے وہ جتنا ممتاز معلوم ہوتا تھا اتنا خد و خال کے لحاظ سے نہیں۔

وہ ضرور دراز قامت ہوگا۔ اُس کے شانے ہموار اور اُس کی جلد گندم گوں سفیدی مائل۔ ڈھلی ہوئی پیشانی کے نیچے، اُس کی آنکھیں ایک دوسری سے دُور دُور تھیں لیکن ترچھی نہیں تھیں۔ اُس کی آنکھوں کے تل سبز یا نیلے بھورے تھے، اور ان کا حاشیہ سیاہ تھا۔ لمبے سُرخی مائل بھورے بال چوٹیوں میں گُندھے ہُوئے اس کی پیٹھ پر پڑے رہتے۔ وہ بہت کم بات کرتا تھا اور جو کچھ کہتا کہنے سے پہلے غور کرنے کے بعد کہتا۔ اُسے اپنے غصّے پر قابو نہیں تھا۔ لیکن لوگوں کو اپنا گہرا دوست بنانے کا اُسے خداداد ملکہ تھا۔

عشق اس نے بھی یونہی دفعتاً کیا۔ جیسے اس کے باپ نے کیا تھا جب

باپ اور بیٹا دونوں ایک اجنبی جنگجو کے خیمے میں مہمان تھے تو اس لڑکے کو خیمے کی لڑکی میں جاذبیت معلوم ہوئی۔ اس نے یسوکائی سے پوچھا کہ کیا وہ اسے اپنی بیوی بنا سکے گا۔

"وہ ابھی چھوٹی ہے۔" اُس کے باپ نے اعتراض کیا۔

تموچن نے بتایا "جب وہ بڑی ہو جائے گی تو اچھی خاصی نکلے گی۔"

یسوکائی نے لڑکی کو جانچا، جو ابھی نو سال کی تھی مگر بہت حسین تھی۔ اس کا نام بورتائی تھا، اور اس نام کا ماخذ اس کے اپنے قبیلے کا روایتی جدِ امجد تھا۔ جس کی آنکھیں بھوری بھوری تھیں۔

"ابھی چھوٹی ہے۔" لڑکی کے باپ نے کہا۔ لیکن وہ خوش تھا کہ مغلوں نے اُس کی لڑکی کو پسند کیا۔ اس نے کہا "پھر بھی تم چاہو تو اس کی دیکھ بھال کر لو۔" اس نے تموچن کو پسند کیا اور کہا۔ "تیرے بیٹے کا چہرہ صاف ہے اور آنکھیں چمک دار ہیں۔"

دوسرے دن رشتہ طے ہو گیا، اور مغل خان تموچن کو چھوڑ کے روانہ ہو گیا۔ تاکہ تموچن اپنے خسر اور اپنی ہونے والی دُلہن سے اچھی طرح واقف ہو لے۔

کچھ روز بعد ایک مغل گھوڑا دوڑاتا ہوا یہ خبر لے کے آیا کہ یسوکائی بہادر نے کچھ دشمنوں کے خیمے میں رات گذاری تھی، اور شاید اُسے زہر دے دیا گیا، وہ مرنے کے قریب ہے اور اس نے تموچن کو یاد کیا ہے۔ اگرچہ کہ تیرہ سالہ لڑکا جتنی رفتار سے سواری کر سکتا تھا، روانہ ہوا، لیکن جب وہ اُردو یعنی قبیلے کے خیموں والے گاؤں پہنچا تو اس کا باپ مر چکا تھا۔

اُس کے غائبانے میں اور بھی بہت کچھ پیش آیا تھا۔ قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں نے بہت سے معاملات پر بحث کی تھی، اور ان میں سے دو تہائی سردار کا پرچم چھوڑ گئے

دوسرے آقاؤں اور پاسبانوں کو تلاش کرنے نکل گئے تھے۔ اپنی، اپنے گھرانوں اور اپنے گلّوں کی حفاظت کے لئے۔ اس ناتجربہ کار لڑکے سے انہیں اس حفاظت کی توقع نہیں تھی۔

"گہرا پانی بہہ گیا" وہ کہتے تھے۔ "کڑیل پتھر ٹوٹ گیا۔ ایک عورت اور اس کے بچوں سے ہمیں کیا سروکار؟"

اولون، عقلمند اور بہادر تھی۔ جو کچھ اس سے ہوسکا۔ اس نے کیا کہ قبیلہ کا شیرازہ نہ منتشر ہونے پائے۔ اُس نے یاک کی نودموں والا پرچم اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور چھوڑ کے جانے والوں کا تعاقب کر کے اُن سے منّت کی، اور کچھ خاندان اپنی گاڑیوں اور گلّوں سمیت واپس آگئے۔

اب تموچن گھوڑے کی سفید کھال پر یاکا مغلوں کا خان ہو کے بیٹھا لیکن اُس کے جلو میں قبیلہ کا صرف ایک بچا کھچا ٹکڑا تھا اور اسے اس کا یقینی طور پر اندیشہ تھا کہ مغلوں کے تمام پرانے دشمن یسوکائی کی موت سے فائدہ اُٹھا کے اُس کے بیٹے سے اپنا بدلہ چکائیں گے۔

دوسرا باب
زندگی کی کشمکش

اُس کے جدّ امجد قبل خان اور اس کے باپ یسوکائی کے زمانے میں یکّہ مغل شمالی گوبی میں ایک طرح سے سردار مانے جاتے تھے۔ چونکہ وہ مغل تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر جھیل بیکال سے لے کر مشرق میں موجودہ منچوریا کی سرحد پر پہاڑوں کے اس سلسلے تک جس کو آج کل خنگان کہتے ہیں جتنی اچھی چراگاہیں تھیں، سب پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔

یہ بڑی پسندیدہ چراگاہیں تھیں۔ یہ گوبی کے بڑھتے ہوئے ریگ زار کے شمال میں دو چھوٹی ندیوں کلوران اور اونان کی زرخیز وادیوں کے درمیان واقع تھیں۔ پہاڑیاں برچ اور صنوبر کے درختوں سے لدی ہوئی تھیں، شکار کثرت سے تھا، پانی افراط سے ——کیونکہ برف دیر میں پگھلتی تھی —— یہ سب باتیں اُن سب قبیلوں کو خوب معلوم تھیں۔ جو پہلے مغلوں کے زیرِ حکومت تھے اور جو اب تیرہ سالہ توچن سے اس ملکیت کو چھیننے کی تیاری کر رہے تھے۔

یہ ملکیت خانہ بدوشوں کے لئے بڑی قدر و قیمت کی تھی۔ زرخیز چراگاہیں، جہاں جاڑوں میں سردی بہت زیادہ ناگوار نہیں ہوتی تھی اور مویشیوں کے گلّے، جن سے وہ روزمرہ کی زندگی کی ضرورتیں پوری کرتے تھے، بالوں سے نمدا اور خیمہ باندھنے کی رسیاں بٹتے تھے، ہڈیوں سے تیروں کی نوکیں بناتے تھے اور چمڑے سے گھوڑوں کی زین، کومیس کے تھیلے اور گھوڑے کا دیگر ساز و سامان تیار کرتے تھے۔

اس کا امکان ہے کہ تموجن بھاگ نکلتا۔ آنے والی ضرب سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اُس کے محکوم متزلزل تھے اور مویشیوں کا خراج وہ اس لڑکے کو دینے کو ایسے زیادہ تیار نہیں تھے، جو اب اُن کا خان بن گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ خود تمام پہاڑیوں پر منتشر تھے اور اپنے گلّوں کو بھیڑیوں اور ابتدائے بہار میں لازمی طور پر آنے والے چھوٹے موٹے حملہ آوروں سے بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

لیکن وہ بھاگا نہیں۔ تاریخ کہتی ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک اکیلا اپنے یورت میں روتا رہا۔ پھر اس نے سرداری کا کام سنبھالا۔ اپنے بھائیوں، بہنوں اور دوسرے سوتیلے بھائی کی روزی کا انتظام کرتا رہا۔ یہ دوسرا سوتیلا بھائی جو بچ گیا تھا اس لڑکے کو بہت چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اس کی ماں تھی جو اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے پہلوٹے لڑکے پر مصیبت آنی لازمی تھی۔

لازمی اس لئے تھی کہ ایک اور جنگجو نے جس کا نام ترغاتائی تھا اور جو خود بھی بورجگن یا بھوری آنکھوں والوں کی نسل سے تھا، شمالی گوبی کا سردار ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ ترغاتائی تائیجوت کا سردار تھا جو مغلوں کے نسلی دشمن تھے۔

اور ترغاتائی ــــ جو تموجن کے بہت سے قبیلہ والوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا ــــ اب اس پر مجبور تھا کہ وہ مغلوں کے کم سن خان کا پیچھا کرے اور اس کا خاتمہ کر دے جیسے بڑا بھیڑیا، بھیڑیئے کے ایسے کم سن بچے کو مار دیتا ہے جس سے ڈر ہو کہ یہ ایک دن بھیڑیوں کے گروہ کا سردار بننے کی کوشش کرے گا۔

بغیر اطلاع کے شکار شروع کیا گیا۔ گروہ در گروہ سوار مغلوں کے اُردو، اُن کے خیموں والے گاؤں پہنچے، اور کچھ ذرا اِدھر اُدھر سے مویشیوں کو ہنکا لے گئے اور ترغاتائی نے اُس خیمے کا رُخ کیا جس پر پرچم لہرا رہا تھا۔

ان جنگجوؤں کے آنے سے پہلے تموچن اپنے بھائیوں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ قسار نے جو بڑی قوت سے کمان کھینچ سکتا تھا، اپنے گھوڑے کو لگام دے کے دشمنوں پر کچھ تیر برسائے۔ ادلون کو زندہ رہنے دیا گیا۔ ترغاتائی کو تموچن کے علاوہ اور کسی کی تلاش نہیں تھی۔

ایسے شکار شروع ہوا۔ لڑکوں کے پیچھے پیچھے تائیجوت لگے ہی ہوئے تھے شکاریوں نے کوئی خاص جلدی نہیں کی۔ راستہ تازہ اور صاف تھا اور یہ خانہ بدوش کئی کئی دن تک ایک ایک گھوڑے کا پیچھا کرنے کے عادی تھے۔ اگر تموچن کو نئی سواری نہ مل سکی تو یہ ضروری تھا کہ یہ اسے جا لیں۔

قدرتی احساس کا تقاضا تھا کہ یہ لڑکے گھاٹیوں کا راستہ لیں، جہاں تناور درختوں کی آڑ میں وہ چھپ سکتے تھے۔ کبھی کبھی وہ گھوڑوں سے اتر کے درختوں کو کاٹ کے راستے پر ڈال دیتے تاکہ تعاقب کرنے والوں کا راستہ روکیں۔ جب شام ہوئی تو وہ علیحدہ ہو گئے بہنیں اور سب سے چھوٹے بھائی ایک غار میں چھپ گئے، قسار کسی طرف پلٹ گیا اور خود تموچن ایک ایسے پہاڑ پر گھوڑا دوڑاتا ہوا چڑھ گیا۔ جہاں چھپنے کی جگہ ملنے کی امید تھی۔

یہاں وہ کئی دنوں تک پیچھا کرنے والوں سے چھپا رہا۔ یہاں تک کہ بھوک سے مجبور ہو کے کوشش کی کہ گھات لگائے ہوئے تائیجوت کے درمیان سے گھوڑا نکال لے جائے۔ لیکن وہ دیکھ لیا گیا، پکڑا گیا اور جب وہ ترغاتائی کے سامنے لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے کنگ پہنا دیا جائے۔ یہ کنگ ایک طرح کی چوبی ہتھکڑی تھی جس سے شانے اور کلائیاں جکڑ دی جاتی تھیں۔ جنگجو قبیلے والے پکڑے ہوئے مویشیوں کو ہنکاتے ہوئے اور تموچن کو اس طرح ہتھکڑی پہنائے ہوئے اپنی چراگاہوں کو واپس روانہ ہوئے۔ تموچن اس طرح مجبور اور لاچار ان کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا موقع آیا کہ جنگجو کسی دعوت میں گئے ہوئے تھے اور اس کی حفاظت کے لئے صرف ایک محافظ چھوڑ گئے تھے۔

جب خیمہ گاہ پر اندھیرا چھا گیا تو نوجوان مغل کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ وہ ایسے موقع کو ہاتھ سے نکل جانے دے۔

خیمے کی تاریکی میں اس نے اپنے کنگ کے سرے کو محافظ کے سر پر دے مارا۔ اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب وہ دوڑ کے خیمہ سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ چاند نکل چکا ہے اور جس جنگل میں خیمہ گاہ تھی۔ اُس میں چاندنی چھن چھن کے آ رہی تھی۔ جھاڑیوں میں گھس کے وہ اس ندی کی سمت چلا جسے ایک دن پہلے سب نے عبور کیا تھا۔ اپنے پیچھے تعاقب کرنے والوں کا شور سُن کے اس نے ندی میں چھلانگ ماری اور ایک کنارے کی گھاس میں ڈوب کے بیٹھ گیا، صرف اس کا سر پانی سے اونچا تھا۔

یہاں بیٹھے بیٹھے اس نے تائیجوت سواروں کو دیکھا کہ وہ ندی کے کنارے کنارے اُسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک جنگجو نے اُسے دیکھ لیا، ذرا ٹھٹکا، پھر اُسے پکڑوائے بغیر آگے بڑھ گیا۔

اس کنگ میں جکڑا ہوا تموچن اب بھی اتنا ہی بے بس تھا، جیسے پہلے تھا اور اس نے اب جو کچھ کیا۔ ادراک اور ہمت دونوں کی وجہ سے کیا۔ وہ ندی چھوڑ کے ان سواروں کے پیچھے پیچھے خیمہ گاہ میں داخل ہوا اور رینگتا ہوا اس جنگجو کے یورت کے اندر پہنچا جس نے اُسے ندی کی گھاس میں دیکھ لیا تھا لیکن اُسے نہیں پکڑوایا تھا۔ یہ ایک اجنبی تھا جو اتفاق سے عارضی طور پر اس دوسرے قبیلے کے شکاریوں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

اس لڑکے کو اس طرح بھیگا ہوا اور اس طرح نمودار ہوتے دیکھ کے یہ آدمی تموچن سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گیا مگر قیدی پر اُسے رحم آیا اور اس نے سوچا کہ اس کے لئے اچھا یہی ہو گا کہ کسی نہ کسی طرح اس نوجوان سے نجات پائے۔ اس لئے اس نے کنگ کو کاٹ کے اس کے ٹکڑوں کو جلا دیا اور اس درمیان میں تموچن کو اُون سے لدی ہوئی ایک گاڑی کے اندر چھپا دیا۔

اِس کھلے کھلے اون کے اندر بڑی گرمی تھی ـــ یہ کوئی آرام کی جگہ نہیں تھی۔ خاص طور پر اس لئے کہ جب تاجوت جنگجو خیمہ کی تلاشی لینے آئے تو انہوں نے اپنے نیزے گاڑی کے اندر بھی چبھوئے اور ایک نیزے کی انی سے تموچن کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔

"میرے گھر کی آگ بجھ جاتی اور دھواں ہمیشہ کے لئے بجھ جاتا، اگر وہ لوگ تجھے یہاں ڈھونڈ پاتے"۔ اس آدمی نے تلخی سے اس بھاگے ہوئے پناہ گیر سے کہا، مگر ساتھ ہی ساتھ اسے کھانا اور دودھ بھی دیا اور ایک کمان اور دو تیر دیئے اور کہا۔ "اب اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کے پاس جا"۔

مانگے کے گھوڑے پر سوار جب تموچن اپنی زمینوں پر پہنچا تو اس نے وہی حالت پائی جس کا نقشہ اٰبنی نے کھینچا تھا۔ جہاں اس کی خیمہ گاہ تھی، وہاں اب صرف راکھ تھی، اس کے مویشی جا چکے تھے، اس کی ماں اور اس کے بھائی غائب تھے۔ اس نے بہر حال ان کا پتہ لگا لیا اور دیکھا کہ بھوکا خاندان کس حال میں روپوش ہے ـــ سخت گیر اولون، کڑیلا قسار اور ملکوتی اس کا سوتیلا بھائی جو اس کی پرستش کرتا تھا۔

کسی نہ کسی طرح وہ زندہ رہے۔ راتوں کو اپنے ایک ہمدرد کی خیمہ گاہ کی جانب سفر کرتے، ان کے پاس صرف آٹھ گھوڑوں کی ایک قطار تھی، گلہریوں جیسے پوچ شکار کو پکڑتے رہے اور بجائے بکری کے گوشت کے مچھلیوں پر گذر کرتے رہے۔ تموچن نے یہ سیکھا کہ دشمن کی گھات سے کس طرح بچتے ہیں اور کس طرح اپنے تعاقب کرنے والے دشمنوں کی صف کو چیرتے ہوئے اس پار نکل سکتے ہیں۔ شکار کی طرح اس کا تعاقب کیا جا رہا تھا اور جیسے جیسے برس گذرتے گئے اس کی چالاکی بڑھتی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھر کبھی پکڑا نہیں گیا۔

اب بھی اگر وہ چاہتا تو اپنے آباؤ اجداد کی چراگاہوں کو چھوڑ کے بھاگ سکتا تھا لیکن نوعمر خان کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ اپنی میراث دشمنوں کے حوالے کر دے۔ وہ اپنے قبیلے کی بکھری ہوئی آبادیوں میں گیا اور سنجیدگی سے اس نے چار جانور بحیثیت خراج کے مانگے۔

—— ایک اونٹ، ایک بیل، ایک گھوڑا اور ایک بھیڑ —— اپنی ماں کی آسائش کے لئے۔

یہ غور کے قابل بات ہے کہ دو چیزوں سے اس نے اجتناب کیا۔ بھوری آنکھوں والی بورتہ اب بھی اس کے آنے کا انتظار کر رہی ہے کہ وہ اسے بیاہ کے اپنے خیمے لے آئے۔ اور بورتہ کا باپ ایک بڑے طاقتور قبیلے کا سردار اور کئی نیزہ برداروں کا آقا تھا مگر تموچن اُن کے پاس نہیں گیا۔

اور نہ اس نے ترکی قوم قرایت کے "کفیل" سردار بوڑھے طغرل سے مدد مانگی جو بڑا ذی اثر تھا اور جس نے یسوکائی کے ساتھ رفاقت کی سوگند کھا کے جام پیا تھا۔ اس سوگند کے پیمان سے یسوکائی کے بیٹے کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ اس کے پاس ضرورت کے وقت جا کے مُنہ بولے باپ کی حیثیت سے اس سے مدد کرنے کو کہے یہ شائد ایسا مشکل کام نہ تھا، میدانوں سے ہوتے ہوئے قرایت تک پہنچنا، جو فصیل والے شہروں میں رہتے تھے۔ جن کے پاس سچ مچ کے خزانوں میں جواہر، ملبوسات، اچھے ہتھیار اور طلائی اطلس کے خیمے تھے۔ یہ قرایت ایشیا کے اس پریسٹر جان کی رعایا تھے۔

تموچن نے اپنے آپ سے جرح کی "خالی ہاتھ بھک منگوں کی طرح جانے سے اس کی رفاقت تو خاک میسر آئے گی۔ حقارت البتہ ملے گی"۔

اور وہ اپنے اس ارادے پر جما رہا۔ یہ جھوٹا غرور نہ تھا بلکہ ایک یکّہ منگول کی سیدھی سادی منطق تھی۔ پریسٹر جان اس کو مدد دینے پر پابند تھا —— ایشیائے عظیم میں رفاقت کی سوگند کی بادشاہ کے وعدے سے زیادہ قدر و قیمت تھی —— لیکن وہ اس شہروں اور عجائبات کے مالک سے اس وقت تک کام نہ لے گا۔ جب تک کہ وہ اس قابل ہو کہ وہ اس کے سامنے بطور ایک حلیف کے پہنچ سکے۔ بھاگے ہوئے پناہ گیر کی طرح نہیں۔

اس درمیان میں اس کے آٹھوں گھوڑے چوری ہو گئے۔

ان آٹھ گھوڑوں والا واقعہ اس لائق ہے کہ تاریخ سے اسے ہو بہو نقل کیا جائے

چوری لٹیرے تائیجوت کے لوگوں نے کی تھی۔ نوبیں راہوار پر ملکوتی باہر گیا ہوا تھا۔ وہی سُرخ گھوڑی تھی۔ جس پر سوار ہو کے تموچن ترغاتائی کے جنگل سے نکل بھاگا تھا۔ ملکوتی گلہریاں پکڑنے گیا تھا اور جب وہ آیا تو نوجوان خان اس کے پاس گیا۔

"گھوڑے چوری ہو گئے۔"

یہ فکر کی بات تھی۔ ایک کے سوا باقی اور سب بھائی اب پیادہ ہو گئے تھے اور اگر کوئی حملہ آور آ نکلے تو محض اُس کے رحم و کرم پر۔

ملکوتی نے کہا "لٹیروں کا تعاقب میں کروں گا۔"

قسار نے کہا "تو انہیں تعاقب کر کے نہیں پا سکے گا۔ میں جاؤں گا۔"

تموچن نے کہا "تم لوگ اُنھیں نہ پا سکو گے اور اگر پا سکے تو واپس نہ لا سکو گے۔ میں جاتا ہوں۔"

اور وہی اس تھکی ہوئی سُرخ گھوڑی پر روانہ ہوا اور سواروں اور آٹھ گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں سے کھوج لگاتا ہوا تین روز تک تعاقب کرتا رہا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ سوکھا ہوا گوشت لے گیا تھا جو زین اور گھوڑے کی پیٹھ کے درمیان رکھا تھا کہ نرم اور گرم رہے۔ یہ گوشت تو کب کا ختم ہو چکا تھا مگر اس سے بڑھ کے مصیبت یہ تھی کہ یہ گھوڑی بار بار پچھڑ جاتی۔ تائیجوت جو ایک گھوڑے کے بعد دوسرا تازہ دم گھوڑا بدل سکتے تھے۔ اس کی نظروں کے پار ہی رہے۔

چوتھی صبح کو اس نوجوان مغل کو اپنا ایک ہم عمر جنگجو ملا جو پگڈنڈی کے کنارے ایک گھوڑی کا دودھ دوہ رہا تھا۔

لگام کھینچ کے تموچن نے پوچھا "تُو نے کچھ لوگوں کو آٹھ گھوڑوں کو بھگا کے لے جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟"

"ہاں پچھلے پہر آٹھ گھوڑے میرے قریب سے ہو کے نکلے تھے۔ میں تجھے وہ

راستہ دکھا دوں گا، جدھر وہ گئے ہیں۔"

مغل کی طرف دوبارہ دیکھ کے اجنبی نوجوان نے اپنا چمڑے کا کیسہ باندھ کے لمبی لمبی گھاس میں چھپا دیا اور کہا۔"تو تھکا ہوا اور پریشان معلوم ہوتا ہے۔ میرا نام بغورچی ہے اور میں تیرے ساتھ گھوڑوں کے تعاقب میں چلوں گا۔"

تھکی ہوئی سُرخ گھوڑی چرنے کے لئے چھوڑ دی گئی اور بغورچی جن گھوڑوں کو چرا رہا تھا۔ اُن میں سے ایک سفید گھوڑے پر رسی ڈال کے اس نے زین کسی اور اسے تموچن کے حوالے کیا۔ انہوں نے پھر سے پگڈنڈی کی راہ لی اور تین دن بعد انہیں تائیجوت کی خیمہ گاہ نظر آئی۔ جس کے قریب ہی چُرائے ہوئے گھوڑے چر رہے تھے۔

دونوں نوجوان ان گھوڑوں کو ہنکا لائے اور فوراً ہی جنگجوؤں نے ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے ایک جو سفید گھوڑے پر سوار تھا اور جس کے ہاتھ میں کمند تھی، اُن کے قریب آ پہنچا۔

بغورچی نے تموچن سے کمان مانگی اور کہا کہ میں پیچھے رہ کے تعاقب کرنے والوں کا مقابلہ کروں گا۔ لیکن تموچن نے اس کی یہ پیش کش نہ مانی۔ شام تک وہ گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ اب سفید گھوڑے والا جنگجو اس قدر قریب آ گیا تھا کہ کمند پھینک سکتا تھا۔

نوجوان مغل نے اپنے نئے ساتھی سے کہا۔"یہ لوگ تجھے زخمی کر دیں گے۔ میں کمان کھینچتا ہوں۔"

پیچھے ہو کے اس نے زہ پر تیر چڑھایا اور اس تائیجوت پر چھوڑا۔ وہ زین سے گرا۔ دوسرے جب اُس کے برابر آئے تو انہوں نے لگام کھینچ لی۔ رات بھر دونوں نوجوان سفر کرتے رہے اور حفاظت سے گھوڑوں سمیت بغورچی کے باپ کی خیمہ گاہ آ پہنچے، جسے انہوں نے پورا واقعہ سُنایا۔ بغورچی جلدی سے دودھ کا تھیلا ڈھونڈھ

لایا، تاکہ اُس کے باپ کا غصّہ ٹھنڈا ہو۔ اس نے بیان کیا کہ "جب میں نے اُسے تھکا ماندہ اور پریشان دیکھا تو میں اس کے ساتھ ہولیا۔"

اُس کا باپ جو ایک بڑے گلے کا مالک تھا، کسی قدر اطمینان سے یہ سب سنتا رہا — کیونکہ تموچن کے کارنامے میدانوں میں ایک خیمے سے دوسرے خیمے تک مشہور ہو چلے تھے۔ اس نے کہا "تم دونوں نوجوان ہو۔ تم دونوں ایک دوسرے کے وفادار دوست بنو۔"

انہوں نے نوجوان خان کو کھانا دیا۔ ایک تھیلا دودھ سے بھر دیا۔ اور اسے رخصت کیا، اور کچھ ہی عرصے بعد بغورچی بھی اُس کے پاس آگیا۔ کیونکہ بغورچی نے اُسے اپنا سردار بنا لیا تھا، اور اپنے ساتھ اس کے خاندان کے لئے سیاہ سمور کا تحفہ لایا۔

تموچن نے اُسے مرحبا کہا "تیرے بغیر میں گھوڑوں کو پا اور لا نہ سکتا۔ اس لئے ان آٹھ گھوڑوں میں سے آدھے تیرے ہیں۔"

بغورچی نے یہ نہیں مانا۔ "اگر میں تجھ سے تیری چیز لے لوں تو میں تیرا رفیق کیسے ٹھہرا۔"

نہ تموچن کنجوس تھا نہ اس کے بہادر نوجوان ساتھی۔ فیاضی اُن کی فطرت کی گہرائیوں میں سرائت کئے ہوئے تھی۔ جس کسی نے تموچن کی کوئی خدمت کی، وہ اُسے کبھی بھلا نہ سکتا تھا۔ رہ گئے وہ جو اس سے لڑ رہے تھے — تو صورتِ حال یہ تھی کہ اُس کے اپنے چھوٹے سے گروہ کے علاوہ اور ہر کسی سے دشمنی کی توقع تھی۔

اس نے اپنے رفیقوں کو یقین دلایا "جیسے سوداگر کو اپنے سامان سے نفع کا یقین ہوتا ہے۔ اُسی طرح مغل کو اس کا یقین ہے کہ اس کی تقدیر اس کی شجاعت سے بنے گی۔"

اس میں وہ تمام خوبیاں اور سفاکیاں تھیں جو عربوں کی خانہ بدوش نسل میں بھی

پائی جاتی ہیں۔ جو کمزور تھا وہ اس کیلئے بیکار تھا اور اپنے قبیلے سے باہر اسے اور کسی پر اعتبار نہ تھا۔ اس نے سیکھ لیا تھا کہ چالاکی کے ذریعہ سے کس طرح دشمنوں کی دغا سے بچا جا سکتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے آدمیوں میں سے کسی سے کوئی وعدہ کرتا، تو وہ اپنی زبان کا پکا تھا اور اپنا وعدہ پورا کر کے رہتا۔

کئی سال بعد وہ کہا کرتا "وعدہ خلافی حاکم کے لئے بڑی بدنما بات ہے"۔

اب اس کے قبیلے کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ بہت سے جنگجو جو اس کے باپ کے ساتھ تھے۔ اب اس کی سرداری میں واپس آ رہے تھے۔ لیکن اپنے قبیلے میں بھی اس کی سرداری کا انحصار بس اسی امر پر تھا کہ اس نے دشمنوں سے بچنے اور کسی نہ کسی طرح اپنے تابعدار ساتھیوں کی چراگاہوں کو اُن کے قبضے میں رکھنے کا گُر اور ہنر سیکھ لیا تھا۔ قبیلے کے رواج کے مطابق اُن کے گلے اور ان کے ہتھیار خان کی نہیں بلکہ اُن کی اپنی ملکیت تھے۔ یسوکائی کا بیٹا ان کی اطاعت اور وفاداری کا اسی وقت تک حقدار تھا جب تک وہ ان کی حفاظت کر سکتا۔ پرانی رسم ۔ جو قبیلوں میں قانون کی مترادف ہے ۔ اس کی اجازت دیتی تھی کہ اگر تموچن خانہ بدوش سرزمینوں کی مسلسل اور سفاک لڑائیوں میں ان کی حفاظت نہ کر سکے تو وہ اور کسی کو اپنا سردار مقرر کر لیں۔ چالاکی نے تموچن کو زندہ رکھا۔ بڑھتی ہوئی فراست نے اس کے اطراف قبیلہ کا مرکز سا قائم رکھا۔ وہ جسمانی قوت، شجاعت اور چوکسی کا مالک تھا۔ جو سردار کلوران اور اونان کے درمیانی زرخیز علاقے پر دھاوے کرتے رہے، اُسے کبھی کبھی پہاڑیوں سے نچلے میدانوں میں بھگا دیتے۔ مگر اُسے دبوچ نہ پاتے۔

کہا جاتا تھا کہ "تموچن اور اس کے بھائیوں کی قوت بڑھتی جا رہی ہے"۔

صرف تموچن میں ایک متعین مقصد کا لافانی شعلہ بھڑک رہا تھا۔ یہ کہ وہ اپنی میراث کا مالک بن کے رہے گا۔ اس زمانے میں جبکہ اس کی عمر سترہ سال کی تھی وہ بورتہ کو لینے گیا تاکہ بیاہ کے وہ اسے اپنی پہلی بیوی بنا کے لائے۔

تیسرا باب

چھکڑوں والی لڑائی

قدیم چینی ان شمالی وحشیوں کو تیر کمان والے لوگ، لمبے دنوں اور اونچے سفید پہاڑوں کے رہنے والے لوگ کہا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں ہنسنے بولنے، قہقہے لگانے کی بڑی عادت تھی۔ زندگی ان کے لئے ان تھک محنت تھی اور عناصر ان کے دشمن تھے۔ ان کی زندگی مسلسل مصیبت جھیلتے جھیلتے گذرتی تھی، اسی لئے تکلیفوں میں ذرا بھی کمی ہوتی تو یہ ہنس بول لیتے۔ تموچن اور اس کے مغلوں کا تصور ہی یوں ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہنس مکھ ہنسی مذاق کرنے والے لوگ تھے اور ان کا مذاق کبھی کبھی ایسا ہی سخت ہوتا تھا جیسی ان کی سفاکی۔ ان کی ضیافتیں بڑی ہنسوڑ محفلیں ہوتی تھیں۔

تقریبوں کا — جن کو وہ اِخوُدُور کہتے تھے — بہت کم موقعہ آتا۔ بس شادی بیاہ کی تقریبیں ہوتیں یا میت کے سوگ کی رسمیں۔ تموچن جب بورتہ کے باپ کے خیموں والے گاؤں میں پہنچا۔ تب آپس کی بھیڑیا چال دشمنی کے دوران اور فضا میں تقریب کی خوشگوار فضا پیدا ہوئی۔ دفعتہً کئی سو نوجوان سوار نمودار ہوئے۔ پوری طرح مسلح، بھیڑ کی کھالوں کے لبادوں میں ملبوس، دباغت کئے ہوئے چمڑے کے شلوکے پہنے، اور سینوں پر بھیانک نقش و نگار والے چرمی سینہ پوش پہنے، اونچی زینوں کی وچیوں پر پانی کی مشکیں، کاندھوں پر نیزے لٹکائے — چہروں کی ہڈیاں نکلی ہوئی، اور ان چہروں پر سردی اور ہوا کی کاٹ سے بچنے کے لئے چربی کی تہیں ملی

ہوئی۔ اور اس چربی پر گرد اور خاک اٹی ہوئی۔

بورتہ کے باپ نے نوجوان خان سے کہا "جب میں نے سُنا کہ تجھ سے لوگوں کو کتنی سخت دشمنی ہے، تو ہمیں اس کی اُمید نہیں رہی تھی کہ تجھے یوں زندہ دیکھیں گے"!

قہقہہ اور بے تحاشا ہنسی مذاق کا بے نظیر منظر۔ نوکر ادھر سے ادھر دوڑتے ہوئے کہ بھیڑوں اور موٹے موٹے دنبوں کو کاٹیں اور گوشت کے تکّے تکّے کریں۔ اور اس کو پکانے کا بندوبست کریں۔ مغل جنگجو جو یورت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اسلحہ دروازے پر چھوڑ آئے تھے۔ خیموں کے بزرگوں کے دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے ہوئے، پینے اور تالیاں بجانے میں مصروف۔ ہر دَور سے پہلے نوکر جلدی سے تھوڑی سی شراب انڈیل کے چاروں سمتوں، چاروں طرف کی ہواؤں کے لئے بکھیر دیتے اور یکتاروں پر ہلکی سی چوٹ پڑتی۔

اپنے ساتھیوں کے کان کھینچتے ہوئے گویا اس لئے کہ حلق چوڑے ہو جائیں اور اُبلا ہوا جھاگ جھاگ، دودھ اور چاولوں کی شراب اور آسانی سے اترے، اور بے ڈھنگے پن سے ہرنوں کے چمڑے کے جوتے پہنے ہوئے ناچتے ہوئے میدانی سواروں کا منظر۔

تیسرے دن بورتہ موقع کے لحاظ سے خاموش، سردار کے خیمے میں بائیں جانب بیٹھی تھی۔ وہ سفید سمور کا لمبا سا ملبوس پہنے تھی۔ اس کی چوٹیاں چاندی کے سکوں، اور ننھی ننھی مورتیوں سے بوجھل ہو رہی تھیں، اُس کے سر پر صنوبر کی چھال کی مخروطی سی کلاہ تھی، جس پر قیمتی ریشم منڈھا ہوا تھا اور جسے وہ دونوں کانوں پر گندھی ہوئی چوٹیوں کے جوڑوں کے سہارے اوڑھے ہوئے تھی اور وہ اس وقت تک خاموش بیٹھی تھی جب تک کہ رخصتی کا وقت آئے اور پھر وہ خیمہ خیمہ چھپتی پھرے اور رنوچن رسم کے مطابق

اُس کا پیچھا کرے۔ رسم کے مطابق اس کی بہنوں اور خاوماؤں سے لڑے اور بالآخر گھوڑے پر بٹھا کے اُڑا لے جائے۔

یہ اُس چھوٹی سی ناک والی حسینہ کی مختصر سی اِنجو دُور (تقریب) تھی جو تموچن کے ایک ٹٹو پر بیٹھ کے اپنے خیموں والے گاؤں سے رخصت ہوئی۔ چار سال سے وہ اس کی آمد آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ اور اب اس کی عمر تیرہ سال کی تھی۔

وہ یوں سواری کر رہی تھی کہ اس کی کمر اور اس کے سینے پر آسمانی پٹکے بندھے ہوئے تھے۔ اُس کے نوکر اپنے ساتھ ایک سموری لبادہ لئے جا رہے تھے جو تموچن کی ماں کو تحفہ کے طور پر پیش کیا جانے والا تھا۔ اب وہ خان کی بیوی تھی۔ یورت کی نگرانی اُس کا منصب تھا۔ اس کا کام تھا کہ ضرورت پڑے تو جانوروں کا دودھ دوہے۔ جب مرد لڑنے کے لئے چلے جائیں تو ریوڑوں کی چوپانی کرے، خیموں کے لئے نمدا تیار کرے، ریشوں کی تانت سے کپڑے بُنے، اور مردوں کے لئے چپلیں اور موزے تیار کرے۔

یہ سب اُس کے فرائض تھے۔ اور بے شک تقدیر نے اُسے ایسے مرتبے کے لئے چُنا تھا اور جو اور سب عورتوں سے بہت بالاتر تھا۔ تاریخ اُسے بورتہ فوجین کے نام سے جانتی ہے جو شہنشاہ بیگم بنی اور اُن تین بیٹوں کی ماں بنی۔ جنھوں نے بعد کے زمانے میں رومتہ الکبریٰ سے بڑی سلطنت کے رقبے پر حکومت کی۔

سموری لبادہ کی بھی اپنی الگ تقدیر تھی۔ تموچن نے اب یہ مناسب سمجھا کہ قرائیت کے سردار طغرل کے پاس جائے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے نوجوان بہادروں اور تحفہ دینے کے لئے سموری لبادے کو لیتا گیا۔

طغرل خاں صاحب کردار اور صلح پسند آدمی تھا۔ اگر وہ خود عیسائی نہیں تھا تو اُس کے قبیلے والے زیادہ تر نسطوری مسیحیوں پر مشتمل تھے۔ جنھوں نے سینٹ اینڈ رواور

سینٹ تھامس کے اولین حواریوں سے مذہبی تعلیم پائی تھی۔ وہ اُن دریائی زمینوں کے مالک تھے۔ جہاں اب شہر ارجہ آباد ہے۔ چونکہ نسلاً وہ زیادہ تر ترک تھے، اس لئے مغلوں کے مقابلے میں وہ تجارت اور تاجرانہ آرام و آسائش کے سامان کے زیادہ دلدادہ تھے۔

جب تموچن اپنے اس منہ بولے باپ کے دربار میں پہلی بار گیا تو اس نے طاقتور قرایت کی مدد نہیں مانگی بلکہ طغرل نے اس کی روانگی سے پہلے اُسے یاد دلایا کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں مدد کا پیمان ہے۔

لیکن جلد ہی تموچن کو بوڑھے خان سے دوستانہ مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ گوبی کے جھگڑے پھر سے بھڑک اُٹھے۔ خلافِ توقع شمالی میدانوں سے ایک طاقتور قبیلے نے حملہ کیا اور مغل جرگے پر یورش کی۔ یہ لوگ مرکیت یا مکریت کہلاتے تھے۔ یہ کھرے وحشی تھے جو ٹنڈرا کے علاقوں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھے۔ یہ یخ بستہ سفید دُنیا کے لوگ تھے، جہاں آدمی بے پہیوں کی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں، جن میں کتے اور رین ڈیر جتے ہوئے ہوتے ہیں۔

ہر لحاظ سے یہ بڑے کڑے جنگجو تھے، اور یہ اُس جنگجو کے رشتہ دار تھے جس کے پاس سے اٹھارہ سال پہلے تموچن کا باپ اولون کو اڑا لے گیا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ وہ اس پرانی رنجش کو نہیں بھولے تھے۔ وہ رات کو تموچن کے اُردو میں بھڑکتی ہوئی مشعلیں پھینکتے ہوئے در آئے۔

تموچن کو اس کا موقع مل گیا کہ گھوڑے پر چڑھ کے تیر چلاتا ہوا حفاظت سے باہر نکل آئے، لیکن بورتہ حملہ آوروں کے چنگل میں پھنس گئی۔ قبائلی انصاف کے مطابق انہوں نے اس کو ایک ایسے شخص کے حوالے کیا جو اس شخص کا عزیز تھا۔ جس کے پاس سے اولون اغوا کی گئی تھی۔

اس شمالی جنگجو کو مغل کی دلہن کے ساتھ زیادہ دن مزے اڑانے کا موقع نہیں ملا۔ تموچن جس کے پاس اتنے آدمی نہیں تھے کہ مکریت پر حملہ ہو سکے۔ اپنے منہ بولے باپ طغرل کے پاس گیا اور قوم قرایت کی مدد مانگی۔ اس کی درخواست فوراً منظور کر لی گئی اور ایک چاندنی رات کو مغلوں اور قرایت نے مل کے حملہ آوروں کے گاؤں پر یورش کی۔

داستاں میں یہ منظر خوب بیان کیا گیا ہے۔ تموچن درہم برہم خیموں کے درمیان سواری کر رہا تھا اور اپنی گم شدہ دلہن کو پکارتا جاتا تھا۔ بورتہ اُس کی آواز سُن کے دوڑی ہوئی آئی اور اس کی لگام پکڑ لی اور اس نے اسے پہچان لیا۔

"میں جسے ڈھونڈھ رہا تھا وہ مجھے مل گئی" نوجوان مُغل نے چلاّ کے اپنے رفیقوں سے کہا اور اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔

اُسے کبھی بھی پوری طرح یقین نہیں ہُوا کہ بورتہ کا پہلوٹی کا لڑکا اُس کے اپنے نطفے سے ہے یا نہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بورتہ کو ہمیشہ بہت چاہتا رہا اور اس کے بیٹوں کے درمیان اُس نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔ اس کے اور بھی بچے تھے۔ لیکن یہ لڑکے اس کے چہیتے رفیق تھے۔ دوسری بیویاں اور ان کے بچے داستان میں مبہم ناموں سے بڑھ کے نہیں۔

ایک مرتبہ سے زیادہ ایسا ہُوا کہ جب تموچن کی جان کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو بورتہ نے اپنی جبلت سے پتہ چلا لیا۔ صبح کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس کے بستر کے کنارے دوزانو ہو کے رو رہی ہے۔

"اگر تیرے دشمن تیرے بہادروں کو جو دیوداروں کی طرح سر بلند ہیں ہلاک کر ڈالیں گے تو تیرے چھوٹے چھوٹے کمزور بچّوں کا کیا حشر ہوگا؟"

صحرائی قبیلوں کی ان باہمی لڑائیوں میں کبھی امن کی نوبت نہ آئی۔ ابھی تک اُن تمام

خانہ بدوشوں میں جو چین کی دیوارِ چین کے اس پار کی ویران سرزمینوں میں گھوما کرتے تھے۔ مغل ہی سب سے زیادہ کمزور تھے۔ طغرل کی سرپرستی سے کچھ سال وہ قبیلوں کے مغربی حلقے سے محفوظ رہا۔ لیکن مشرق سے تائیجوت اور بویر جھیل کے تاتاری[1] پرانی دشمنی اور کینہ توزی کے ساتھ اسے پریشان کرتے رہتے تھے۔ صرف لاانتہا جسمانی قوت، اور ایک بھیڑیے کی سی جبلت جس سے فوراً خطرے کا احساس ہو جائے، خان کی جان بچاتی رہی۔

ایک مرتبہ وہ مردہ سمجھ کے برف پر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے حلق میں ایک تیر پیوست تھا۔ دو رفیقوں نے اسے وہاں پڑا دیکھ کے اس کے زخم سے خون چوسا اور ایک پیالہ میں برف پگھلا کے اُس کے زخموں کو پونچھا۔ ان جنگجوؤں کی جاں نثاری محض زبانی جمع خرچ نہیں تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ بیمار پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے دشمنوں کے خیمے سے اس کے لئے غذا چرائی اور پھر جب میدان میں برف و باد کا سخت طوفان آیا تو اس پر ایک چرمی لبادے کا سایہ کئے رہے جس کی پناہ میں وہ سوتا رہا۔

ایک ایسے خان کے یورت میں جس کو وہ دوست سمجھتا تھا ایک دعوت ہوئی اور اسے پتہ چلا کہ ایک بظاہر سیدھے صاف قالین کے نیچے جس پر بیٹھنے کے لئے اس سے کہا گیا ہے، ایک خندق کھدی ہوئی ہے۔ جلد ہی تموچن کو ایسی ہی آفت سے اپنے پورے قبیلے کو بچانا پڑا۔

مغل جن کی جملہ تعداد اب تیرہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی، گرما کی چراگاہوں سے سرما کی چراگاہوں کی طرف سفر کر رہے تھے۔ وہ ایک لمبی سی وادی میں پھیلے ہوئے تھے اُن کے

---

[1] تاتاریوں کا قبیلہ جداگانہ تھا۔ قدیم یورپی غلطی سے مغلوں کو تاتاری اور مغل خانوں کی سلطنت کو تاتار کہتے تھے۔ یہ لفظ دراصل چینی ہے ــ "تاتا" یا "تائی تزی" اس کے معنی ہیں "دُور کے لوگ"۔ اس کا بھی امکان ہے کہ تاتاریوں نے اپنے ایک پرانے سردار تاتور کے نام پر اپنے لئے خود یہ نام تجویز کیا ہو۔

"کبت کے" یا ایسے چھکڑے جن پر خیمے نصب تھے۔ آہستہ رو ریوڑوں کے درمیان کھڑکھڑاتے ہوئے چلے آ رہے تھے کہ خان کو اطلاع ملی کہ اُفق پر دشمنوں کا لشکر نظر آیا ہے اور تیزی سے اس پر جھپٹ رہا ہے۔

یورپ کے کسی شہزادے پر کبھی ایسا وقت نہیں آیا۔

یہ دشمن تیس ہزار تائیجوت نکلے جو برغانائی کی سرداری میں یورش کر رہے تھے۔ بھاگنے کے معنی یہ تھے کہ عورتوں اور مویشیوں اور قبیلے کی ساری ملکیت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لڑنے والے دستوں کو یکجا کر کے آگے بڑھ کے تائیجوت کا مقابلہ کرنے میں یہ بات یقینی تھی کہ تاجوت چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے وہ چاروں طرف سے اُس کے آدمیوں کو گھیر کے کاٹ ڈالتے یا منتشر کر دیتے۔

یہ خانہ بدوشی کی زندگی کا ایسا نازک لمحہ تھا کہ قبیلہ کے نیست و نابود ہو جانے کا ڈر تھا۔ اس وقت خان کے فوری فیصلے اور فوری عمل کی ضرورت تھی۔

فوراً اور اپنے مخصوص انداز میں تموجن نے اس نازک صورتِ حال کا مقابلہ کیا۔ اب اُس کے تمام جنگجو اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کے مختلف جھنڈوں تلے جمع ہو چکے تھے۔ اس نے دستوں کی ایک صف بنائی جس کا ایک پہلو ایک جنگل کی وجہ سے محفوظ تھا۔ دوسرے پہلو پر اُس کبت کوں (چھکڑوں) کا ایک بڑا سا چوکور حلقہ بنایا۔ یہ حلقہ اندر سے خالی تھا اس میں اس نے تمام مویشیوں کو ہنکا دیا اور چھکڑوں میں اس نے جلدی سے تمام عورتوں اور لڑکوں کو اکٹھا کر دیا۔ لڑکے تیر کمان سے مسلح تھے۔

اب وہ ان تیس ہزار کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا جو وادی کو طے کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ وہ پوری طرح آراستہ تھے اور پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم تھے۔ ان دستوں میں ایک ایک صف میں سو سو آدمی تھے اور اس طرح گہرائی میں پانچ پانچ صفیں تھیں۔

پہلی دو قطاریں مسلّح تھیں۔ لوہے کی وزنی کانٹے دار جڑی ہوئی زرہیں۔ لوہے یا سخت منقش چمڑے کے خود جن پر گھوڑے کے بالوں کے طرّے لگے ہوئے تھے۔ گھوڑے بھی ساز پوش تھے۔ اُن کی گردنوں، سینوں اور بازوؤں پہ چمڑا منڈھا ہوا تھا۔ اُن کے سوار چھوٹی چھوٹی گول گول ڈھالیں، اور نیزے لئے ہوئے تھے۔ نیزوں کی انی سے ذرا نیچے گھوڑے کے بالوں کے گچھے تھے۔

لیکن مسلّح سواروں کی یہ صفیں ٹھہر گئیں اور ان کے درمیان سے نکل کے، بالکل پیچھے کی صفیں آگے بڑھیں۔ ان میں جو سوار تھے وہ صرف دباغت کیا ہوا چمڑہ پہنے ہوئے تھے۔ اور برچھیوں اور کمانوں سے مسلّح تھے۔ تیز رفتار گھوڑوں پر انہوں نے مغلوں کے سامنے اپنے ہتھیار چلاتے ہوئے ایک چکر کاٹا اور مسلّح زرہ پوش سوار فوج کے لئے پردے کا کام کیا۔

تموچن کے آدمیوں نے جو اسی طرح مسلّح اور آراستہ تھے۔ اس حملہ کا تیروں کی بوچھاڑ سے جواب دیا، یہ تیر طاقتور کمانوں سے نکلتے تھے جنہیں سینگوں کے ذریعے مضبوط بنایا گیا تھا۔

یہ ابتدائی جھڑپ ختم ہوئی اور تائیجوت ہلکی سوار فوج چکر کاٹ کے اپنی پرانی جگہ مسلّح زرہ پوش صفوں کے پیچھے پہنچ گئی۔ پھر جمے ہوئے دستوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑا کے پیش قدمی کی۔

تب تموچن نے بھی اپنے مغلوں کو ان کے مقابلے کے لئے بڑھایا۔ لیکن اس نے اپنے قبیلوں کو ایک ہزار کے دُہرے دستے میں تقسیم کیا تھا اور دستے میں دس صفیں تھیں اگر چہ کہ اس کے پاس کل تیرہ دستے تھے اور تائیجوت کے ساٹھ دستے تھے، لیکن اس تنگ سے محاذ پر اُس کے گہرے فوجی حجم کی وجہ سے تائیجوت کی پیش قدمی رُک گئی اور ان کے آگے آگے کے دستے منتشر ہو گئے۔

اب تموچن کو موقع ملا اور وہ اپنے مسلح دستوں کو دشمن کے ہلکے دستوں کے مقابل جھونک سکا۔ مغل اپنے نو یاکوں کے دموں والے جھنڈے کے پیچھے پیچھے آگے بڑھے پھیلتے ہوئے اور چکر کاٹتے ہوئے اور دونوں جانب تیر برساتے ہوئے۔

اس کے بعد صحرا کا سخت معرکہ شروع ہوا۔ سوار جھٹے، غیظ و غضب سے چیختے ہوئے تیروں کی بارش میں سمٹتے ہوئے، چھوٹی چھوٹی تلواریں چلاتے ہوئے، کمندوں اور نیزوں کے کانٹوں سے اپنے دشمنوں کو زین سے نیچے کھینچتے ہوئے۔ ہر دستہ کا اپنا سردار تھا۔ وادی میں اس سرے سے اس سرے تک لڑائی ہوتی رہی اور جنگجو حملے کے بعد منتشر ہوتے پھر سے جمع ہوتے اور پھر حملہ کرتے۔

یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک آسمان سے دن کی روشنی رخصت نہیں ہوئی۔ تموچن نے مکمل فتح پائی۔ پانچ چھ ہزار دشمن کھیت رہا۔ اس کے سامنے دشمن کے ستر سوار لائے گئے جن کی گردنوں سے تلواریں اور ترکش لٹک رہے تھے۔

بعض روائتیں یہ کہتی ہیں کہ مغل خان نے ان ستّر سرداروں کو اسی جگہ کڑاہیوں میں زندہ اُبلوا دیا۔ لیکن یہ ظلم کی کہانی قرینِ قیاس نہیں۔ نوجوان خان کے دل میں رحم تو خیر بالکل نہیں تھا، لیکن وہ مضبوط جسم والے قیدیوں سے کام لینا خوب جانتا تھا۔

چوتھا باب

تموچن اور دھارے

مغلوں کے سُرخ بالوں والے خان نے پہلے گھمسان کے رن میں لڑکے فتح حاصل کی۔ اب وہ بڑے فخر سے ہاتھی دانت یا سینگ، سے مرصع جریب اپنے ہاتھ میں لیئے رہتا۔ اس جریب کی شکل ایک چھوٹے سے عصا کی تھی، یہ سپہ سالارانہ انسانوں کے سردار کا نشان تھا۔

وہ ہر وقت اسی آرزو میں گرفتار رہتا کہ اور زیادہ آدمی اس کے نوکر بنیں۔ اس کی یہ خواہش ان تکلیف کے ایام کی یادگار تھی جب، بلغورچی نے اس پر رحم کھایا تھا اور موٹی عقل والے قسار کے تیروں نے اس کی جان بچائی تھی۔

تموچن کے نزدیک قوت کا پیمانہ سیاسی طاقت نہیں تھی۔ ابھی تک اس نے سیاسی طاقت کے متعلق غور نہیں کیا تھا۔ نہ قوت کا انحصار دولت پر تھا، جو کچھ زیادہ کام نہیں آتی۔ چونکہ وہ مغل تھا۔ اس لیئے وہ وہی چاہتا تھا جس کی اُسے ضرورت تھی۔ اس کے نزدیک قوت کا انحصار انسانوں کی قوت اور تعداد پر تھا۔ جب وہ اپنے بہادروں کی تعریف کرتا تو کہتا کہ انہوں نے سخت پتھروں کو کچل کے ریت بنا دیا ہے، چٹانوں کو اُلٹ دیا ہے اور گہرے پانیوں کے تموّج کو ٹھہرا دیا ہے۔

سب سے زیادہ وہ وفاداری کا جُویا تھا۔ اہلِ قبائل کے نزدیک، دغا نا قابلِ معافی گناہ تھی۔ غدّار پُوری کی پُوری خیموں کی بستی کو تباہ و برباد کروا سکتا تھا یا پورے گروہ کو دشمن کے جال میں پھنسوا سکتا تھا۔ سب سے زیادہ پسندیدہ جو صفت تھی وہ تبیلے

— اور یہ بھی کہہ لیجئے کہ خان — سے وفاداری کی تھی ۔ ایسے آدمی کو کیا کہئے جو صبح کو وعدہ کرے اور رات کو اُسے توڑ دے "۔

آدمیوں کی اُسے جو تمنا تھی اُس کا اندازہ اس کی دعا سے ہوتا ہے۔ مغل کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک کھرے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا کرتا جس کو وہ تنگری کا مسکن سمجھتا۔ تنگری اوپری ہوا کی وہ روحیں تھیں جو طوفان و رعد اور لامتناہی آسمان کے اور خوف انگیز مظاہر کو حرکت میں لائیں۔ وہ چاروں سمتوں کی ہواؤں سے، اپنی پیٹی کاندھے پر ڈال کے یوں دعا مانگتا "اے لامتناہی آسمان مجھ پر کرم کر۔ اوپری ہواؤں کی روحوں کو میری دوست بنا کر بھیج لیکن زمین پر آدمیوں کو بھیج تاکہ وہ میری مدد کر سکیں"۔

اور نو یاکوں کی دموں والے جھنڈے کے نیچے آدمی بڑی تعدادوں میں جمع ہوتے رہے۔ گھرانہ گھرانہ اور دس بیس نہیں، بلکہ سینکڑوں۔ ایک آوارہ گرد قبیلہ جس سے اس کے پہلے کے خان سے دشمنی ہو گئی تھی۔ سنجیدگی سے مغلوں کے تموچن کے فضائل کے متعلق یُوں رائے زنی کرتا — "وہ شکاری کو اجازت دیتا ہے کہ بڑے بڑے شکاروں میں جتنا شکار خود کرے خود اپنے پاس رکھے۔ لڑائی کے بعد ہر آدمی لوٹ کا وہ حصہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو قاعدے سے اس کا ہو جائے۔ اس نے اپنے کندھے سے ملبوس اتار کے تحفے کے طور پر دیا ہے۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا ہے اور گھوڑا ضرورت مند کو دے چکا ہے"۔

کوئی شخص جسے چیزیں جمع کرنے کا شوق ہو، نادر اشیا کو اس شوق سے جمع نہیں کرتا تھا جیسے یہ مغل خان ان آوارہ گردوں کو۔

وہ اپنے اطراف ایک دربار اکٹھا کر رہا تھا۔ جس میں حاجب اور مشیر نہیں تھے اور جو جنگجو جوانوں پر مشتمل تھا۔ لڑائی میں اس کے پہلے ساتھی بغورچی اور قسار تو تھے ہی ان کے علاوہ ارغون تھا جو ستار بجاتا تھا۔ بیان اور مقولی دو چالاک، اور جنگ کے

زخموں سے منجھے ہوئے سپہ سالار تھے۔ اور سُو بہادر تھا جو بڑے معرکے کا تیر انداز تھا۔

ارغون اگرچہ "مغنی" نہیں بھی تھا، تب بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑا ہی خوش مزاج تھا۔ اس کی صرف ایک جھلک ہمیں اُس موقع پر دکھائی دیتی ہے جبکہ خان سے اس نے ایک طلائی ستار مستعار لیا اور اُسے گُما دیا۔ تیز مزاج مغل کو تاؤ آگیا اور اس نے اپنے دو سرداروں کو ارغون کو قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ بجائے قتل کرنے کے انہوں نے مجرم کو پکڑ کے دو مشکیزے بھر کے شراب پلادی اور پھر اُسے چھپا دیا۔ دوسری صبح انہوں نے اُسے نشہ سے جگایا اور خان کی یورت کے دروازے تک لے گئے اور کہا "اے خان تیری اردو میں روشنی پھیلنے لگی ہے۔ دروازہ کھول اور رحم کا کرشمہ دکھا"۔

خاموشی کے لمحے سے فائدہ اٹھا کے ارغون نے گانا شروع کیا:۔

"طائر گاتا ہے تنگ تانگ
آخری نوا سے پہلے اس پر شہباز جھپٹتا ہے ——
اسی طرح میرے آقا کا غضب مجھ پر نازل ہوا۔
افسوس! مجھے ساغر کی گردش سے محبت ہے لیکن میں چور نہیں"۔

چوری کی سزا موت تھی لیکن ارغون کو معاف کردیا گیا، اور آج کے دن تک طلائی ستار کا معمہ حل نہیں ہو پایا۔

خان کے یہ بہادر سردار گوبی کے پورے علاقہ میں "دیات" یا "امڈتے ہوئے دھارے" کہلاتے تھے۔ اُن میں سے دونوں نے، جو ابھی لڑکے تھے، کچھ عرصے بعد طول البلد کے نوے درجوں میں بڑی تباہی اور بربادی پھیلائی۔ ان میں سے ایک جبی نویان (تیر شہزادہ) تھا اور دوسرا سو بدائی بہادر۔

جبی نویان منظر پر یُوں نمودار ہوتا ہے کہ وہ ایک دشمن قبیلے کا نوجوان تھا اور

ایک لڑائی کے بعد تعاقب میں پکڑا گیا اور تموچن کے سامنے مغل اسے لے آئے۔ اُس کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ اس نے گھوڑا مانگا اور کہا کہ وہ مغلوں میں سے جو اس کا مقابلہ کرنا چاہے اس کا تنہا مقابلہ کرنے کو تیار ہے۔ تموچن نے اس کی درخواست منظور کر لی اور نوجوان جبی کو ایک تیز سفید ناک والا گھوڑا دے دیا۔ سوار ہو کے جبی مغلوں کی صف کو کاٹتا ہوا بچ کر نکل گیا۔ پھر وہ واپس آ گیا اور اس نے خان کا نوکر بننے کی خواہش ظاہر کی۔

بہت عرصے بعد جب جبی نویان، طیان شان کے پہاڑوں میں گشت لگاتا ہوا قراختائی کے کوشلوک قبیلوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس نے ہزار سفید ناک والے گھوڑوں کا ایک گلہ فراہم کر کے خان کو تحفے کے طور پر بھیجا۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے وہ اس واقعہ کو نہیں بھولا جس میں اُس کی جان بچائی گئی تھی۔ نوجوان جبی سے تندی میں کم، لیکن فراست میں زیادہ سوبدائی تھا۔ جس کا تعلق شمالی آہوؤں والے قبیلے اوس ریانچی سے تھا۔ اس کی طبیعت میں بھی حصولِ مقصد کے لئے تموچن جیسی سختی اور سنگدلی کا کچھ حصہ تھا۔ تاتاریوں سے ایک لڑائی میں جھڑپ سے پہلے خان نے پوچھا کہ کون سا سردار پہلا حملہ کرے گا۔ سوبدائی آگے بڑھا۔ خان نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ سوچے سمجھے ہوئے جنگجوؤں کو اپنی حفاظت کے لئے اپنے ساتھ لے۔

سوبدائی بہادر نے کہا کہ وہ اپنے ساتھ اور کسی کو نہیں لینا چاہتا۔ وہ لشکر سے پہلے تنہا آگے جانا چاہتا تھا۔

ذرا شک کے عالم میں تموچن نے اسے رخصت کی اجازت دے دی اور سوبدائی تاتاریوں کے خیموں میں پہنچا۔ جہاں اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے خان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ ان کے قبیلے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اس نے انہیں یقین دلایا کہ مغلوں کا لشکر قریب میں کہیں نہیں۔ اور جب مغلوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ اس کے لئے

بالکل تیار نہیں تھے۔ مغلوں نے انہیں تتّر بتّر کر دیا۔

سوبدائی نے نوجوان خان سے وعدہ کیا "میں تجھے دشمنوں سے اس طرح بچاؤں گا جیسے نمدہ سرد ہوا سے محفوظ رکھتا ہے۔ میں تیرے لئے یہ خدمت انجام دوں گا۔"

اُس کے سورماؤں نے اُسے یقین دلایا "جب ہم حسین عورتیں اور اعلیٰ درجے کے گھوڑے پکڑیں گے تو سب کے سب تیرے پاس لائیں گے۔ اگر ہم تیرا حکم بجا نہ لائیں یا تجھے نقصان پہنچائیں تو ہمیں بنجر ویرانوں میں ہلاک ہونے کے لئے اکیلا چھوڑ دینا۔"

تموچن نے اپنے بہادروں کو یہ جواب دیا "جب تم میرے پاس آئے تو میری حالت ایک خوابیدہ آدمی کی سی تھی۔ پہلے میں رنجیدہ بیٹھا تھا اور تم نے مجھے جگا دیا۔"

وہ فی الحقیقت یکّہ مغلوں کا خان تھا اور وہ اسے سردار مانتے تھے۔ اس نے اِن سورماؤں میں سے ہر ایک کو وہ تحسین اور اعزاز بخشا جس کا وہ مستحق تھا اور ہر شخص کے کردار کے لحاظ سے۔

اس نے کہا کہ قوریلتائی (سرداروں کی مجلسِ مشاورت) میں لبغورچی اُس سے سب کے مقابل زیادہ قریب بیٹھا کرے گا اور اس کا شمار اُن لوگوں میں ہو گا جنہیں خان کے تیر اور کمان کو سنبھالنے اور ساتھ رکھنے کی اجازت ہو گی۔ دوسروں کو اس نے غذا کا ذمہ دار مقرر کیا اور انہیں گلوں کی حفاظت سونپی اور دوسروں کو "کبت کوں" کا اور خادموں کا حاکم مامور کیا۔ قسار کو، جو جسمانی طور پر بڑا طاقتور تھا مگر شئے لطیف سے محروم اس نے تیغ بردار مقرّر کیا۔

اپنے نائبوں، لشکر کے سرداروں، کی خدمتوں کے لئے تموچن نے ایسے آدمیوں کو منتخب کیا جو فہیم بھی تھے اور جری بھی۔ وہ اس ہوشیاری کی قدر و قیمت بھی جانتا تھا

جس کا تقاضا یہ ہے کہ وقت پر غصّہ کو پی جانا چاہیئے اور جب مناسب وقت آجائے تو ضرب لگانی چاہیئے۔ حقیقت میں مغل کردار کی اصل بنیاد وہی صبر ہے۔ جو لوگ بہادر اور بیوقوفی کی حد تک نڈر تھے۔ انہیں اس نے کبت کوں اور سامانِ رسد کی حفاظت سپرد کی۔ جو احمق تھے۔ وہ گلوں کی نگہبانی کے لئے باقی رہنے دیئے گئے۔

ایک سردار کے متعلق اس نے کہا "یسوتائی سے زیادہ جری اور کوئی نہیں جیسی انوکھی خوبیاں اس میں ہیں اور کسی میں نہیں۔ لیکن چونکہ لمبی لمبی مسافتوں کے طے کرنے میں وہ خود نہیں تھکتا اور نہ اُسے بھوک پیاس لگتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اور افسر اور سپاہیوں کو بھی یہ تکلیفیں نہیں ستاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اعلیٰ فوجی عہدے کے قابل نہیں۔ سپہ سالار کو چاہیئے کہ وہ بھوک پیاس کا لحاظ کرے، تاکہ جو لوگ اس کے تحت ہیں۔ وہ ان کی تکلیفوں کو سمجھ سکے اور وہ انسانوں اور جانوروں کی طاقت کو وقت پر محفوظ اور مہیا کر سکے۔"

اپنے ان "زہریلے جنگجوؤں" والے دربار پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے نوجوان خان کو پوری پوری سنگدلانہ مستقل مزاجی، اور بڑی متوازن منصف مزاجی کی ہمیشہ ضرورت پڑتی۔ جو سردار اس کے جھنڈے تلے جمع ہوتے وہ وانگکنگ لوگوں کی طرح سرکش تھے۔ داستان میں ذکر ہے کہ کس طرح بورتہ کا باپ اپنے ساتھیوں اور اپنے سات جوان بیٹوں کو خان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آیا۔ تحفے دیئے اور لئے گئے اور ساتوں بیٹوں کو مغلوں کے درمیان جگہ دی گئی۔ لیکن ان کی وجہ سے آپس میں بڑی تلخی پیدا ہوئی، خاص طور پر اس ایک کی وجہ سے جو شامان بھی تھا اور جس کا نام تب تنگری تھا۔ چونکہ وہ شامان تھا۔ اس لئے اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کی روح جب چاہے جسم کو چھوڑ کے عالمِ ارواح میں داخل ہو سکتی ہے۔ اُسے مستقبل کی بات جاننے کا ملکہ تھا۔

اور تب تنگری میں حسبِ جاہ بڑی خطرناک حد تک موجود تھی۔ کئی دن مختلف اتراد ول کے خیموں میں بسر کرنے کے بعد ایک دن اس نے اور اس کے بھائیوں نے قسار کو گھونسوں اور لاٹھیوں سے پیٹ ڈالا۔

قسار نے خان تموچن سے شکایت کی۔

اُس کے بھائی نے جواب دیا "تُو تو یہ دعوے کرتا ہے کہ طاقت اور ہوشیاری میں کوئی تیرے برابر نہیں، پھر تو نے ان لوگوں سے کیسے مار کھائی؟"

اس پر قسار کو غصہ آ گیا۔ وہ اردو میں اپنے گھر چلا گیا اور تموچن کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ اس اثنا میں تب تنگری خان کے پاس پہنچا اور کہا "میری روح نے دوسرے عالم میں یہ الفاظ سُنے ہیں اور یہ حقیقت مجھے خود آسمان نے بتائی ہے کہ تموچن اپنے لوگوں پر کچھ دن حکومت کرے گا۔ لیکن پھر قسار حکومت کرے گا۔ اگر تو قسار کا خاتمہ نہ کرے گا تو تیری حکومت زیادہ دن نہیں چلے گی۔"

اس جادوگر پجاری کی چالاکی کا خان پر ضرور اثر ہوا۔ کیونکہ وہ اسے پیشین گوئی سمجھتا تھا۔ اُس شام سوار ہو کے وہ اپنے جنگجوؤں کے ایک چھوٹے سے جتھے کو ساتھ لے کے قسار کو گرفتار کرنے نکلا۔ اس کی اطلاع اس کی ماں اولون کو مل گئی۔ وہ جلدی سے ایک گاڑی میں تیز قدم اونٹ جتوا کے خان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔

وہ قسار کے خیموں میں پہنچی اور اُن جنگجوؤں کے درمیان سے ہو کے گذری جو ان خیموں کو گھیرے ہوئے تھے۔ خاص یورت میں جب وہ داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ تموچن، قسار کے سامنے کھڑا ہے۔ قسار دوزانو ہے اور اس کی ٹوپی اور اس کی کمر پیٹی اُس سے چھینی جا چکی ہے۔ خان بڑے غصے کے عالم میں تھا اور اس کے چھوٹے بھائی پر جو بڑا تیر انداز تھا، موت کا خوف غالب تھا۔

اولون ارادے کی پکی عورت تھی۔ اس نے قسار کی زنجیریں کھول دیں اور

اس کی ٹوپی اور اس کی کمر پیٹی اس کے حوالے کی۔ دوزانو ہو کے اس نے اپنا سینہ کھول دیا اور تموچن سے کہا "تم دونوں نے ان چھاتیوں کا دودھ پیا ہے۔ تموچن تجھے اور بہت سے ہنر ملے ہیں لیکن یہ خوبی قساری کو عطا ہوئی ہے کہ وہ اس طاقت اور کمال سے تیر چلائے کہ ایک بھی خطا نہ ہونے پائے۔ جب آدمیوں نے تجھ سے بغاوت کی ہے تو اس نے اپنے تیروں سے انہیں مار گرایا ہے۔"

نوجوان خان خاموشی سے سنتا رہا اور اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک اس کی ماں کا غصہ نہ اترا۔ پھر یورت سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا "جب میں نے یہ حرکت کی۔ تو میں خوفزدہ تھا اور اب میں شرمندہ ہوں۔"

تب تنگری خیموں میں پھرتا رہا اور نفاق پھیلاتا رہا۔ وہ دعویٰ کرتا کہ فوق الفطری الہام اس کی ساری سازشوں کا ماخذ ہیں۔ اس لئے وہ مغل خان کے پہلو میں کانٹے کی طرح کھٹکتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی اچھی خاصی جماعت تیار کر لی اور اس میں حُبّ جاہ بہت تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ نوجوان جنگجو کے اثر کو توڑ سکتا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی تموچن سے مقابلہ کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ لیکن انہوں نے خان کے سب سے چھوٹے بھائی تموجو کو پکڑ کے زبردستی مجبور کیا کہ وہ ان کے سامنے دوزانو ہو۔ رسم کے مطابق مغلوں کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ آپس کے جھگڑے ہتھیار دل سے طے کریں۔ لیکن شامان کی اس حرکت کے بعد تموچن نے تموجو کو بلا بھیجا اور اس سے کہا "آج تب تنگری میرے یورت میں آئے گا۔ جیسا تیرا جی چاہے اس کے ساتھ سلوک کر۔"

اُس کی اپنی حیثیت اس جھگڑے میں بڑی مشکل کی تھی۔ منلیک جو ایک قبیلہ کا سردار اور بورتہ کا باپ تھا۔ کئی جنگوں میں اس کا ساتھ دے چکا تھا اور اس لئے اسے بڑے اعزاز بخشے گئے تھے۔ تب تنگری خود شامان تھا، مستقبل کا حال جانتا تھا اور ساحر تھا

بحیثیت خان کے تموچن سے اس کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ لڑائی جھگڑوں میں منصف کا فرض انجام دے۔ نہ یہ کہ جو اس کا اپنا جی چاہے کر گزرے۔

وہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا آگ تاپ رہا تھا کہ مُنلیک اپنے ساتوں بیٹوں کے ساتھ آیا۔ اس نے انہیں مرحبا کہا اور وہ اس کے سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھ گئے۔ اور عین اس وقت تموجا اندر داخل ہوا۔ قاعدہ کے مطابق سارے ہتھیار تو یورت کے دروازے پر چھوڑ دیئے گئے تھے اور اس نوجوان لڑکے نے تب تنگری کے شانوں کو جکڑ لیا۔ "کل تو نے مجھے اپنے سامنے دو زانو ہونے پر مجبور کیا۔ لیکن آج میں تجھ سے طاقت آزمائی کروں گا"۔

کچھ دیر تک وہ زور آزمائی کرتے رہے اور منلیک کے دوسرے بیٹے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

تموچن نے دونوں حریفوں سے کہا "یہاں کشتی نہ لڑو۔ باہر جاؤ"۔

یورت کے باہر تین مضبوط پہلوان پہلے ہی سے منتظر تھے — اسی لمحہ کا انتظار کر رہے تھے، یہ نہیں معلوم کہ تموجو نے انہیں وہاں مقرر کیا تھا یا خان نے جیسے ہی تب تنگری باہر نکلا انہوں نے اُسے پکڑ کے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی اور اُسے ایک طرف پٹک دیا۔ وہ ایک چھکڑے کے پہیئے کے قریب بے حرکت جا پڑا۔

تموجو نے اپنے بھائی خان کو پکار کر کہا "کل تب تنگری نے مجھے زبردستی اپنے سامنے دو زانو کیا تھا۔ اب جبکہ میں اس سے طاقت آزمائی کرنا چاہتا ہوں تو وہ لیٹا ہوا ہے اور مقابلے کے لئے نہیں اٹھتا"۔

منلیک اور اس کے بیٹے دروازے کی طرف گئے اور باہر دیکھا جہاں شامان کا جسم پڑا ہوا تھا۔ تب بوڑھے سردار پر صدمہ کا اثر ہوا اور وہ تموچن کی طرف پلٹا۔ "اے خان، میں تیری خدمت کرتا رہا — آج کے دن تک"۔

اس کا مطلب صاف ظاہر تھا اور اُس کے چھ بیٹے تیار تھے کہ مغل پر جھپٹ پڑیں۔ تموچن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اور اس دروازے کے سوا یورت سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ مدد کے لئے کسی کو پکارتا اس نے سختی سے قبیلہ والوں سے کہا "ہٹ جاؤ۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں"۔

اس خلافِ توقع حکم پر حیرت سے وہ ہٹ گئے اور وہ خیمہ سے باہر اپنے جنگجو سنتریوں کے پاس جا پہنچا۔ ابھی تک تو یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا اور ایسے قصے اس سرخ بالوں والے خان کے اطراف آئے دن پیش ہی آتے رہتے تھے۔ لیکن اُس کی خواہش یہ تھی کہ منلیک کے قبیلہ سے خون کی دشمنی نہ پیدا ہونے پائے۔ شامان کے جسم پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گیا کہ تب تنگری مر کے ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کا اپنا یورت اس طرح ہٹایا جائے کہ شامان کا جسم اس کے اندر آ جائے اور دروازے کا پردہ بند کر کے کس کے باندھ دیا گیا۔

رات آئی تو تموچن نے اپنے دو آدمیوں کو بھیجا کہ پجاری جادوگر کی لاش کو خیمے کے اوپر کے دھواں نکلنے کے روزن سے نکال لے جائیں۔ دوسرے دن جب اردو کے آدمیوں کو تشویش ہوئی کہ جادوگر کا کیا حشر ہوا تو تموچن نے دروازے کا پردہ کھول دیا اور انہیں آگاہ کیا۔

"تب تنگری میرے بھائیوں کے خلاف سازشیں کرتا تھا اور انہیں زدوکوب کرتا تھا۔ اب آسمان کی روحیں اس کی روح اور جسم دونوں کو اٹھا لے گئیں"۔

لیکن اکیلے میں اس نے منلیک کو سنجیدگی سے سمجھایا "تو نے اپنے بیٹوں کو اطاعت کرنا نہیں سکھایا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ میری برابری کرے، اس لئے دوسروں کی طرح میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ رہ گیا تو تو میں نے یہ عہد کیا ہے کہ تجھے ہرگز ہلاک نہ کروں گا۔ اس لئے آ اس قصے

کو ختم کریں"[1]

گوبی کی قبائلی لڑائیاں بہر حال کسی طرح ختم ہونے کو نہیں آتی تھیں۔ بڑے بڑے قبیلے بھیڑیوں کی طرح لڑتے، ایک دوسرے کا پیچھا کرتے، اور ایک دوسرے کا شکار کھیلتے۔ اگرچہ کہ مغلوں کا شمار ابھی تک کمزور قوموں میں تھا مگر اب ایک لاکھ خیمے خان کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ چالاکی سے وہ ان کی حفاظت کرتا، اپنی خوفناک شجاعت سے وہ اپنے جنگجوؤں کی ہمت بڑھاتا۔ بجائے چند خاندانوں کے اب ایک پوری قوم کی حفاظت کا بوجھ اس کے کندھوں پر تھا۔ اب وہ راتوں کو آرام کی نیند سوتا۔ اس کے ریوڑ، جن میں خان کے خراج کے جانور بھی شامل تھے۔ اطمینان سے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اب اس کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی۔ اُس کی قوت اپنے پورے عروج پر تھی۔ اُس کے بیٹے اس کے ساتھ سواری کرتے اور ادھر اُدھر اپنے لئے بیویاں ڈھونڈتے، جیسے وہ خود ایک زمانے میں بیسوکائی کے ساتھ میدانوں کا سفر کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنا ورثہ اپنے دشمنوں سے چھینا تھا اور وہ اس پر اڑا ہوا تھا کہ اس ورثہ پر قابض رہے۔

لیکن اس کے ذہن میں ایک اور بات بھی تھی۔ ایک تجویز تھی جو پوری طرح

---

[1] مغل ساگا "سانگ ست زین" کا انداز ذرا تمثیلی ہے اور اس سے کچھ یہ اندازہ ہوتا ہے۔ کہ گوبی میں جو واقعات پیش آئے وہ معدودے چند آدمیوں کی شجاعت یا چالاکی یا دغابازی کا نتیجہ تھے۔ حقیقت میں اس شامان کی سازش بہت دنوں تک باقی رہی اور طرفین کے حامی بڑے طاقتور گروہ تھے۔ اپنے لحاظ سے یہ کشمکش اتنی ہی اہم تھی جیسے یورپ میں شاہ و کلیسا کی وہ لڑائی جو فریڈرک ثانی اور انوسنٹ چہارم کے زمانے میں لڑی گئی۔ یورپ کی تاریخ کا یہ واحد واقعہ چنگیز کے دور کے کچھ ہی عرصے بعد کا ہے۔

مکمل نہ ہونے پائی تھی۔ ایک آرزو تھی جس کا پوری طرح اظہار نہیں ہوا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے مشیروں کی مجلس کے سامنے بیان کیا "ہمارے بزرگوں نے ہم سے ہمیشہ یہی کہا کہ الگ الگ طرح کے دل اور دماغ ایک ہی جسم میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر میرا ارادہ ہے کہ میں یہ بھی کر دکھاؤں۔ میں اپنی حکومت اپنے ہمسایوں پر بھی پھیلاؤں گا۔"

اپنے "زہریلے جنگجوؤں" کو قبیلوں کی ایک برادری میں ڈھالنا، پرانا کینہ رکھنے والے دشمنوں پر اپنی حکومت جمانا ـــــ یہ اس کا ارادہ تھا اور بڑے صبر و استقلال سے اس نے مقصد کی تکمیل کی کوشش شروع کی۔

پانچواں باب

جب کوہِ چینتہ پہ پرچم لہرایا

ہمیں یہاں اُن لڑائیوں سے غرض نہیں جن میں خانہ بدوش قبائل تاتاری اور مغل، اکریت اور قرایت، نائیان اور ایغوران مشغول تھے اور جو مرتفع چراگاہوں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ختہ کی دیوارِ عظیم سے لے کر مغرب میں وسط ایشیا کے دور دراز پہاڑیوں تک لڑی جاتی رہیں۔ بارھویں صدی عیسوی ختم ہو رہی تھی اور تموچن اس کام کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، قبیلوں کی ایک برادری بنانا، جو اس کے بزرگوں کے قول کے مطابق ناممکن تھا۔ صرف ایک طرح یہ کام پورا ہو سکتا تھا، اس طرح کہ ایک قبیلہ اور سب قبیلوں کا سردار بن جائے۔

قوم قرایت جن کے شہر قافلوں کی اُس شاہراہ پر تھے جو ختا کے شمالی دروازوں سے مغرب کی طرف جاتی تھی۔ ایک طرح سے توازنِ قوت کے حامل تھے۔ طغرل کے پاس، جسے پریسٹر جان بھی کہتے ہیں۔ تموچن اس لئے گیا کہ اس کے سامنے باہمی معاہدہ کی تجویز پیش کرے۔ مغل اب اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ اب ایسی تجویز پیش کرنا اس کے لئے مناسب تھا۔

"اے میرے باپ بغیر تیری مدد کے میں دشمنوں کی چھیڑ سے محفوظ ہو کے زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ تو مجھ سے پکی دوستی کئے بغیر امن سے گذر کر سکتا ہے تیرے دغاباز بھائی بند تیرے علاقے پر حملہ کر کے چراگاہوں کو آپس میں بانٹ لیں گے۔

تیرا بیٹا ابھی تو اتنا عقلمند نہیں کہ یہ سمجھ سکے، لیکن اگر تیرے دشمنوں نے غلبہ پا لیا تو اس کو طاقت اور جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ ہم دونوں کے لئے اپنی حکومت قائم رکھنے اور جان سلامت رکھنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم ایسی دوستی اور یگانگت پر قائم رہیں جسے کوئی نہ توڑ سکے۔ اگر میں تیرا بیٹا بن جاؤں۔ ہم دونوں کے لئے اس معاملے کا فیصلہ ہو جائے۔"

تموچن کو تو اس کا حق پہنچتا ہی تھا کہ وہ عمر رسیدہ خان سے اس کی درخواست کرے کہ وہ اسے متبنیٰ بنالے۔ پریسٹر جان نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ وہ بوڑھا تھا اور اس نوجوان مغل کو بہت چاہتا تھا۔

اس معاہدے پر تموچن ثابت قدم رہا۔ جب قرائیتوں کو ان کے شہروں اور ان کی زمینوں سے مغرب کے قبیلوں نے جو بیشتر بدھ مت والے یا مسلمان تھے اور عیسائی اور شامان پرست قرایت سے مذہبی تعصب برتتے تھے نکال باہر کیا تو اس مغل سردار نے اپنے ان اڑتے ہوئے دھاروں کو شکست خوردہ سردار کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

اور امتحاناً بوڑھے قرایت کے حلیف کی حیثیت سے اس نے سیاست کی مشق بھی شروع کی۔

اس کے خیال میں یہ موقع بڑا اچھا تھا۔ دیوارِ عظیمہ کے اس پار ختا[1] کا شہنشاہ

---

[1] تیرھویں صدی کا چین جو اس زمانے میں چن یا شمال کے خاندانِ زریں اور جنوب میں قدیم خانوادۂ سنگ کے درمیان منقسم تھا۔ "کیتھے" کا لفظ ختا سے مشتق ہے۔ یہ لفظ تاتاری چین کے لئے استعمال کرتے تھے اور اس خانوادے کے لئے بھی جس کی حکومت چن خانوادے سے پہلے تھی۔ وسط ایشیا اور روس میں آج بھی چین کو ختا کہتے ہیں۔ یورپ کے اولین بحری سیاحوں نے یہ لفظ یورپ میں رائج کیا۔

زرّیں سونے میں ذرا چونکا اور اسے جھیل بویر نور کے تاتاری یاد آگئے جنھوں نے اس کی سرحدوں پر کچھ چھیڑ خانی کی تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ بنفسِ نفیس دیوار کے اُس پار بہت بڑے پیمانے پر فوج کشی کرے گا اور خطا کار اہل قبائل کو سزا دے گا۔ اس اعلان سے اس کی اپنی رعایا میں بڑا خوف پیدا ہوا۔ بالآخر ایک بڑے افسر کو ایک چینی فوج کے ساتھ تاتاریوں کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا لیکن حسبِ معمول تاتاری بلا زخم کھائے، بلا شکست کھائے، پیچھے ہٹ کے تتر بتر ہو گئے خِتا کی فوج جو زیادہ تر پیدل تھی خانہ بردوشوں کو نہ پا سکی۔

اس کی اطلاع تموچن کو ملی اور جتنی تیزی سے مار مار کے ٹٹوؤں کو بھگایا جا سکتا تھا کہ اُس کا پیغام میدانوں کے اُس پار پہنچ جائے، اتنی ہی تیزی سے تموچن نے کام کیا۔ اُس نے اپنے سارے قبیلے والوں کو جمع کیا اور پریسٹر جان کو یہ پیغام بھیجا کہ تاتاریوں ہی کا قبیلہ وہ ہے جس نے اُس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ قرایت نے لبیک کہا اور دونوں کے متحدہ لشکروں نے تاتاریوں پر حملہ کیا جو پیچھے اس وجہ سے نہیں ہٹ سکتے تھے، اُن کے عقب میں خِتا کی فوجیں تھیں۔

اب جو جنگ ہوئی۔ اس میں تاتاریوں کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ مختلف فتحمند قبیلوں کے ہاتھ بہت سے قیدی لگے اور خِتا کی حملہ آور فوج کے سپہ سالار کو یہ دعوےٰ کرنے کا موقع مل گیا کہ فتح کا سہرا اُسی کے سر ہے اور اس نے یہی دعوےٰ کیا۔ اس نے پریسٹر جان کو اونگ خاں (خانوں کے سردار) اور تموچن کو "باغیوں کے دشمن سالار" کا لقب دیا ـــــ اس ساری عزت افزائی میں خِتائی سپہ سالار کو کچھ زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ اس نے صرف ایک چاندی کا جھولا، سنہرے غلاف کے ساتھ تحفتہً بھجوا دیا۔ جنگ آزمودہ مغل کو یہ لقب اور یہ تحفہ دونوں بڑے عجیب معلوم ہوتے ہوں گے۔ بہر حال یہ جھولا تو شاید پہلا جھولا تھا جو ان بنجر علاقوں میں کسی

نے دیکھا اور یہ خان کے خیمے میں کئی روز تک منظرِ عام پر نہ آیا اور بنا رکھا رہا۔

"دیات" کی صفوں میں نئے نئے جنگجو شریک ہوتے گئے۔ تموجن اپنے بیٹوں کو بھی نویان (یعنی شہزادے) کے ساتھ شہسواری کرتا دیکھتا۔ جبی نویان کو سموری جبے اور روپہلی زرہ پہنے پہنے پھرنے کا بڑا شوق تھا۔ یہ دونوں چیزیں اس نے ایک آوارہ گرد ختائی سے لوٹی تھیں۔ جبی نویان کو اس وقت تک چین نہ آتا جب تک وہ خود اور اس کے پیچھے پیچھے ساتھیوں کا ایک دستہ دور تک سواری کرتا ہوا نہ نکل جائے۔ وہ تموجن کے بڑے بیٹے جوجی کا بڑا اچھا اتالیق تھا۔ اس جوجی کا نسب مبہم تھا۔ وہ ہمیشہ سوچتا رہتا، کھنچا کھنچا سا رہتا، لیکن طبیعتاً اس قدر دلیر تھا کہ خان اس سے بہت خوش تھا۔

یہ بارھویں صدی کی ختم کا زمانہ تھا۔ تموجن اپنے گھرانے کے لوگوں کو اُن دریاؤں کے کنارے شکار کے لئے لے گیا تھا، جو قرایت کی زمینوں سے قریب تھیں۔ شکار میں نرغہ کے لیے سواروں کا حلقہ دور دور تک پھیل گیا تھا۔ انہوں نے نرغہ میں بہت سے بارہ سنگھے، ہرن اور دوسرے چھوٹے موٹے جانور گھیر لئے تھے اور پھر وہ حلقے کو تنگ کرتے گئے اور اپنی کڑی خمدار کمانوں سے کھیلتے رہے، یہاں تک کہ چکنی چکنی چٹانوں کے درمیان آخری جانور تک شکار ہو گیا۔ مغلوں کا شکار تضیعِ اوقات نہیں ہوتا تھا۔

دور سبز پوش میدان میں خیمہ پوش کبت گاڑوں اور اونٹ گاڑیوں میں شکاریوں کا انتظار ہو رہا تھا جیسے ہی شکاری آئے، بیل کھول دیئے گئے۔ "یورتوں" اور خیموں کی میخیں گاڑ دی گئیں اور ڈھانچوں پر سمور چڑھا دیا گیا۔ جا بجا آگ جلائی گئی۔

شکار کا بہت سا حصہ طغرل کے لئے، جو اب اونگ خان تھا، محفوظ رکھا جاتا تھا۔ قرایت مغلوں سے ذرا زیادتی کرتے تھے۔ ایسی لوٹ جو دراصل تموجن کے آدمیوں

کا حصّہ تھی۔ اونگ خان کے آدمیوں نے چھین لی اور مغل سردار نے اسے برداشت کر لیا۔

قرایت کے علاقے میں اس کے دشمن بہت تھے۔ مثلاً بورچیجن کی اولاد جو اسے خان کے منصب سے معزول کرنا چاہتی تھی اور قرایت سردار کی نظروں سے گرانا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہ اپنے منہ بولے باپ کے پاس جا رہا تھا۔ دونوں میں یہ عہد تھا کہ اگر ان کے درمیان باہم کوئی اختلاف پیدا ہو تو ایک دوسرے کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے بلکہ دونوں مل کے آپس میں اطمینان سے بات چیت کریں تاکہ دونوں کو اصل حقیقت کا علم ہو جائے۔

تموچن نے تلخ تجربے سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب اونگ خان مر جائے گا تو پھر سے آپس میں جنگ ہو گی۔ لیکن قرایت میں جنگجوؤں کے ایسے جتھے بھی تھے جو اُس کے حامی تھے۔ مثلاً جو دستہ اونگ خان کی جانی حفاظت کے لئے مامور تھا۔ اُسے مغل خان کے دشمنوں نے بہت اُکسایا تھا کہ اُسے گرفتار کرے، مگر اس دستہ نے انکار کر دیا۔ مغلوں کے پاس شادیوں کے پیام بھی بھیجے گئے تھے۔ سردار خاندان سے قرایتوں نے جوجی کے لئے ایک دُلہن بھی انتخاب کر لی تھی۔

لیکن تموچن اپنی ہی خیمہ گاہ میں رہا۔ ہوشیاری سے، قرایت کے اُردووں سے دُور، اور اس کے سپاہی ہراول میں آگے آگے یہ دیکھنے گئے کہ راستہ محفوظ ہے یا نہیں۔ اُس کے سوار تو واپس نہیں لوٹے۔ لیکن رات کو دو گھوڑے چرانے والے قرایت کی خبر لے کے آئے اور یہ خبر ناخوش آئند بھی تھی اور نامبارک بھی۔

مغرب میں اس کے جو دشمن تھے جیسے چالاک جاموقہ، جری مکریتوں کا سردار توقتا بیگ اور تموچن کے اپنے چچا —— انہوں نے اس کا کام تمام کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ انہوں نے جاموقہ کو گورخان منتخب کر لیا تھا۔ انہوں نے بوڑھے اور

پس و پیش کرنے والے اونگ خاں کو اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی طاقت سے اُن کی مدد کرے۔ جیسا کہ تموچن کو شک تھا، شادی کی گفت و شنید محض ایک بہانہ، ایک چال تھی۔

اس کی سیاسی کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوشش یہ تھی کہ قرایت کو مغربی ترکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رکھے اور مشرق میں خود اپنی طاقت بڑھائے اور اونگ خان سے اس وقت تک معاہدہ اور پیمان رکھے۔ جب تک اُس کے اپنے مشرقی قبیلے اتنے طاقتور نہ ہو جائیں کہ برابری سے قرایت کا مقابلہ کر سکیں۔ اُس کی حکمتِ عملی غلط نہیں تھی لیکن جو چال اس نے چلی تھی اُس کا توڑ اس سے زیادہ چالاکی سے، اور اب دغا سے کیا گیا تھا۔

دونوں چرواہوں نے اس سے بیان کیا کہ قرایت اس کے خیمہ و خرگاہ کے بہت قریب آ گئے ہیں اور ان کا ارادہ رات کو شبخون مارنے اور تیروں سے اُسے اس کے اپنے خیمے میں ہلاک کر دینے کا ہے۔

صورتِ حال بڑی ہی تشویشناک تھی۔ کیونکہ قرایت کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور تموچن پر لازم تھا کہ جہاں تک ہو سکے۔ اپنے جنگجو ساتھیوں کے گھرانوں کی حفاظت کرے۔ اس کے پاس اس وقت چھ ہزار ــــ بعض روایتوں کے لحاظ سے تین ہزار سے بھی کم ــــ مسلح آدمی تھے۔ لیکن اسے اطلاع مل گئی تھی اور اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

اس نے اپنے یورت کے محافظوں کو ساری خیمہ گاہ میں ادھر اُدھر بھیجا کہ سوتے ہوؤں کو جگائیں، سرداروں کو خبردار کر دیں اور چرواہوں کو باہر دوڑا دیں۔ ریوڑ باہر نکال دیئے گئے کہ صبح ہوتے ہی دور دور بھگا دئے جائیں اور منتشر کر دیئے جائیں۔ اس کے سوا اُن کو بچانے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ گھوڑے تو ہمیشہ پاس ہی رہتے

تھے، اُردو والے فوراً اُن پر سوار ہو گئے اور ہلکی اونٹ گاڑیوں پر سامان کے صندوق لادے گئے۔ اور عورتوں کو سوار کرایا گیا۔ بلا بحث و فریاد اپنے اصلی خیمہ گاہوں کی طرف واپسی کا طول طویل سفر شروع ہوا۔

اُس نے یورتوں اور بڑی بڑی بیل گاڑیوں کو ویسے ہی کھڑا رہنے دیا، کچھ آدمیوں کو اچھے گھوڑوں کے ساتھ پیچھے چھوڑا کہ وہ آگ جلائے رکھیں۔ پسپائی میں وہ خود اپنے چیدہ چیدہ افسروں اور منتخب اہلِ قبیلہ کے ساتھ سب سے آہستہ سفر کرتا رہا تاکہ تعاقب کرنے والوں کا مقابلہ کر سکے۔ اب اس کا کوئی موقع نہ تھا کہ اُس طوفان سے نجات پائی جائے۔ جو تاریکی کے پردے میں اس قدر قریب نمودار ہو رہا تھا۔

وہ کوئی آٹھ یا نو میل گئے ہوں گے کہ پہاڑیوں کا ایک ایسا سلسلہ آیا۔ جہاں اس کا موقع تھا کہ اگر اس کے آدمی منتشر ہوں تو انہیں سایہ اور پناہ مل سکے۔ ایک ندی پار کر کے، ایک تنگ سے درے میں اس نے اپنے سواروں کو ٹھہرایا تاکہ گھوڑے تھکن سے بالکل چور نہ ہو جائیں۔

اس درمیان میں قرایت صبح کے تڑکے سے پہلے ہی اس کے خالی خیمہ میں گھس آئے تھے۔ خان کے سفید سمور کے خیمے کو انہوں نے تیروں سے چھلنی کر دیا، تب کہیں انہیں اندازہ ہوا کہ اس جگہ کیسی خاموشی سی طاری ہے اور نہ ریوڑوں کا پتہ ہے اور نہ پرچم کا۔ تھوڑی دیر کے لئے گڑبڑ میں وہ ٹھہر گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ آگ جا بجا خوب جل رہی تھی۔ انہیں یہ شبہ ہوا کہ مغل اپنی اپنی یورتوں میں ہوں گے اور جب ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ خیمے خالی ہیں اور مغل سب کچھ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ قالین اور برتن، یہاں تک کہ خالی زین اور دودھ کی تھیلیاں تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مغل خوف کے مارے بے ترتیبی سے بھاگ گئے ہیں۔

مشرق کی طرف جانے والوں کے نشان اتنے واضح تھے کہ اندھیرے میں بھی نہ چھپ سکتے تھے۔ قرایت قبیلوں نے فوراً اُن کا تعاقب شروع کر دیا۔ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے صبح ہوتے ہوتے وہ پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ گئے، اور ان کے پیچھے گرد کا بادل سا اٹھتا رہا۔ تموچن نے اُن کو آتے دیکھا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ اس تیز سرپٹ دوڑ میں اُن کی صفیں بہت پھیل گئی ہیں۔ قبیلے منتشر ہو گئے تھے اور جو اچھے گھوڑے تھے وہ سست گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل آئے تھے۔

گھاٹی میں مزید انتظار کیے بغیر اس نے اپنے جنگجوؤں کو تنگ صفوں میں آراستہ کر کے باہر نکالا۔ اُن کے گھوڑے آرام کر کے تازہ دم ہو چکے تھے۔ انہوں نے ندی پار کر کے قرایتوں کے ہراول کو درہم برہم کر دیا اور لہلہاتی ہوئی چراگاہوں کے اُس پار قرایت کے اردو کے پیچھے ہٹنے کا راستہ روک دیا۔ اسی اثنا میں اونگ خان اور اس کے سردار بھی آ گئے۔ قرایت کی نئے سرے سے ترتیب اور تنظیم ہوئی اور مکمل نیست و نابود کرنے کی ہولناک جنگ شروع ہوئی۔

تموچن اس سے پہلے کبھی ایسی آفت میں نہیں گھرا تھا۔ اس وقت اُسے اپنے اکھڑتے ہوئے دھاروں کی ذاتی شجاعت کی پوری پوری ضرورت پیش آئی۔ اس کے اپنے خاندانی قبیلوں کے استقلال اور اُرت اور منکوت قبیلوں کے بھاری مسلح سواروں سے بھی اُسے بڑی مدد ملی۔ اُس کے لشکر کی تعداد اتنی کم تھی کہ یہ اُس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ سامنے سے حملہ کرے۔ وہ مجبور تھا کہ زمین کے نشیب و فراز سے جتنا فائدہ اُٹھا سکے اُٹھائے، اور یہ مغلوں کے لئے آخری آسرا تھا۔ جب شام ہوئی اور معلوم ہوتا تھا کہ شکست مقدر ہو چکی ہے تو اس نے اپنے ایک مُنہ بولے بھائی گلدار جو اُس کا علم بردار تھا، یہ حکم دیا کہ وہ قرایت کی صفوں کا چکر کاٹ کے، اُن کے پیچھے بائیں جانب کی ایک پہاڑی پر قبضہ کرے اور اس پر قبضہ جمائے رکھے۔ اس پہاڑی کا نام جبتہ تھا۔

تھکے ماندے گلدار نے جواب دیا "اے خان، میرے بھائی، میں اپنے سب سے اچھے گھوڑے پر سوار ہوں گا، اور جو میرا مقابلہ کرنے آئیں گے اُن کی صفوں کو چیر کر گذر جاؤں گا۔ میں تیرا یاک کی دموں والا پرچم جیبتہ پر نصب کر دوں گا۔ میں تجھے اپنی بہادری دکھاؤں گا اور اگر میں مارا گیا تو میرے بچوں کو پال پوس لینا۔ میرے لئے سب برابر ہے کہ میرا خاتمہ کب ہو گا۔"

یہ چکر کاٹ کے بڑھنے کی ترکیب مغلوں کی پسندیدہ جنگی مناورہ تھی۔ اس کو وہ "تو لغمہ" یا پرچم کی یورش کہتے تھے۔ جس سے وہ دشمن کی ایک جانب سے ہوتے ہوئے اُس کے عقب میں پہنچ جاتے تھے۔ اب تموچن کے قبیلے بُری طرح پٹ چکے تھے۔ قرایت اس کی صفوں میں گھُسے چلے آ رہے تھے اور یہ ترکیب جان پر کھیل کے مقابلے کی آخری کوشش تھی۔ لیکن قوی ہیکل گلدار اُس پہاڑی پر پہنچ ہی گیا۔ وہاں پرچم نصب کیا اور اس پہاڑی پر ڈٹا رہا۔ اس کی وجہ سے قرایت رُکے رہے، خاص طور پر اس لئے کہ اونگ خان کا بیٹا چہرے پر ایک تیر کھا کے زخمی ہو گیا تھا۔

جب آفتاب غروب ہوا تو میدان سے مغل نہیں بلکہ قرایت ذرا ہٹ گئے تھے۔ تموچن نے صرف اتنی دیر انتظار کیا کہ گلدار حفاظت سے واپس پہنچ جائے اور زخمی بہادر اکٹھا ہو جائیں۔ زخمیوں میں اُس کے دو بیٹے بھی شامل تھے۔ زخمی سردار دشمن سے چھینے ہوئے گھوڑوں پر واپس آ رہے تھے اور کبھی کبھی تو ایک ایک گھوڑے پر دو دو آدمی۔ پھر وہ مشرق کی طرف بھاگ نکلا اور قرایت نے دوسرے دن پھر سے تعاقب شروع کیا۔

یہ تموچن کی سب سے زیادہ کٹھن لڑائی تھی اور اس میں اُسے شکست ہوئی لیکن اس نے اپنے قبیلے والوں کے بنیادی عناصر کو سلامت رکھا۔ خود زندہ بچا رہا اور اپنے اُردو کو محفوظ رکھا۔

اونگ خاں نے کہا "ہم نے ایک ایسے آدمی سے جنگ کی، جس سے ہمیں ہرگز لڑائی مول نہ لینی چاہئے تھی۔"

مغل داستانوں میں اب بھی یہ واقعہ دُہرا دُہرا کے بیان کیا جاتا ہے کہ گلدار نے کیونکر چینتہ پر پرچم لہرایا۔

طُول طویل پسپائی میں، اُس بنجر سرزمین کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جنگجو جو ابھی " اپنے زخم چاٹ رہے تھے"۔ اپنے تھکے ماندے گھوڑوں پر پھر شکار کے لئے ایک حلقے میں پھیل جائیں تاکہ بارہ سنگھے اور ہرن اور جو کچھ اپنے تیروں سے مار سکیں مار لیں۔ یہ شکار کا شوق نہ تھا۔ کسی نہ کسی طرح اُردو کے لئے غذا فراہم کرنی تھی۔

چھٹا باب

پریسٹر جون (طغرل اونگ خان) کی موت

قوم قرابت کی فتح کا فوری نتیجہ یہ تھا کہ تموچن کے مخالفین کا محاذ طاقت پکڑ گیا۔ خانہ بدوشوں کے سرداروں کا ہمیشہ یہ رجحان ہوتا کہ بڑھتی ہوئی طاقت کا ساتھ دیں اس سے اُن کی اپنی حفاظت بھی ہوتی، اور زیادہ دولت پیدا کرنے کا موقع ملتا۔

غصّے کے عالم میں مغل نے اونگ خان کو ملامت کی۔

"اے خان، اے میرے باپ، جب دشمن تیرا پیچھا کر رہے تھے تو کیا میں نے چار بہادروں کو تیری مدد کے لئے نہیں بھیجا؟ تُو میرے پاس اندھے گھوڑے پر سوار آیا، تیرے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ایک بھیڑ کے گوشت کے سوا تیرے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ کیا میں نے افراط سے بھیڑیں اور گھوڑے تیری نذر نہیں کئے۔

"گذرے دنوں میں تیرے آدمیوں نے لڑائی کی لُوٹ کا وہ سامان اپنے پاس رکھ لیا جو قاعدے کے لحاظ سے میرا تھا۔ پھر یہ سب سامان تیرے دشمنوں نے تجھ سے چھین لیا۔ میرے بہادروں نے پھر سے اس سامان پر قبضہ کرکے اسے تیرے حوالے کیا۔ پھر دریائے قراسو کے کنارے ہم دونوں نے قسم کھائی کہ ہم پھوٹ ڈالنے والوں کی چغلیوں کو نہیں سنیں گے، بلکہ کوئی بات ہوگی تو اس کے متعلق مل کر آپس میں بات چیت کرلیں گے۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا، مجھے کم حصّہ ملا ہے، مجھے زیادہ ملنا چاہئے۔"

"جب بیل گاڑی کا ایک پہیہ ٹوٹ جاتا ہے تو بیل آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کیا میں تیرے کبت کا ایک پہیہ نہیں؟ تو مجھ سے کس لئے ناراض ہے؟ تو مجھ پر کیوں حملہ کر رہا ہے"۔

اس پیغام میں ایک طرح کی حقارت بھی نظر آتی ہے۔ یہ ملامت ایک ایسے آدمی کو کی گئی تھی جو خود پس وپیش کے عالم میں ہو، اور یہ اچھی طرح نہ سمجھ سکتا ہو کہ وہ آخر چاہتا کیا ہے ــــ طغرل ایک اندھے گھوڑے پر سواری کیا کرتا تھا۔

غیر متزلزل ارادے کے ساتھ تموچن نے ان حالات میں جو کچھ وہ کر سکتا تھا کیا۔ قریب کے قبیلوں کو قاصد دوڑائے۔ بہت جلد اُس کے اپنے علاقے کے خان اور ان کے ہمسائے مغل سردار کی سفید گھوڑے کے چمڑے کی مسند کے دائیں بائیں آکے دوزانو ہو گئے۔ اُن کے لانبے لانبے لبادے مرصع کمر بندوں سے بندھے ہوئے تھے۔ اُن کے پیتل جیسے چہرے جن پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں یورت کی آگ کے دھوئیں میں آگے کی طرف نمایاں گھور رہے تھے۔ یہ خانوں کی قرولتائی (مجلسِ مشاورت) تھی۔

بورچیجن یا بھوری آنکھوں والوں میں سے ہر ایک نے باری باری سے بات کی۔ ان میں سے کئی تموچن کے ہاتھوں شکست کھا چکے تھے۔ بعض کی تجویز یہ تھی کہ قرایت کی اطاعت کر لی جائے اور اونگ خان اور اُس کے بیٹے کو آقا مان لیا جائے۔ جو زیادہ بہادر تھے۔ انہوں نے جنگ کا نعرہ لگایا اور تموچن کو آقا بنانے کی تجویز کی۔ اس دوسری تجویز کو قبول کیا گیا۔

جب تموچن نے سرداری کا عصا قبول کیا تو ساتھ ہی اعلان کیا کہ سب قبیلوں میں اُس کے حکم کی تعمیل ہو، اور اسے حق ہوگا کہ جس کو مناسب سمجھے سزا دے۔ "شروع سے میں تم سے کہتا آیا ہوں کہ تین دریاؤں کے درمیان کی زمینوں کا ایک آقا ہونا چاہیے۔

یہ پہلے تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اب جبکہ تمہیں یہ ڈر ہے کہ اونگ خاں تم سے بھی وہی سلوک کرے گا جو اس نے مجھ سے کیا ہے تو تم نے مجھے اپنا سردار انتخاب کیا ہے۔ میں نے تمہیں قیدی، عورتیں، یورت اور ریوڑ عطا کئے ہیں۔ اب میں تمہارے لئے زمینوں، اور اپنے آبا و اجداد کے بنائے ہوئے قاعدوں کی حفاظت کروں گا"۔

جاڑوں میں گوبی کا سارا علاقہ دو حریف جماعتوں میں بٹ گیا۔ جھیل بیکال کے مشرق میں رہنے والے لوگ مغربی حلیفوں کے مقابلے کے لئے کمربستہ ہونے لگے اس مرتبہ تموچن میدان میں پہلے آیا۔ وادیوں میں برف پگھلنے سے پہلے، اپنے نئے حلیفوں کے ساتھ چپ چاپ اس نے اونگ خاں کے خیمہ و خرگاہ کی جانب پیش قدمی شروع کی۔

داستان میں ان خانہ بدوشوں کی چالاکی کی بڑی دلچسپ جھلک نظر آتی ہے۔ تموچن نے دشمنوں کی صفوں میں پہلے ایک مغل کو بھیجا کہ وہ تموچن کی بدسلوکی کی شکایت کرے اور یہ اطلاع دے کہ مغلوں کا لشکر ابھی خیمہ گاہ سے بہت فاصلے پر ہے۔ قرایت نے جو ایسے زیادہ زود یقین نہیں تھے۔ کئی سواروں کو اس مغل جنگجو کے ساتھ بھیجا کہ ادھر اُدھر کھوج لگا کر دیکھیں کہ واقعہ کیا رہا ہے۔

اکیلا مغل جنگجو جوان لوگوں کے ساتھ تھا اور جس کی نظر بڑی چوکنی تھی۔ اس نے قرایت کی خیمہ گاہ کے پاس ہی تموچن کے قبیلوں کا پرچم اُس ٹیلے کی دوسری جانب دیکھا جس پر ادھر سے وہ خود چڑھ رہے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کے نگران بڑے اچھے گھوڑوں پر سوار تھے اور اگر کہیں انہوں نے پرچم کو دیکھ لیا تو اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا کے صاف بچ کے نکل جائیں گے۔ اس لئے وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنے گھوڑے کو دیکھنا شروع کیا۔ جب اُن لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے تو اس نے کہا:۔

"ایک سُم میں پتھر آگیا ہے۔"

جتنی دیر زیرک مغل نے اپنے گھوڑے کے سُم سے فرضی پتھر نکالنے میں لگائی۔ اُتنی دیر میں تموچن کا ہراول ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا اور قرایت کو قید کر لیا۔ اونگ خان کی خیمہ گاہ پر حملہ شروع ہوُا اور بڑی تلخ لڑائی چھڑ گئی۔

شام ہوتے ہوتے قرایت کو شکست ہوئی۔ اونگ خان اور اس کا بیٹا دونوں زخمی ہو کے بھاگ نکلے۔ تموچن اپنے گھوڑے پر سوار مفتوح خیمہ گاہ میں داخل ہوُا اور قرایت کی دولت اپنے آدمیوں کے حوالے کی۔ گھوڑوں کی زینیں جن پر رنگین ریشم اور سُرخ نرم چمڑا اچھا ہوُا تھا، پتلی بڑی اچھی صیقل کی ہوئی تلواریں، چاندی کی رکابیاں اور ساغر۔ یہ چیزیں اُس کے اپنے کام کی نہیں تھیں۔ اونگ خان کا خیمہ جس کا استر زریں اطلس کا تھا۔ اس نے پورا کا پورا اُن دو چرواہوں کو بخش دیا، جنہوں نے اس پہلی رات کو وہ جیتہ کے قریب اُسے قرایت کی یورش کی اطلاع دی تھی۔

پھر اُس نے قرایت لشکر کے قلب کو گھیر لیا اور اُن سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو ان کی جان بخشی کی جائے گی۔"جس طرح تم اپنے آقا کی ملازمت میں لڑے بہادروں کے شایانِ شان تھا۔ اب تم میرے آدمی بنو، اور میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔"

باقی ماندہ قرایت اس کے پرچم تلے آ گئے، اور اس نے اُن کے شہر قراقورم کی طرف پیش قدمی کی جو صحرا میں واقع تھا۔

کچھ عرصے بعد اس کا رشتے کا بھائی جاموقہ بھی پکڑ لیا گیا اور اس کے سامنے لایا گیا۔

تموچن نے اس سے پوچھا۔" تجھے کس طرح کے سلوک کی توقع ہے؟"

بلا پس وپیش کے جاموقہ نے جواب دیا۔" وہی سلوک جو میں تیرے ساتھ کرتا،

اگر میں نے تجھے گرفتار کیا ہوتا۔ آہستہ آہستہ عذاب کی موت"۔

اُس کا مطلب تھا عذاب کی وہ موت جو چین کے لوگ اس طرح دیا کرتے تھے۔ کہ یکے بعد دیگرے جسم کے سب اعضا کاٹ ڈالتے۔ پہلے دن چھنگلیا کا ایک پور کاٹتے اور اس کے بعد روز ایک ایک جوڑ کے حساب سے سارے اعضا کاٹ ڈالتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بورچین کی اولاد میں جرأت کی کمی نہیں تھی۔ تموچن نے بہر حال اپنی قوم کی رسم کی پابندی کی جس کے لحاظ سے کسی عالی نسب سردار کا خون بہانے کی ممانعت تھی۔ اُس نے حکم دیا کہ جاموقہ کو ریشم کے پھندے سے پھانسی دی جائے یا بھاری سموروں کے درمیان دبا دیا جائے تاکہ دم گھٹ کے مر جائے۔

اونگ خان جو اس لڑائی میں اپنی مرضی کے خلاف شریک ہوا تھا۔ نا اُمیدی کے عالم میں اپنے علاقے سے باہر بھاگ نکلا اور ایک ترک قبیلے کے دو جنگجوؤں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ داستان بیان کرتی ہے کہ اس کا کاسۂ سر چاندی سے مرصّع کیا گیا، اور اس سردار کے خیمے میں بڑی عزّت سے رکھا گیا۔ اس کا بیٹا بھی اسی حالت میں مارا گیا۔

کوئی اور خانہ بدوش سردار ہوتا تو اس فتح کے بعد مطمئن ہو جاتا۔ خانہ بدوشوں کی فتح کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ مالِ غنیمت لوٹ کر جمع کیا گیا، پھر بیکاری یا بیزاری، پھر آپس کے جھگڑے اور آوارہ گروہوں کے درمیان اٹکل پچّو سلطنت کی تقسیم۔

لیکن تموچن کی تعمیر دوسری طرح کے عناصر سے ہوئی تھی۔ اب اس کی سلطنت کا مرکز قرایت کا علاقہ تھا جو زمین کی کاشت کرتے تھے اور شہروں کی تعمیر کرتے تھے۔ اُن کے شہر گارے اور پھونس کے ہی سہی مگر یہ مستقل اقامت کے مقامات تھے۔ اس نے پوری کوشش کی کہ قرایت کو اسی طرح آباد اور خوش رکھے اور پھر ذرا بھی توقف کئے بغیر اس نے اپنے لشکروں کو نئی فتوحات کے لئے آگے بڑھایا۔

اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا "کام کی خوبی یہ ہے کہ اُسے اتمام کو پہنچایا جائے" گوبی پر قبضہ کرانے والی جنگ کے تین سال کے اندر اندر اس کے آزمودہ کار سوار مغربی ترکوں اور نائیمانوں اور الیغوروں کی وادیوں میں گھس آئے۔ ان لوگوں کا تمدن اعلیٰ پیمانے کا تھا۔ وہ اونگ خان کے دشمن تھے اور اس کا امکان تھا کہ تموچن کے مقابلے کے لئے وہ باہم اکٹھے ہو جاتے۔ لیکن تموچن نے یہ اندازہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ اُن پر کیا مصیبت پڑنے والی ہے۔ شمال کے سفید برف پوش پہاڑوں کے سلسلے سے لے کر جنوب میں دیوارِ چین کی پوری لمبائی تک، ہیش بالیغ اور ختن کے پُرانے شہروں کے درمیان اُس کے افسر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے پھرتے۔

یہاں مارکو پولو نے تموچن کے متعلق ایک فقرہ لکھا ہے:۔

"جب وہ کوئی صوبہ فتح کرتا تو وہاں کے باشندوں یا ان کی جائداد کو نقصان نہ پہنچاتا۔ صرف یہ کرتا کہ ان کے درمیان اپنے کچھ لوگوں کو آباد کر دیتا اور باقی کو ساتھ لے کے اور صوبوں کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھ جاتا۔ جب مفتوحوں کو اس کا اندازہ ہو جاتا کہ وہ ان کی حفاظت کتنی اچھی طرح کرتا ہے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تو اُن کو پتہ چلتا کہ وہ کیسا شریف سردار ہے۔ دل و جان سے وہ اس کے ساتھ ہو جاتے اور وفاداری سے اس کی خدمت کرتے اور جب اس نے اتنا جمِ غفیر اکٹھا کر لیا جو معلوم ہوتا تھا۔ ٹڈی دل کی طرح ساری دُنیا پہ چھا جائے گا۔ تب اُس نے دُنیا کے بہت بڑے حصّے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا"

دراصل اُس کے پُرانے دشمنوں کے نصیب اتنے اچھے نہیں تھے۔ جب وہ کسی دشمن قبیلے کی جنگی طاقت توڑ چکتا تو یہ مغل حکمران خاندان کے تمام آدمیوں کا تعاقب کرتا اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتا۔ دشمن قبیلے کے لڑنے والے مرد وفادار قبیلوں میں لڑائی کے لئے تقسیم کر دیئے جاتے۔ جو عورتیں زیادہ حسین ہوتیں وہ جنگجو دل

کی بیویاں بنالی جاتیں، باقی عورتیں لونڈیاں بنائی جاتیں۔ مغل مائیں آوارہ گرد بچوں کو پال لیتیں اور شکست خوردہ قبیلے کی چراگاہیں اور اس کے ریوڑ نئے مالکوں کے تصرّف میں آجاتے۔

ابھی تک تموچن کی زندگی کی اُس کے دشمنوں نے تشکیل کی تھی مصیبت نے اُس کے جسم کو طاقت بخشی تھی۔ اُسے بھیڑیوں کی سی فراست عطا کی تھی کہ وہ جبلّی طور پر بالکل ٹھیک عمل کرتا۔ اب وہ اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ اپنی مرضی کے مطابق فتوحات کا سلسلہ شروع کرے۔ اور اُن لوگوں کی شکست کے بعد جو ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرتے وہ باقی ماندہ لوگوں سے مہربانی کا سلوک کرتا[1]

اب وہ دُنیا کے نئے علاقوں میں داخل ہو رہا تھا۔ جہاں سے بڑے پُرانے پُرانے قافلوں کے راستے گذرتے تھے اور جہاں وسط ایشیا کے شہر آباد تھے۔ اُس کے دل میں بڑا تجسّس پیدا ہوُا۔ اس نے دیکھا کہ اُس کے قیدیوں میں بہت سے ایسے بلند و بالا اور خوش پوش آدمی ہیں جو سپاہی نہیں، اُسے پتہ چلا کہ یہ عالم و فاضل ہیں۔ ان میں بعض ہیئت و نجوم کے ماہر ہیں، بعض طبیب ہیں جو ریوند چینی اور جڑی بوٹیوں کے استعمال کا ہُنر جانتے ہیں اور عورتوں کی بیماریوں کا علاج کر سکتے ہیں۔

اُس کے پاس ایک ایغوری شخص لایا گیا جو ایک شکست خوردہ سردار کی ملازمت کر چکا تھا اور وہ اب بھی سونے کے ایک عجیب زیور کو بڑی حفاظت سے اپنے پنجے میں لئے ہوئے تھا۔

---

[1] گوبی، وسط ایشیا، اور چین کی حد تک یہ صحیح ہے۔ لیکن خوارزم اور اسلامی سرزمینوں میں چنگیز اور اس کے مغلوں کا سلوک شروع سے آخر تک حد درجہ سفاکی کا رہا۔ مترجم

مغل نے اس سے پوچھا "تو اس طرح اس زیور کی حفاظت کیوں کرتا ہے؟" اس شخص نے جو شکست خوردہ سردار کا وفادار وزیر تھا جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ جب تک وہ زندہ ہے جس نے یہ میرے سپرد کیا ہے میں اس کی حفاظت کرتا رہوں۔"

خان نے اقبال کیا "تو وفادار نوکر ہے مگر وہ تو مر چکا اور اس کی ساری زمین ساری ملکیت اب میرے قبضے میں ہے۔ مجھے بتا کہ یہ زیور کس چیز کا نشان ہے اور اور کس کام کا ہے؟"

"جب میرا آقا چاندی یا غلّہ اکٹھا کرتا تو یہ کام اپنی رعایا میں سے کسی کے تفویض کرتا۔ اس مُہر سے اُس کے احکامات پر نشان لگایا جاتا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ درحقیقت شاہی فرمان ہے۔"

توجن نے حکم دیا کہ اس کے لئے بھی فوراً ایک مُہر بنائی جائے، اور سبز جیڈ کی ایک مہر تیار کی گئی۔ اس نے قیدی الغور کو معاف کر دیا، اپنے دربار میں اسے عہدہ دیا اور حکم دیا کہ اس کے لڑکوں کو الغوری زبان میں لکھنا پڑھنا سکھائے۔ الغوری دراصل ایک طرح کی شامی زبان تھی جو غالباً کسی زمانے میں نسطوری راہبوں نے اس علاقے میں سکھائی ہوگی۔ اب یہ راہب مرکھپ چکے تھے۔

لیکن سب سے بڑا انعام اُس کے اُن بہادروں کو ملا۔ جنہوں نے کسی شدید مصیبت میں خان کی مدد کی تھی۔ اُنہیں ترخان کا لقب دیا گیا اور ان کا مرتبہ اوروں سے اونچا قرار دیا گیا۔ انہیں اس کی اجازت تھی کہ بے تکلّف جب چاہیں شاہی شامیانے میں چلے آئیں۔ ہر جنگ میں لُوٹ کے حصّوں میں ان کا حق تھا کہ پہلے جو حصّہ وہ چاہیں لے لیں اور انہیں ہر طرح کے خراج سے معافی دی گئی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کی کوئی خطا خطا نہیں سمجھی جاتی تھی۔ موت کی سزا ان کو نو مرتبہ معاف تھی۔ جو زمینیں وہ

چاہتے انہیں بخش دی جاتیں اور نو پشتوں تک ان کی اولاد کو بھی یہی حقوق بخشے گئے تھے۔

اُس کے خانہ بدوشوں کی بڑی آرزو یہی تھی کہ ترخانوں میں سے کسی کی نوکری کریں۔ فتوحات، اور تین سال تک نئے علاقوں میں تگ و تاز نے اُن کے حوصلے بڑھا دیئے تھے صرف مغل خان کا ڈر ایک حد تک اُنھیں روکے رکھتا۔

لیکن اس فاتح کی شخصیت کے اطراف سارے ایشیا کے بگڑے دل اکٹھا تھے۔ سارے ترک اور مغل جنگجو جو سمندر اور طیان شان کے سلسلۂ کوہ کے درمیان رہتے تھے اور طیان شان کے پہاڑوں میں قراختائی کے علاقے پر کوشلوک کی حکومت تھی۔ کچھ عرصے کے لئے قبیلوں کی باہمی رقابتیں بھلائی جا چکی تھیں۔ شیطان پرست، شامان، بدھ مت والے، مسلمان، نسطوری عیسائی سب بھائیوں کی طرح بیٹھے حالات کا انتظار کر رہے تھے۔

اُس وقت جو پیش آجاتا عجب نہ تھا۔ جو پیش آیا یہ تھا کہ مغل خان اپنے آباؤ اجداد کی حدود سے بہت اونچا ہو کر اٹھا اور سربلند ہوا۔ اُس نے خانوں کی مجلس مشاورت یا قوریلتائی طلب کی کہ وہ ایشیائے بلند کی تمام قوموں پر حکومت کرنے کے لئے ایک فرد واحد، ایک شہنشاہ کا انتخاب کریں۔

اس نے انہیں سمجھایا کہ وہ اپنوں میں سے ایک ایسے آدمی کا انتخاب کریں جس کی حکومت اور رسب پر مسلّم ہو۔ قدرتی طور پر گذشتہ تین سال کے واقعات کے بعد قوریلتائی نے تموجن ہی کو انتخاب کیا۔ اس کے علاوہ قوریلتائی نے یہ بھی طے کیا کہ اُسے ایک موزوں خطاب دیا جائے۔ مجلس میں ایک پیشین گوئی کرنے والا بھی تھا جو آگے بڑھا اور جس نے اعلان کیا کہ اُس کا نیا نام چنگیز خان ہو گا۔ چنگیز خان، سرداروں کا سردار، سارے عالم کا شہنشاہ۔

مجلس خوش تھی۔ خانوں کے متفقہ اصرار پر تموجن نے یہ نیا خطاب قبول کر لیا۔

ساتواں باب

یاسا

یہ قوریلتائی ۱۲۰۶ء میں منعقد ہوئی اور اسی سال اُس چینی عہدہ دار نے جو مغربی سرحدوں کا نگہبان تھا اور جس کا فرض یہ تھا کہ دیوارِ چین کے باہر کے وحشیوں پر نظر رکھے اور اُن سے خراج وصول کرے، یہ اطلاع لکھی کہ دور دراز کی ریاستوں میں کامل امن ہے۔ جب سے ترک اور مغل قوموں نے چنگیز خاں کو اپنا مالک انتخاب کیا تھا کئی صدیوں کے بعد پہلی بار اُنہیں متحد ہونے کا موقع ملا تھا۔

جوشِ عقیدت میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ چنگیز خاں فی الحقیقت بوگدو تھا۔ بوگدو دیوتاؤں کا بھیجا ہوا ہوتا تھا اور اعلیٰ آسمان کی ساری قوت اُس کو عطا ہوتی تھی۔ لیکن محض جوش و خروش ان قانون سے ناآشنا لشکروں کی روک تھام کے لئے کافی نہیں تھا۔ بہت عرصے سے وہ ان قبائلی رسموں کے پابند رہے تھے اور رسوم میں اتنا ہی اختلاف ہوتا ہے جتنا انسانی طبائع میں۔

اُن کی روک تھام کے لئے چنگیز خاں کے پاس اپنے مغلوں کا فوجی نظام تو تھا ہی۔ اور اب ان مغلوں میں سے زیادہ تر بڑے کارآزمودہ دیرینہ سپاہی بن چکے تھے۔ لیکن اس نے یہ اعلان کیا کہ اُن پر حکومت کرنے کے لئے اُس نے یاسا کو وضع کیا ہے یہ یاسا اُس کے قوانین کا مجموعہ تھا۔ جن میں سے بعض اس نے خود وضع کئے تھے اور بعض کارآمد قبائلی رسوم تھے۔

اس نے یہ واضح کر دیا کہ چوری اور زنا اُسے خاص طور پر ناپسند ہیں اور اُن کی

سزا موت ہے۔ اگر کوئی کسی کا گھوڑا چرا لے تو اس چوری کی سزا موت ہے۔ اس نے کہا کہ اسے یہ سن کے غصہ آتا ہے کہ بیٹا اپنے والدین کی یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی نافرمانی کرے، شوہر اپنی بیوی پہ اعتبار نہ کرے، یا بیوی شوہر کی فرمانبرداری نہ کرے، امیر غریبوں کی مدد نہ کریں، یا کمتر درجے کے لوگ سرداروں کی عزت نہ کریں۔

نشہ مغلوں کی بڑی خاص علّت تھی، اس کے متعلق اس نے کہا "جو آدمی نشہ پیئے ہوتا ہے اُس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی نے سر پر چوٹ کھائی ہو۔ عقل اور ہنر اُس کا ساتھ نہیں دیتے۔ مہینہ میں صرف تین مرتبہ نشہ سے مدہوش ہونے کی اجازت ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ مدہوشی پیدا ہی نہ ہونے پائے لیکن نشّہ سے قطعی پرہیز کون کر سکتا ہے؟"

مغلوں کی ایک اور کمزوری یہ تھی کہ وہ رعد سے ڈرتے تھے۔ گوبی کے سخت طوفانوں میں اس خوف سے وہ اس درجہ مرعوب ہو جاتے کہ جھیلوں اور دریاؤں میں ڈوب جاتے تاکہ آسمانوں کے قہر سے محفوظ رہ سکیں ـــــ کم سے کم فرار وبری کو پس جیسے محترم مسافر نے یہی لکھا ہے۔ یاسا میں نہانے کی ممانعت تھی۔ رعد و برق کے طوفان میں پانی کو چھونا بھی منع تھا۔

وہ خود بہت مغضوب الغضب تھا لیکن چنگیز خاں نے اپنے ساتھیوں کو اسی غیظ و غضب کی عام عادت سے محروم کر دیا۔ یاسا نے مغلوں پہ آپس میں لڑائی جھگڑا احرام کر دیا۔ ایک اور بڑا اہم اور اٹل نکتہ یہ تھا کہ اس کے سوا اور کوئی بھی چنگیز خان نہیں ہو سکتا۔ اُس کا نام اور اس کے بیٹوں کے نام یا تو سنہرے حرفوں میں لکھے جاتے یا پھر اُن کا لکھنا ممنوع تھا۔ اس نئے شہنشاہ کی رعایا آسانی سے اُس کا نام زبان پر نہ لاتی۔

وہ خود دینِ فطرت کا پابند تھا اور اس کی پرورش گوبی کے شکستہ حال چالاک

شامانوں کی صحبت میں ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا قانون مذہبی معاملات میں نرم تھا۔ دوسرے فرقوں کے امام، پیرو، مسجدوں کے موذن عام الزاموں سے بری سمجھے جاتے تھے۔ مغل خیمہ و خرگاہ کے پیچھے پیچھے رنگ برنگ کے پجاری جوق در جوق چلے جاتے ۔۔۔ زرد پوش اور سُرخ پوش آوارہ گرد لاما چکردار مالا جپتے ہوئے۔ اور بقول پادری روبریک اپنے "رنگین لبادے پہنے جن میں وہ عیسائیوں کے اصل شیطان سے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔" مارکوپولو کا بیان ہے کہ ہر لڑائی سے پہلے چنگیز خاں نجومیوں سے فال نکلواتا۔ ساسانی (مسلمان) نجومیوں کی پیشین گوئی کوئی تسلی بخش نہیں نکلی۔ لیکن نسطوری عیسائی زیادہ کامیاب رہے۔ اُن کا طریقہ یہ تھا کہ اُن کے پاس دو چھڑیاں ہوتیں جن پر دونوں حریف سرداروں کے نام نقش ہوتے۔ زبور کا ورد کیا جاتا اور یہ چھڑیاں ایک دوسری پر گر پڑتیں۔ چنگیز خاں نجومیوں کی سُن تو لیتا ۔۔۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں ایک چینی نجومی کی بشارتوں پر اُسے بہت اعتقاد تھا ۔۔۔ لیکن وہ اپنے کسی منصوبے سے ان نجومیوں کی پیشین گوئی کی وجہ سے کبھی نہیں پلٹا۔

یاسا میں جاسوسی، اغلام، جھوٹی گواہی اور کالے جادو کی بڑی سادہ سزا تجویز کی گئی تھی۔ یہ سزا سزائے موت تھی۔

یاسا کا پہلا قانون قابل غور ہے۔ "حکم دیا جاتا ہے کہ سارے انسان ایک خدا پر یقین کریں، جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، جو اکیلا امیری یا غریبی، زندگی یا موت اپنی مرضی کے مطابق عطا کرتا ہے، جس کی طاقت اور حکومت ہر شے اور ہر شخص پر کامل اور مکمل ہے۔" یہ ابتدائی نسطوری عیسائیوں کی تعلیمات کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے۔ چنگیز خاں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی رعایا کے درمیان کہیں خطِ امتیاز کھینچے یا فرقہ وارانہ مخالفت کی دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے۔

ماہر نفسیات یہ بتائے گا کہ یاسا کے تین مقاصد تھے:۔ چنگیز خاں کی اطاعت، خانہ بدوش قبیلوں میں اتحاد و اتفاق اور غلطیوں کی سخت سزا۔ یاسا کا تعلق انسانوں سے تھا، جائدادوں سے نہیں۔ اور کوئی آدمی اس وقت تک خطاکار نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ وہ خود اقبال نہ کرے یا جرم کرتا ہوا پکڑا نہ جائے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اَن پڑھ مغلوں میں انسان کی زبان کو بہت وقیع سمجھا جاتا تھا۔

زیادہ تر یہی ہوتا تھا کہ جب کسی خانہ بدوش پر کسی جُرم کا الزام لگایا جاتا تو اگر وہ سچ مچ مجرم ہوتا تو اقبال کر لیتا۔ ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض مجرم خود خان کے پاس آئے اور سزا پانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

خان کی زندگی کے آخری زمانے میں اس کی اطاعت کامل اور قطعی طور پہ واجب تھی۔ اگر کوئی معمولی سا قاصد فرمان لے کے پہنچتا تو دربار سے ہزار میل کے فاصلے پر کسی فوج کا سپہ سالار خان کے حکم کی تعمیل میں فوراً اپنے عہدے سے دستبردار ہو جاتا۔

فربہ اندام پادری کارپینی لکھتا ہے "دوسری قوموں کے مقابل وہ اپنے سرداروں کے بڑے فرمانبردار ہیں۔ اُن کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور کبھی لفظاً یا عملاً انہیں دھوکہ نہیں دیتے۔ آپس میں وہ شاذ و نادر ہی لڑتے ہیں اور جھگڑے، زخم خوری یا قتل کی وارداتیں شاذ و نادر ہی پیش آتی ہیں۔ کہیں چور اور ڈاکو نہیں۔ اس لئے اُن کے مکان اور اُن کے چھکڑے جس میں ان کا سارا سامان اور مال اور دولت رہتی ہے کُھلے پڑے رہتے ہیں کبھی بند یا مقفل نہیں کئے جاتے۔ اُن کے ریوڑوں میں سے کوئی جانور اگر کہیں بھٹک جاتا ہے تو اُسے پانے والا اُسے ڈھونڈھ کے اُن افسروں کے پاس چھوڑ جاتا ہے۔ جن کے ذمے گم شدہ جانوروں کی حفاظت ہے۔

آپس میں ایک دوسرے سے وہ اخلاق سے ملتے ہیں اور اگرچہ کہ کھانے پینے کی چیزیں کم ہیں، مگر وہ کھانے پینے میں ایک دوسرے کو اکثر شریک کرتے رہتے ہیں۔ تکلیف میں وہ بڑا صبر و استقلال دکھاتے ہیں اور ایک دو دن کا فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔ اُسی طرح گلتے بجاتے رہتے ہیں۔ سفر میں گرمی یا سردی برداشت کر لیتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے۔ آپس میں لڑتے بہت کم ہیں اور اگرچہ کہ نشے کے بہت شوقین ہیں، نشے کے عالم میں بھی نہیں جھگڑتے۔"

(اس پر یورپ کے اس مسافر کو معلوم ہوتا ہے کہ کافی حیرت تھی)

"ان کے نزدیک نشہ بڑی عزت کی چیز ہے۔ جب کوئی بہت پی جاتا ہے تو قے کر کے پھر سے پینے لگتا ہے۔ دوسری قوموں سے وہ بہت غرور اور نخوت سے پیش آتے ہیں اور دوسرے آدمی خواہ کتنے ہی معزز کیوں نہ ہوں، انہیں وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے دربار میں رُوس کے بڑے ڈیوک کو، شاہ جرجستان کے شہزادے کو، بہت سے سلطانوں اور دوسرے بہت سے معززین کو دیکھا جن کی کوئی عزت یا حرمت نہیں کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ تاتاری جوان کی خدمت گذاری پر مامور تھے، کتنے ہی کم مرتبہ سہی۔ ان عالی نسب قیدیوں سے زیادہ رتبے کے مستحق سمجھے جاتے تھے اور دربار میں ان کے مقابلے میں زیادہ اچھی نشستیں ملتی تھیں۔

"دوسری قوموں سے وہ خشم و نخوت سے پیش آتے ہیں اور ناقابلِ یقین حد تک دغا بازی کر گزرتے ہیں جو دغا یا فریب کرنا ہوتا ہے وہ اُسے بڑی ہوشیاری سے چھپاتے ہیں کہ اس سے کوئی بچاؤ نہ کر پائے۔ دوسری قوموں کا قتلِ عام اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔"

"ایک دوسرے کی امداد — اور دوسری قوموں کو نیست و نابود کرنا۔" یہ یاسا

کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ اہلِ قبائل جو لڑائی کے بھوکے، اور پُرانی رقابتوں کے زخم خوردہ تھے، صرف ایک ہی طریقے پر متحد رکھے جا سکتے تھے۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو بہت جلد وہ باہمی خانہ جنگی اور تباہ کاری کا پُرانا کھیل کھیلنا شروع کر دیتے اور لوٹ اور چراگاہوں کے لئے آپس میں لڑنا شروع کر دیتے۔ سرخ بالوں والے خان نے بادِ تُند کی کاشت کی تھی اور طوفان کی فصل پک کر تیار ہو رہی تھی۔

اس کا اُسے اندازہ تھا۔ اس کے بعد کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اس کا خوب اندازہ تھا۔ وہ خانہ بدوشوں میں پلا بڑھا تھا اور جانتا تھا کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے سے اگر ان خانہ بدوشوں کو روکنا ہے تو اُس کی یہی ایک صورت ہے کہ انہیں اور کہیں جنگ میں الجھایا رکھا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ طوفان پر اپنی لگام اور زین کسے، اور اُسے گوبی سے باہر دوڑا لے جائے۔

داستان اس کی اس زمانے کی تصویر کی ہمیں ایک جھلک دکھاتی ہے۔ جبکہ قوریلتائی کا طویل جشن ختم نہیں ہونے پایا تھا۔ دولن بلداق، یعنی اُس پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو کے، جس کا سایہ اس کی پیدائشی سرزمین پر پڑتا ہے، اپنے نو یاکوں کی دموں والے مانوس پرچم کے تلے کھڑے ہو کے اُس نے بورچین اور اپنے حلیف سرداروں کو یوں مخاطب کیا:۔

"یہ لوگ جو مستقبل میں راحت اور مصیبت میں میرا ساتھ دیں گے، جن کی وفاداری آئینے کی طرح صاف و شفاف ہے، ان سب کو میں مغلوں کا لقب دیتا رہوں۔ میری تمنّا ہے کہ یہ اس دُنیا کے تمام جانداروں سے زیادہ طاقتور ہوں اور سب پر حکومت کریں۔"

اُسے وہ قوّتِ تخیّل عطا ہوئی تھی کہ وہ اس بے لگام مجمع کو ایک منظم اور متحد

لشکر میں دیکھ سکتا تھا۔ عقلمند اور پُر اسرار ایغور، تنومند قرایت، جری مرکیت، برفانی بادیوں کے خاموش اور بڑی قوتِ برداشت رکھنے والے باشندے، شکاری ایشیائے بلند کے تمام شہسوار یہ سب ایک واحد عظیم الشان قبیلہ میں مجتمع ہو رہے تھے جس کا وہ خود سردار تھا۔

اس سے پہلے بھی کچھ عرصے کے لئے وہ ہی انگ نو بادشاہوں کی سرکردگی میں اکٹھا ہوئے تھے، اور چین میں قتل و غارت مچائی تھی، یہاں تک کہ ان کی روک کے لئے چین کی دیوارِ عظیم تعمیر کی گئی۔ چنگیز خاں میں وہ قوتِ بیان بھی تھی کہ وہ ان کے دیرینہ جذبات کو متحرک کر سکے۔ اور اسے اپنی اصلیت پر کامل اعتماد تھا کہ وہ ان کی رہبری اور سرداری کر سکے گا۔

اُس نے اُن کی آنکھوں کو نامعلوم سرزمینوں کو فتح کا خواب دکھایا، اور خود انتہائی جفاکشی سے اس نئے لشکر کی توسیع و تنظیم کی۔ اس نے یاسا کا حوالہ دیا۔

جنگجو پر حرام تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دے۔ دس سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا ابتدائی گروہ ہوتا تھا۔ اس دس کے گروہ پر یہ حرام تھا کہ وہ اپنوں میں سے کسی کو زخمی چھوڑ کے آگے بڑھ جائیں۔ اسی طرح لشکر کے ہر سپاہی پر اُس وقت تک پیچھے ہٹنا یا بھاگنا حرام تھا۔ جب تک کہ پرچم لڑائی کے میدان سے ہٹا نہ لیا جائے۔ اُس وقت تک لڑائی کو چھوڑ کے لوٹ کھسوٹ کرنا منع تھا جب تک کہ کمان کرنے والا افسر اس کی اجازت نہ دے۔

(سپاہیوں میں لوٹنے کی جو جبلّی خواہش تھی اس کے مدّنظر اس کی اجازت تھی کہ افسر مانے یا نہ مانے لوٹ میں انہیں جو کچھ مل جائے وہ ان کی اپنی ملکیّت ہو جاتی تھی)۔

پادری کارپنی جو مشاہدے میں تیز تھا اس کی مستند گواہی دیتا ہے کہ چنگیز خاں

نے یاسا کے اس حصّہ پر پابندی سے عمل کرایا۔ وہ کہتا ہے کہ مغل اس وقت تک میدانِ جنگ سے نہ ہٹتے جب تک کہ ان کا پرچم بلند رہتا، اگر گرفتار ہو جاتے تو کبھی پناہ نہ مانگتے، اور کسی دشمن کو زندہ نہ چھوڑتے"۔

یہ لشکر اب قبیلوں کا بے ترتیب مجمع نہ تھا۔ رومتہ الکبریٰ کے عسکر کی طرح اس کی تنظیم اور ترتیب مستقل تھی۔ دس دس کی وحدتیں، دس دس ہزار کے تومانو پر منتہی ہوتیں۔ ایک تومان سوار فوج کا مکتفی دستہ سمجھا جاتا۔ فوجوں کے سردار اورخون تھے، جو خان کے سپہ سالار تھے۔ ان کی جملہ تعداد گیارہ تھی اور ان میں سوبدائی بہادر شامل تھا جس نے کبھی کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا، ان میں کہن سال اور تجربہ کار مغولی بہادر بھی تھا اور آتشیں جی نویان بھی۔

لشکر کے ہتھیار ---- یا کم از کم نیزے، وزنی زرہیں اور ڈھالیں ---- بعض افسروں کی زیر نگرانی اسلحہ خانہ میں رکھے رہتے۔ جہاں ان کی حفاظت اور صفائی کا اہتمام ہوتا اور جب کسی حملے کے لئے جنگجوؤں کو طلب کیا جاتا تو ان میں یہ ہتھیار تقسیم کئے جاتے۔ سپاہی انہیں پہن کے صف آرا ہوتے اور ارخان ان کا معائنہ کرتے۔ عقلمند مغل یہ نہیں چاہتا تھا کہ کئی لاکھ آدمی آزاد اور پوری طرح سے مسلّح ایک لاکھ مربع میل کے میدانی اور پہاڑی علاقے میں پھیلے رہیں۔

اپنے لشکر کی طاقت اور توجہ ہٹانے کے لئے یاسا کا حکم تھا کہ موسم سرما میں ---- پہلی سخت برف باری، اور بہار میں گھاس کی پتیوں کی پہلی نمود کے درمیان ---- بڑے پیمانے پر شکار ہوا کریں، اور بارہ سنگھوں، ہرنوں اور بادپا گورخروں کا پیچھا کیا جائے۔

اس نے اعلان کیا کہ بہار میں قوریلتائی کے جشن ہوں گے، اور تمام اعلیٰ افسروں سے توقع تھی کہ وہ ضرور شریک ہوں گے: "جو میرے احکام سننے کے لئے میرے پاس

نہ آئے گا اور اپنے رقبے میں غیر حاضر رہے گا۔ اس کی حالت اس پتھر کی سی ہوگی۔ جو گہرے پانی میں پھینک دیا جائے یا اس تیر کی سی ہوگی جو لمبی لمبی گھاس میں چلایا جائے گا ـــــ وہ لاپتہ ہو جائے گا۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ چنگیز خاں نے آبا و اجداد کی روایات سے بہت کچھ سیکھا تھا اور مروّجہ رسوم سے اس نے بہت فائدہ اٹھایا، لیکن ایک مستقل فوجی تنظیم کی حیثیت سے لشکر کی تشکیل اس کا اپنا کارنامہ تھی۔ اس پر یاسا کا راج تھا۔ اٹل قوت اور طاقت کے چابک سے اُسے یکجا کیا گیا تھا اور یکجا رکھا گیا۔ اب چنگیز خاں کے ہاتھ میں ایک نئی طرح کی جنگی طاقت تھی۔ بھاری منظّم مسلّح سوار فوج جو ہر طرح کی زمین پر بہت تیزی سے حرکت کر سکتی تھی۔ اُس کے دَور سے پہلے ایرانیوں اور پارتھیوں کے پاس بھی شاید اتنی ہی کثیر سوار فوج تھی، لیکن تیر اندازی، وحشیانہ جرأت اور نیست و نابود کر دینے کے ہنر میں وہ مغلوں کے ہمسر نہ تھے۔

یہ لشکر ایک ایسا ہتھیار تھا کہ اگر اسے ٹھیک طرح پر استعمال کیا جائے اور اس کی حسبِ ضرورت روک تھام کی جائے تو اس سے بہت بڑے پیمانے پر تباہی اور بربادی پھیلائی جا سکتی تھی اور اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اسے دیوارِ چین کے اُس پار ختا کی قدیم اور بے بدل سلطنت کے خلاف استعمال کیا جائے۔

دوسرا حصہ

آٹھواں باب

ختا

دیوارِ چین کے اس پار کے حالات ایشیائے بلند کے حالات سے بہت مختلف تھے۔ یہاں کا تمدن پانچ ہزار سال پرانا تھا، یہاں کے بعض کتبے اور تحریریں تیس صدیاں پیشتر لکھی گئی تھیں۔ یہاں جو انسان رہتے وہ اپنی زندگیاں دھیان میں بھی گذارتے اور حرب وضرب میں بھی۔

ایک زمانہ ایسا تھا کہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد بھی خانہ بدوش سوار تھے اور تیر اندازی میں مشاق تھے۔ لیکن تین ہزار سال سے انہوں نے ہجرت اور خانہ بدوشی ترک کر رکھی تھی، انہوں نے اپنے رہنے کے لئے شہر بنائے تھے۔ تین ہزار سال کے عرصے میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اُن کی آبادی میں بڑا کثیر اضافہ ہو گیا تھا اور جب انسانوں کی آبادی پھیلتی اور ہجوم بہت بڑھ جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے کے لئے دیواریں بناتے ہیں اور اپنی آبادی کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

گوبی کے برعکس، جو لوگ چین کی دیوارِ عظیم کے پیچھے رہتے تھے۔ اُن میں غلام اور کسان بھی تھے۔ عالم و فاضل، سپاہی اور فقیر بھی۔ اور عمّال، امرا اور ملوک بھی۔ اُن کا ایک شہنشاہ ہوا کرتا تھا جسے وہ تی ان تسی (فرزندِ آسمان) مانتے۔ اس کا دربار، گویا "ابرِ آسمان" ہوتا۔

۱۲۱۰ء میں، جو بارہ جانوروں کی جنتری کے مطابق بھیڑ کا سال تھا، چین کے

شہنشاہی تخت پر فن یا کن یا چن خاندان (خاندانِ زرّیں) متمکن تھا۔ دربار کا پایہ تخت ین کنگ تھا۔ یہ مقام اُس جگہ سے قریب ہے جہاں اب پیکن آباد ہے۔

مُلک ختا (چین) کی حالت ایک معمّر خاتون کی سی ہے جو بڑے سلیقے اور بڑی شان کا ملبوس پہنے، گیان دھیان میں محو ہو۔ جس کے اطراف میں بہت سے بچے جمع ہوں۔ لیکن بچوں کی نگہداشت نہ ہو سکتی ہو۔ چین کی بیداری اور خواب کے اوقات مقرر تھے۔ اس معمّر خاتون کی سواری خادموں کی ہمراہی میں گاڑی پر نکلتی، اور مُردوں کی لوحِ مزار سے دعائیں مانگتی۔

اُس کا ملبوس رنگ برنگ کے کچّے ریشم کا تھا۔ حالانکہ اُس کے غلام سُوتی کپڑے پہنے ننگے پاؤں دوڑتے پھرتے۔ اُس کے اعلیٰ افسروں کے سر پر خدّام چھتریاں لئے پھرتے۔ مکانوں کی چوکھٹوں کے اندر، شیطانوں سے بچنے کے لئے پردے کھڑے ہوتے۔ یہاں سر جھکا کے رسوم کی پابندی کی جاتی اور ساری توجہ اس پر کی جاتی کہ روزمرّہ کی عادات و اطوار میں کمالِ شائستگی کیسے پیدا کی جائے۔

وحشی قبائل شمال سے آیا کرتے تھے۔ اہلِ ختا خود شمال سے آئے تھے اور فن تو صرف سو سال پہلے آئے تھے۔ لیکن آنے کے بعد وہ دیوارِ چین کی آبادی کے جمِ غفیر میں گھل مل گئے تھے۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان سب نے اہلِ ختا کے عادات و اطوار اختیار کر لئے تھے۔ ویسے ہی کپڑے پہننے لگے تھے اور انہیں رسموں کی پابندی کرنے لگے تھے۔

ختا کے شہروں میں تفریح کرنے کے لئے جھیلیں بنی ہوئی تھیں۔ جن پر کشتیوں میں سوار ہو کے لوگ چاول کی شراب پیتے اور عورتوں کے ہاتھ میں بجتی ہوئی چاندی کی گھنٹیوں کا خوش آئند نغمہ سنتے۔ کبھی کبھی ان کی کشتیاں کسی کھپریلوں کی چھت والے پگوڈے کے نیچے سے ہو کر گذرتیں اور وہ مندر کے گجر کی آواز سُنتے۔

وہ بھولے ہوئے زمانے کی، بانس کے کاغذ پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور تانگ خاندان کے عہدِ زرّیں کی طول طویل ضیافتوں میں ان پر بحثیں کرتے۔ وہ فن کے لوگ تھے۔ ایک خاندان کے پیرو اور اس کی رعایا، تخت نشین بادشاہ کے چاکر۔ وہ روایات کے محکوم تھے اور روایات کی تعلیم یہ تھی کہ سب سے بڑا فرض خاندانِ شاہی کی اطاعت ہے۔ حالانکہ استاد کوانگ (کنفوسیوس) کے زمانے میں ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا تھا کہ ایک شہنشاہ ایک طوائف کو اپنے ساتھ سواری میں بٹھا کر نکلا، اور اس کے پیچھے کی سواری پر یہ بزرگ تھا تو لوگ کہنے لگے "دیکھو ہوس آگے آگے ہے اور نیکی پیچھے"۔

کوئی آوارہ مزاج شاعر، شراب کے نشے میں چور دریا پر چاندنی رات کا حسن دیکھنے جاتا اور نشے کے عالم میں دریا میں گر کے ڈوب جاتا، تب بھی وہ بڑے اعلیٰ پایہ کا شاعر سمجھا جاتا۔ جستجوئے کمال میں بڑی محنت اور بڑا وقت درکار ہے لیکن وقت کی ختا میں کوئی خاص قیمت نہ تھی۔

مصوّر کے لیئے یہ کافی تھا کہ ریشم پر ذرا سا رنگ بکھیر کے کسی شاخ پر چڑیا کی تصویر یا برف پوش پہاڑیوں کی تصویر بنا دے۔ یہ محض تفصیل ہوتی لیکن مکمل تفصیل۔ ستارہ شناس اپنی چھت پر پیتل کے گولے اور مزولے لئے بیٹھا ستارے کی گردش کا حساب لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ رجز خواں یا جنگ کا مغنّی بھی غور و فکر کا پابند تھا:۔

"اب خاموش دیوار سے چڑیا تک کے چہچہانے کی آواز نہیں آتی۔ طویل رات میں صرف رات کی صفیر سنائی دیتی ہے، اور رات کی تاریکی میں مردوں کے بھوت ادھر ادھر آوارہ پھرتے ہیں۔ ڈوبتا ہوا چاند گرتی ہوئی برف پر چمکتا ہے۔ فصیلوں کے نیچے خندقوں میں خون جم گیا ہے اور مُردوں کی داڑھیوں پر برف جم گئی ہے۔ ہر تیر چلایا جا چکا ہے، ہر کمان کی زہ ٹوٹ چکی ہے۔ جنگی رہوار کی طاقت سلب ہو چکی ہے۔ اس طرح نان لی کا

شہر دشمن کے قبضے میں آیا ہے۔"

اِس طرح مُضطرب موت کا نقشہ ایک تصویر کی طرح دیکھتا اور پیش کرتا اور تقدیر پر راضی برضا ہو جاتا جو ختا کی میراث تھی۔

ان کے پاس جنگی مشینیں بھی تھیں، ایسے پرانے اور بیکار رَن کے رتھ جنہیں بیس بیس گھوڑے کھینچتے، منجنیق ایسی کڑی کمانیں جنہیں دس آدمی مشکل سے کھینچ پاتے۔ بعض منجنیق اتنی بڑی بڑی تھیں کہ دو سو آدمیوں کو ان کی بڑی بڑی رسیاں کھینچنی پڑتیں۔ اُن کے پاس "اڑتی ہوئی آگ" بھی تھی اور ایسی آگ بھی جو بانس کے اندر بھر کے بارود کی طرح اڑائی جاتی۔

ختا میں لڑائی کا حق ایک ہنر تھا اور یہ اُن دنوں سے جب سے کہ مسلح دستے اور لڑائی کے رتھ ایشیا کے صحراؤں میں نبرد آزمائی کی مشق کرتے اور فوج کی خیمہ گاہ میں ایک مندر محض اس لئے ایستادہ کیا جاتا کہ سپہ سالار اُس میں تنِ تنہا اپنی جنگی تجویزوں پر غور وخوض کر سکے۔ کوانتی لڑائی کا دیوتا تھا اور اُسے پیروؤں کی کمی نہ تھی۔ ختا کی اصلی طاقت اُس کی آبادی کے تربیت یافتہ بے شمار باشندوں، انسانی جانوں کے اس بے پناہ اور بے انتہا وسیع ذخیرے میں مضمر تھی۔ رہ گئی ختا کی کمزوری، تو اس کے متعلق سترہ صدیاں پہلے ختا کے ایک سپہ سالار نے یوں تنبیہہ کی تھی:۔

"کوئی بادشاہ اگر اپنی فوج پر اس طرح حکومت کرے جیسے وہ اپنی سلطنت پر حکومت کرتا ہے تو وہ اپنی فوج کو تباہ کر دے گا، کیونکہ وہ فوج کے اندرونی حالات سے، اور اُن حالات سے جن کا فوج کو مقابلہ کرنا ہوتا ہے بے خبر ہوتا ہے۔ اس طرح فوج لنگڑی ہو جاتی ہے اور سپاہیوں میں بے چینی پھیلتی ہے۔

" اور جب فوج میں بے چینی اور بے اعتباری ہو تو افراتفری مچ جاتی ہے۔ اور فتح ہاتھ سے چھن جاتی ہے۔"

ختا کی اصلی کمزوری اُس کا شہنشاہ تھا جو خود ین کنگ میں رہا کرتا اور اس کے سپہ سالار فوجوں کی سرداری کرتے۔ اس کے برعکس دیوار پار کے خانہ بدوشوں کی طاقت کا راز ان کے خان کی جنگی جبلّت تھی جو بنفسِ نفیس فوج کی سالاری کرتا۔

اُس وقت چنگیز خاں کی صورتِ حال وہی تھی جو ایک زمانے میں اطالیہ میں قرطاجنہ کے سپہ سالار حنی بعل کی تھی۔ اُس کے سپاہیوں کی تعداد محدود تھی۔ اگر اُسے ایک بڑی شکست مل جاتی تو وہ اور اس کے خانہ بدوش اپنے صحراؤں کو واپس بھاگ جاتے مبہم فتح سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اُس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُسے قطعی فتح نصیب ہو۔ لیکن اس کے سپاہیوں کی تعداد میں کوئی خاص کمی نہ ہونے پائے۔ اُسے ایسے حریف کے مقابل اپنے دستوں کو جنگ کی مشق کرانی تھی جو جنگ کے داؤ پیچ کا بڑا کہنہ مشق استاد تھا۔

اس درمیان میں قراقورم میں اب بھی اُس کا لقب "باغیوں کا دشمن سالار" تھا۔ اور وہ چین کے تاجدارِ زرّیں کی رعایا سمجھا جاتا تھا۔

پچھلے زمانے میں جب ختا کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا تو چین کے شہنشاہ دیوارِ عظیم کے اس پار کے خانہ بدوشوں سے خراج طلب کرتے تھے۔ اپنی کمزوری کے زمانے میں ختا کے شاہی خاندان خانہ بدوشوں کے حملے ٹالنے کے لئے چاندی، کچے ریشم، منقش چمڑے، تراشے ہوئے جیڈ، اور غلّے اور شراب کے قافلوں کے قافلے تحفہ کے طور پر بھیجتے۔ اپنے اعزاز کے بچاؤ یا دوسرے الفاظ میں ختا کے شاہی خاندان کی شرم رکھنے کے لئے اس اُلٹے خراج کو تحائف کا لقب دیا جاتا لیکن طاقت کے زمانے میں جو کچھ خانہ بدوش خانوں سے وصول کیا جاتا اُسے خراج کہا جاتا۔

حملہ کرنے والے قبیلے نہ ان بیش بہا تحفوں کو بھول پائے تھے اور نہ ختا کے

ٹوپی اور کمربند پہننے والے، دیوار پار کے افسروں کے زبردستی خراج وصول کرنے کی اذیت کو، اس طرح اس وقت مشرقی گوبی کی قومیں برائے نام۔ختا کے تاجدارِ زرّیں کی رعایا سمجھی جاتی تھیں اور "مغربی سرحدوں کا سردار" اُن کا غائبانہ حاکم سمجھا جاتا تھا۔ چنگیز خاں کا نام افسروں کی فہرست میں باغیوں کے دشمن سالار کی حیثیت سے درج تھا۔ وقت پر ین کنگ کے منشیوں نے بہی کھاتے دیکھ کے قاصدوں کو گھوڑوں اور مویشیوں کا خراج وصول کرنے کے لئے اس کے پاس بھیجا۔ اس نے یہ خراج ادا نہیں کیا۔

آپ دیکھیں گے کہ صورتِ حال خالص طور پر چینی تھی۔ چنگیز خاں کے رویّہ کو دو تین لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:۔ "چوکنّے پن سے انتظار"۔

گوبی کی یورشوں کے زمانے میں چنگیز خاں نے اس عظیم دیوارِ چین کو کئی جگہ سے دیکھا تھا۔ اس کی مٹی اور اینٹ کی فصیل کا غور سے معائنہ کیا تھا۔ اُس کے دروازوں پر برجوں کو دیکھا تھا، اور اوپر دیوار کی چوڑائی کا اندازہ اس سے کیا تھا کہ چھ گھوڑے سینہ بہ سینہ ایک ساتھ اس پر دوڑائے جا سکتے تھے۔

حال ہی میں اس دیوار کے قریب ترین حلقے کے ہر دروازے کے سامنے اس نے اپنا پرچم لہرایا تھا۔ لیکن نہ تو مغربی سرحدوں کے محافظ افسر اور نہ تاجدارِ زرّیں نے اس کی طرف ذرا بھی توجّہ کی تھی۔ لیکن سرحد کے غیر جانبدار قبیلوں نے جو اس دیوار کے سائے تلے رہتے تھے اور جو سیر و شکار میں ختا کے شہنشاہ کی خدمت گزاری کرتے تھے۔ اس جرأت کا اچھی طرح مشاہدہ کیا اور یہ اندازہ لگایا کہ تاجدار زرّیں اس خانہ بدوش سردار سے ڈرتا ہے۔

واقعہ دراصل یوں نہیں تھا۔ ختا کے کروڑوں باشندے، اپنے فصیل بند شہروں میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے، اور ڈھائی لاکھ جنگجوؤں کے اس خانہ بدوش لشکر کو

خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ہؤا صرف یہ کہ تاجدارِ زریں کو جنوب میں دریائے ینگ تزی (جسے چینی فرزندِ بحر کہتے تھے) کے اُس پار کے پرانے خانوادے سانگ سے دائمی لڑائی کے سلسلے میں کمک مانگنے کی ضرورت پڑی اور اس نے خانہ بدوش مغل شہسواروں کی کمک طلب کی۔

چنگیز خاں نے بڑی خوشی سے کئی تومان اس کی مدد کے لئے روانہ کئے۔ ان سوار دستوں کی سرداری کے لئے اس نے جبی نویان اور دوسرے ارخونوں کو متعیّن کیا۔ یہ نہیں معلوم کہ ان دستوں نے تاجدارِ زریں کی کیا خدمت انجام دی لیکن انہوں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ اور پوچھ گچھ سے اپنی معلومات بڑھاتے رہے۔

اُن میں خانہ بدوشوں والی وہ صفت پوری طرح موجود تھی کہ وہ سرزمین کی نشانیاں نہیں بھول سکتے تھے۔ جب وہ گوبی واپس ہوئے تو ختا کی سرزمین کا نقشہ اُن کے ذہنوں میں اچھی طرح محفوظ تھا۔

انہوں نے بڑی بڑی عجیب حکایتیں سُنائیں۔ انہوں نے بتایا کہ دریاؤں کے کنارے پتھر کے چبوتروں پر پکّی اور صاف سڑکیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں لکڑی کے کبت دریاؤں میں بہتے پھرتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ گھوڑے چھلانگ مار کر اُنہیں پار نہیں کر سکتے۔

ختا کے لوگ نانکینی پارچے اور رنگ برنگ کے ریشم کی صدریاں پہنتے ہیں۔ بعض بعض غلاموں کے پاس بھی سات سات صدریاں ہیں۔ بوڑھے راویوں کے بجائے نوجوان شعرا دربار کی تفریح کا سامان مہیّا کرتے ہیں اور پرانی رزم آرائیوں کے قصّے نہیں گنگناتے بلکہ ریشم کے پردے پر اشعار لکھتے ہیں۔ ان اشعار میں وہ عورتوں کے حُسن کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر چیز بڑی عجیب اور حیرت ناک تھی۔

چنگیز کے سردار بیتاب تھے کہ دیوارِ عظیم پر حملہ کریں۔ اس وقت ان کی بات ماننا

اور اپنے وحشی قبیلوں کو ختا پر یورش کرنے کے لئے آگے بڑھانا، خان کے لئے تباہی کا سامان ہوتا۔ اُس کے گھر پہ بھی آفت آجاتی۔ اگر وہ اپنی نئی سلطنت چھوڑ کے مشرق میں، ختا میں شکست اٹھاتا تو اُس کے دوسرے دشمن مغل علاقوں پر حملہ کرنے میں کوئی پس وپیش نہ کرتے۔

گوبی کا صحرا اس کا اپنا تھا۔ جہاں سے وہ جنوب، جنوب مغرب اور مغرب کی جانب تین طاقتور دشمنوں کو دیکھ سکتا تھا۔ ہان لو کے پاس، قافلوں کی جنوبی راہ پر ہیا کی عجیب وغریب سلطنت تھی جو تنزاؤں کی سلطنت کہلاتی تھی۔ یہاں دُبلے پتلے لوٹ مار کرنے والے تبتی پہاڑوں سے اُتر کے آئے تھے اور انہوں نے ختائیوں کو بے دخل کردیا تھا۔ اس علاقے کے پیچھے قراختائیوں کی طاقتور کوہستانی سلطنت تھی، مغرب میں قرغیزوں کے خانہ بدوش گروہ تھے جو ابھی تک مغلوں کی دسترس سے باہر رہے تھے۔

ان سارے خطرناک ہمسایوں کے مقابل چنگیز خاں نے اورخونوں کی سرکردگی میں اپنے لشکر کے سوار دستے بھیجے۔ کئی مرتبہ موسم کے زمانے میں اس نے بنفس نفیس ہیا علاقے میں لڑائی کے لئے پیش قدمی کی۔ یہ لڑائی زیادہ تر کھلی ہوئی زمین میں لوٹ مار کی صورت میں ہوئی اور اس نے ہیا کے سرداروں کو بہت جلد قائل کردیا کہ چنگیز سے صلح رکھنے ہی میں خیریت ہے۔ اس صلح کی توثیق خون کے رشتے سے کی گئی۔ اس طرح کہ شاہی خاندان کی ایک عورت چنگیز خان کی بیوی بننے کے لئے بھیجی گئی۔ مغرب میں دوسرے رشتے باندھے گئے۔ یہ سب احتیاطی تدابیر تھیں اور فوجی اصطلاح میں یہ میمنہ اور میسرہ کی حفاظت کا انتظام تھا۔ لیکن اس سے ان سرداروں میں اُسے کئی حلیف اورمل گئے اور اس کے لشکر میں اور بہت سے رنگروٹ شامل ہو گئے۔ اس کے لشکر کو بھی یورش اور حملہ کرنے کا بڑا ضروری تجربہ حاصل ہوا۔

اِس درمیان میں ختا کے شہنشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اژدہے کی شکل والے تخت پر اس کا بیٹا جلوہ افروز ہوا۔ یہ دراز قامت تھا۔ اس کی داڑھی گھنی تھی اور اسے مصوری اور شکار سے خاص طور پر شغف تھا۔ اس نے اپنے آپ کو وائی ونگ کا خطاب دیا۔ یہ خطاب عوام کے لئے بہت مؤثر تھا۔

وقت آنے پر ختا کے عمال نے نئے تاجدار کے لئے خراج کے بہی کھاتے کھولے اور ایک افسر کو گوبی کی بلند سرزمین کی طرف بھیجا گیا کہ چنگیز خاں سے خراج وصول کر کے لائے۔ وہ اپنے ساتھ نئے شہنشاہ وائی وانگ کا فرمان بھی لیتا گیا۔ یہ شاہی فرمان تھا اور واجب تھا کہ دو زانو ہو کر اسے قبول کیا جائے۔ لیکن مغل چنگیز خان نے ہاتھ بڑھا کے اسے لے لیا، اسی طرح کھڑا رہا، اور اس کا ترجمہ سننے کے لئے مترجم تک کو طلب نہیں کیا۔

اس نے پوچھا "نیا شہنشاہ کون ہے؟"

"وائی ونگ۔"

آداب کے مطابق جنوب کی طرف سر خم کرنے کے بجائے خان نے کھنکھار کے تھوکا۔ "میں سمجھتا تھا کہ فرزندِ آسمان بڑا غیر معمولی انسان ہوگا۔ لیکن وائی ونگ جیسا احمق تخت پر بیٹھنے کے قابل نہیں۔ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کروں؟"

یہ کہہ کے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے لوٹ آیا۔ اس رات اورخون اس کے شامیانے میں بلائے گئے۔ ان کے ساتھ اس نے اپنے نئے حلیفوں کو طلب کیا۔ یہ شکاری شہبازوں والے ایدیقوت تھے۔ ان کے علاوہ اس نے مغربی ترکوں کے بر صفت سردار کو بھی بلایا۔ دوسرے دن چینی قاصد کو خان کے حضور میں بلا کے جوابی پیغام دیا گیا کہ وہ اسے تاجدارِ زریں تک پہنچا دے۔

مغل نے کہلا بھیجا " ہمارا علاقہ اب اتنا منظم ہو چکا ہے کہ ہم ختا کی سیاحت کا ارادہ فرما سکتے ہیں۔ کیا تاجدارِ زرّیں کی سلطنت اتنی مستحکم ہے کہ وہ ہمارا استقبال فرما سکے؟ ہم ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے جو سمندر کے طوفان کی طرح بپھرتا آئے گا۔ اگر تاجدارِ زرّیں ہمارا دوست بننا چاہتا ہے تو ہم اپنے زیرِ سایہ اُسے اپنے علاقہ پر حکومت کرتے رہنے کی اجازت دیں گے اگر وہ جنگ کرنا چاہے گا تو یہ جنگ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ہم میں سے ایک کو فتح اور ایک کو شکست نصیب ہو۔"

اس سے زیادہ حقارت آمیز شاید ہی اور کوئی پیغام ہو سکتا۔ چنگیز خاں طے کر چکا تھا کہ اب یورش کا وقت آ چکا ہے۔ جب تک بوڑھا شہنشاہ زندہ تھا تو پرانے بندہ و آقا کے رشتے سے وہ اپنے آپ کو ختا کا وفادار اور ختا کی رعایا سمجھتا تھا۔ وائی ونگ کا وہ کسی طرح پابند نہ تھا۔

قاصدین کنگ میں وائی ونگ کے دربار واپس پہنچا۔ وائی ونگ کو جوابی پیغام سُن کر طیش آ گیا۔[1] مغربی سرحدوں کے محافظ سردار سے پوچھا گیا کہ مغلوں کا کیا ارادہ ہے اور کیا انداز ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ تیر بہت بنا رہے ہیں۔ اور گھوڑے جمع کر رہے ہیں۔ اس پر مغربی سرحدوں کے محافظ سردار کو قید کر دیا گیا۔

جاڑوں کا موسم گذر رہا تھا اور مغل اسی طرح تیر تیار کرتے رہے اور

---

[1] بعض مورخوں کا بیان ہے۔ کہ ایک چینی فوج گوبی کے قریب ترین قبیلوں کے مقابل بھیجی گئی اور یہ واقعہ غالباً صحیح ہے کیونکہ چن سلطنت میں پیش قدمی کرنے سے پہلے مغلوں کو دیوارِ عظیم کے باہر جنگ کرنی پڑی تھی۔

گھوڑے جمع کرتے رہے۔ تاجدارِ زرّیں کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ کر رہے تھے۔ چنگیز خاں نے ختا کے شمالی علاقے میں لیاؤ تُنگ کے باشندوں کے پاس قاصد اور تحائف بھیجے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ بڑے جنگجو لوگ ہیں۔ جو آج تک یہ نہیں بھُول سکے کہ ایک زمانہ ہوا ایک تاجدارِ زرّیں نے اُن کے ملک کو فتح کر کے اُن پر تسلّط جما لیا تھا۔

یہ قاصد لیاؤ خاندان کے شہزادے سے ملا اور اس سے قسمیہ پیمان باندھا۔ خون سے اور تیر توڑ کے اس سوگند کو استوار کیا گیا۔ لیاؤ (جس کے لفظی معنی لوہے کے ہیں) کے باشندوں نے شمالی ختا پر حملہ کرنے کا عہد کیا اور مغل خان نے وعدہ کیا کہ وہ ان کا پرانا علاقہ پھر اُن کے سپرد کر دے گا۔ اس معاہدے پر چنگیز خاں نے پورا پورا عمل کیا۔ بالآخر اس نے لیاؤ کے شہزادوں کو اپنے زیر سایہ ختا کی بادشاہت بخشی۔

نواں باب

تاجدارِ زریں

یہ پہلی مرتبہ تھی کہ خانہ بدوش لشکر ایک ایسی متمدّن طاقت پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ جس کی فوجی طاقت اس کے مقابل کہیں زیادہ تھی۔ جنگ کے میدان میں ہمیں چنگیز خاں کا نقشۂ عمل واضح نظر آتا ہے۔

لشکر کا ہراول بہت پہلے گوبی سے باہر بھیجا جا چکا تھا—— پہلا گروہ چار سو اور سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ جن کا کام مخبروں کو پکڑ لانا تھا۔ یہ ہراول کے سپاہی دیوارِ عظیمہ کے پیچھے پہنچ چکے تھے۔

ان کے پیچھے پیش روسوار، جن کی تعداد دوسو کے قریب ہو گی۔ علاقے بھر میں دو دو کی جوڑی میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان پیش رووں کے بہت کافی پیچھے ہراول دستے تھے۔ یہ کوئی تیس ہزار چُنے ہوئے سپاہی تھے جو بڑے نفیس گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہر آدمی کے پاس کم از کم دو گھوڑے تھے۔ یہ ہراول دستے تین تومانوں میں منقسم تھے۔ ان میں سے ایک تومان کا سالار کار آزمودہ مقولی بہادر تھا، ایک کا آتشیں جبی نویان۔ اور تیسرے تومان کا سردار وہ عجیب و غریب نوعمر نوجوان سوبدائی بہادر تھا۔ جس کی حیثیت خان کے سپہ سالاروں میں مارشل میسنا کی تھی۔

قاصدوں کے ذریعے ہراول اور فوج کے قلب کے مابین اطلاعات کا انتظام بڑا مکمل تھا۔ یہ قلبِ فوج بنجر بلندیوں پر سے گذرتا ہوا، گرد کے بادل اڑاتا ہوا ہراول کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ قلب کی تعداد ایک لاکھ تھی اور پرانے تجربہ کار، دیرینہ یاکا

مغلوں پر مشتمل تھی۔ میمنہ اور میسرہ کی بھی اتنی ہی تعداد تھی چنگیز خاں ہمیشہ قلب لشکر کی سپہ سالاری کرتا اور جنگی تربیت دینے کے لئے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا۔

نپولین کی طرح اُس کا بھی اپنا ایک شاہی محافظ دستہ تھا۔ ہزار سواروں کا۔ جو چمڑے کی زرہیں اور سازِ جنگ پہنے مشکی گھوڑوں پر سوار تھے۔ اس کا بھی امکان ہے ۱۲۱۱ء میں ختا میں پہلی یورش کے وقت لشکر کی تعداد اتنی زیادہ نہ ہو۔

یہ لشکر دیوارِ عظیم کے قریب پہنچا اور بلا تاخیر ایک بھی سپاہی کی جان ضائع کئے بغیر اُس روک کو پار کیا۔ چنگیز خاں ایک عرصے سے سرحد کے قبیلے والوں سے پینگیں بڑھا رہا تھا اور اس کے ہمدردوں نے اُس کے لئے دیوار کا ایک دروازہ کھول دیا۔

دیوارِ چین کے اندر ہو کے مغل دستے مختلف حصوں میں بٹ کے شالسی اور چہ لی کے صوبوں کے مختلف ضلعوں میں پھیل گئے۔ انہیں قطعی احکام دیئے جا چکے تھے۔ اُنہیں کسی اور سواری کی ضرورت نہ تھی اور اُن کے آئینِ جنگ میں مرکزِ رسد کا تصور بے معنی سا تھا۔

ختا کی فوجوں کا پہلا پَرا جو سرحد کی سڑکوں کی حفاظت کے لئے اکٹھا کیا گیا تھا بُری طرح پسپا ہوا۔ مغلوں کے سوار دستوں نے سونگھ سونگھ کر شہنشاہ کی منتشر پیدل فوج کا پتہ چلا لیا اور انہیں اپنے گھوڑوں کے تلے روند ڈالا۔ تیز رفتار گھوڑوں کے پیچھے سے پیدل فوج کے سمٹے ہوئے جمِ غفیر میں جا بجا تیروں کی بارش سے ہلچل مچا دی۔

شہنشاہ کی بڑی فوجوں میں سے ایک تو حملہ آوروں کا راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے گھاٹیوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی ایک بھول بھلیاں میں جا پھنسی۔ اس کا سپہ سالار جس کا نیا نیا تقرر ہوا تھا۔ اس علاقے سے واقف نہیں تھا اور وہ کسانوں سے راستہ پوچھتا رہا۔ جبی نویان جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے اس ضلع کی سڑکیں اور وادیاں

خوب یاد تھیں۔ اُس نے رات بھر جلکر کاٹ کے دوسرے دن ختائی فوج کے عقب کو جا لیا۔ مغلوں نے اس فوج کو بُری طرح کاٹ ڈالا اور جو لوگ باقی بچے وہ مشرق کی طرف بھاگے جہاں انہوں نے ختا کی سب سے بڑی فوج میں ہراس پھیلا دیا۔

یہ بڑی فوج بھی شش و پنج کے عالم میں رہی اور اس کا سپہ سالار پایہ تخت بھاگ گیا۔ چنگیز خاں تائی تنگ فو پہنچ گیا۔ اُس کے راستے میں یہ پہلا فصیل والا شہر آیا تھا۔ اس نے اس کا محاصرہ کیا اور اس کے بعد اپنے دستوں کو بڑھا کے تیزی سے ین کنگ کی طرف لے گیا جو پایہ تخت تھا۔

مغل لشکر نے جو تباہی پھیلائی تھی، اور اس لشکر کی اس قربت سے وائی ونگ پر ہراس طاری ہو گیا اور اژدہے کی شکل کے تخت پر جلوہ افروز ہونے والا یہ تاجدار ین کنگ سے بھاگ کر نکلنے ہی والا تھا مگر اس کے وزیروں نے اسے بڑی مشکل سے روکا۔ اب اس سلطنت کی سب سے مضبوط پشت پناہ وائی ونگ کے سہارے کے لئے جمع ہو رہی تھی۔ یہ پشت پناہ متوسط طبقے کا بے شمار جم غفیر تھا، اڑیل جان نثار جمع نبرد آزما بزرگوں کا نام لیوا، جو اپنا سب سے بڑا فرض یہ سمجھتا تھا کہ ملک کے تخت و تاج کو سلامت رکھا جائے، اور جب کبھی چین میں قوم پر بُرا وقت آتا وہ اسی طرح سینہ سپر ہو جاتا۔

چنگیز خاں نے حیرت ناک سُرعت سے ختا کی فوجی مقاومت پر قابو پا لیا تھا۔ اُس کے دستوں نے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ حالانکہ مغربی دربار والے شہر تائی تنگ فو نے ابھی تک ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔

لیکن جیسے حنا بعل کو رومہ کے سامنے ایک قوی دل قوم کی حقیقی طاقت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بھی یہاں اسی صورتِ حال سے دوچار تھا۔ بڑے بڑے دریاؤں کے پاس سے نئی نئی فوجیں نمودار ہوتیں۔ جن شہروں کا محاصرہ ہو رہا تھا، معلوم ہوتا کہ

محصور سپاہیوں کی تعداد دیکھتے دیکھتے دن دونی رات چوگنی ہوگئی ہے۔ وہ ین کنگ کے بیرونی باغوں سے ہو کر گذرا اور پہلی مرتبہ اس نے ان بالا و بلند دیواروں کی عظیم الشان وسعت کو دیکھا۔ پہاڑ اور پُل اور قلعوں کے ایک سلسلہ کے درجہ بدرجہ سقف و بام۔

اس نے فوراً اندازہ کر لیا ہوگا کہ اپنی مختصر فوج سے ایسے شہر کا محاصرہ کرنا بیکار ہے۔ وہ فوراً ہی واپس لوٹ گیا اور جب خزاں کا موسم آیا تو اُس نے اپنے پرچموں کا رُخ واپس گوبی کی طرف پھیر دیا۔

لیکن اس کے بعد جب بہار آئی اور اس کے گھوڑوں کو پھر سے طاقت میسّر آئی۔ وہ دیوارِ عظیم کے اندر نمودار ہؤا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شہر جو پہلے حملے میں اس کے آگے ہتھیار ڈال چکے تھے۔ اب پھر سے نئے محافظ دستوں سے آراستہ تھے اور اُس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ اُسے پھر نئے سرے سے ساری مہم شروع کرنی پڑی۔ مغربی دربار والے شہر کا نئے سرے سے محاصرہ شروع ہؤا اور یہاں اس نے پورے لشکر کو جھونک دیا۔

معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ یہ محاصرہ محض ایک جال تھا۔ وہ اُن فوجوں کا انتظار کرتا رہتا جو محصورین کی کمک کے لئے روانہ ہوتیں، اور وہ راستے ہی میں اُن کا قلع قمع کر دیتا۔ اس جنگ سے دو باتیں واضح ہوگئیں۔ مغلوں کی سوار فوج میدانِ جنگ میں ختا کی فوجوں کے مقابل زیادہ تیزی سے نقل و حرکت کر سکتی اور ان فوجوں کو تباہ کر ڈالتی۔ لیکن ابھی تک وہ اس قابل نہیں ہوئی تھی کہ مضبوط شہروں کو فتح کر سکے۔

لیکن جبی نویان نے یہی کرتب پُورا کر دکھایا۔ مغلوں کے حلیفوں، لیاؤ سرداروں کو ساٹھ ہزار ختائیوں نے شمال میں گھیر رکھا تھا۔ انہوں نے خان سے مدد مانگی۔ اس نے

جبی نویان کو ایک تُومان کا سردار بنا کے بھیجا اور اس مستعد مغل سپہ سالار نے ختائی فوجوں کے عقب میں خود لیاؤ ینگ۔ کا محاصرہ کر لیا۔

مغلوں کو اپنی پہلی کوشش میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور جبی نویان نے جو فطرتاً نپولین کے مارشل نے کی طرح بے صبر واقع ہوا تھا۔ اسی حیلہ کو استعمال کیا جس کو چنگیز خاں محاصروں میں تو نہیں البتہ میدانِ جنگ میں اس سے پیشتر اکثر استعمال کر چکا تھا۔ اس نے اپنا سارا ساز و سامان، چھکڑے، سامانِ رسد سب ختائیوں کی نظروں کے سامنے پیچھے چھوڑے، اور اپنے گھوڑوں کے ریوڑوں سمیت اس طرح پیچھے ہٹا گویا وہ لڑائی سے دست بردار ہو رہا ہے، یا اُسے خوف ہے کہ محصورین کی کمک کے لئے اور فوج آ رہی ہے۔

دو دن تک مغل آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے۔ پھر سواری بدل کے وہ اپنے بہترین گھوڑوں پر سوار ہوئے، اور تیزی سے ایک ہی رات میں "لگام والے ہاتھ میں تلواریں سونتے ہوئے" یلغار کی۔ صبح ہوتے ہوتے وہ لیاؤ ینگ کے سامنے پہنچ گئے ختائیوں کو اس عرصہ میں یقین ہو گیا تھا کہ مغل پسپا ہو گئے ہیں۔ وہ اُن کا ساز و سامان لوٹ رہے تھے اور فصیل کے اندر منتقل کر رہے تھے۔ فصیل کے سب دروازے کھلے ہوئے تھے اور شہری اور سپاہی سب گھل مل گئے تھے۔ خانہ بدوشوں کی اس خلافِ توقع یلغار کو دیکھ کر وہ ہکّے بکّے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دہشت ناک قتلِ عام کے بعد لیاؤ ینگ پر مغلوں نے قبضہ کر لیا۔

جبی نویان کو اپنا سارا ساز و سامان اور اس کے علاوہ اور بہت زیادہ مالِ غنیمت مل گیا۔

لیکن مغربی دربار والے شہر کا محاصرہ کرتے میں چنگیز خان زخمی ہو گیا تھا۔ اس کا لشکر ختا سے واپس لوٹ آیا جیسے جوار بھاٹا کنارے سے پلٹتا ہے اور اس کو اپنے

ساتھ لیتا آیا۔

ہر موسمِ خزاں میں لازم تھا کہ وہ اسی طرح واپس لوٹیں۔ ضروری تھا کہ تازہ گھوڑے فراہم کئے جائیں۔ گرمیوں میں تو آدمی اور جانور زمین کی پیداوار پہ گذر کر لیتے۔ لیکن جاڑوں میں شمالی چین میں لشکر کو گذارے بھر کی خوراک میسر نہ آ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی نبرد آزما ہمسائے تھے جنہیں دُور رکھنا ضروری تھا۔

اگلی فصل میں چنگیز خاں نے محض چند لوٹ مار کے حملوں پر اکتفا کی۔ یہ اس مقصد کے لئے کافی تھے کہ چینیوں کو زیادہ آرام نہ ملنے پائے۔

بڑے پیمانے پر یہ اُس کی پہلی جنگ تھی اور اس میں اُس کا اور دشمن کا توازن برابر تھا۔ حنابعل کے برعکس وہ اس سلطنت کے بڑے بڑے مفتوح شہروں میں حفاظت کے لئے فوجیں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اُس کے مغل جو اُس زمانے تک فصیل کے اندر سے لڑنے کے عادی نہیں تھے۔ جاڑوں میں ختائیوں کے ہاتھوں نیست و نابود ہو جاتے۔

اس نے میدانِ جنگ میں کئی فتوحات اس طرح حاصل کی تھیں کہ وہ اپنے دستوں کی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھ سکتا تھا، اور تیزی سے یلغار کر کے وہ انہیں ختائی فوجوں کے سامنے لا کے جمع کر سکتا تھا۔ لیکن اس سے محض اتنا نتیجہ نکلا تھا کہ اس نے دشمن کی فوجوں کو فصیلوں کے اندر بھگا دیا تھا۔ شہنشاہ کو اپنی گرفت میں لانے کی کوشش میں وہ ین کنگ تک پہنچ کر اس شہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکا تھا۔ لیکن اس قریب قریب ناممکن تسخیر قلعہ سے چن کے سرتاج کو نکال بھگانا ممکن نہیں تھا۔ اس دوران میں ختائی فوجیں لیاؤ تنگ کے باشندوں اور رہیا کے سواروں پر غلبہ پاتی جا رہی تھیں جو خان کے دائیں اور بائیں پہلوؤں کی حفاظت کر رہے تھے۔

ان حالات میں اگر کوئی اور خانہ بدوش سردار ہوتا تو وہ اسی پر قناعت کرتا۔ دیوارِ عظیم کے باہر ہی وہ گذری ہوئی فصلوں کے مالِ غنیمت کو سنبھالتا اور چن کی عظیم الشان

سلطنت کو اس نے جو شکستیں دی تھیں، اُن کی شان کی یاد میں مگن رہتا۔ لیکن زخمی چنگیز خاں بڑا سنگین دل تھا۔ وہ تجربہ حاصل کرتا جا رہا تھا اور اس تجربہ سے فائدہ اٹھاتا جا رہا تھا اور اس عرصہ میں تاجدارِ زرّیں ایک بدشگونی کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

جب ۱۲۱۴ء میں بہار آئی اور بہار کا پہلا سبزہ اُگا تو یہ بدشگونی خوف میں بدل گئی۔ مختلف مقامات سے تین مغل فوجوں نے ختا پر یورش کی۔ جنوب میں خان کے تین بیٹوں نے شانسی کے صوبے کے آر پار ایک چوڑی سی پٹی کاٹ لی۔ شمال میں جوجی نے خنگان کا سلسلہ کوہ عبور کیا اور لیاؤ تنگ والوں کی فوج کے ساتھ اپنے لشکر کو جا ملایا۔ اسی درمیان میں چنگیز خاں قلب لشکر کے ساتھ ین کنگ کے عقب میں بڑے سمندر کے کنارے جا پہنچا۔

ان تینوں فوجوں نے بالکل انوکھے انداز میں پیش قدمی کی تھی۔ یہ ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں۔ اب کی مرتبہ ان فوجوں نے جم کے طاقتور سے طاقتور شہروں کا محاصرہ کیا اور قلعوں پر پہلا حملہ کرنے سے پہلے آس پاس کے دیہاتوں سے پکڑ کے اُن کو آگے آگے رکھا اور ان کی آڑ میں حملہ کیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ فصیل کے اندر والے ختائیوں نے دروازے کھول دیئے۔ ایسی صورت میں ان کی جان بخشی کی گئی۔ حالانکہ آس پاس کے گاؤں اور دیہاتوں میں ہر چیز یا تو نیست و نابود کی جا چکی تھی یا اسے یہ مغل اُٹھا یا ہنکا لے گئے تھے۔ فصلیں کچلی اور جلائی جا چکی تھیں، ریوڑ ہنکائے جا چکے تھے اور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑائے جا چکے تھے۔

اس ہیبت ناک جنگ میں بہت سے ختائی سپہ سالار اپنی زیر کمان فوجوں کے سمیت مغلوں سے جا ملے۔ انہیں لیاؤ تنگ کے دوسرے افسروں کے ساتھ تسخیر شدہ شہروں کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ اتفاق سے یہ حنا میں جن چار سواروں کا ذکر

ہے۔ اُن میں سے دو، قحط اور بیماری مغل سواروں کے پیچھے پیچھے تاراج کرتے آئے۔ زمین اور آسمان کے خطِ انفصال پر مغلوں کے اردو کے چھکڑوں کی نہ ختم ہونے والی قطار، بیلوں کے ریوڑ، سینگوں کے پرچم نظر آتے رہے۔

جب جنگ کی فصل ختم ہونے کو آئی تو مرض نے اپنا خراج مغلوں کے اُردو سے بھی وصول کیا۔ گھوڑے بھی لاغر اور کمزور ہو چکے تھے۔ چنگیز خاں نے اردو کے قلب کے ساتھ ین کنگ کی فصیلوں کے قریب خیمہ کھڑا کیا اور اس کے سالاروں نے منّت کی کہ انہیں شہر پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

اُس نے پھر ایک بار انکار کیا اور تاجدارِ زریں کو یہ پیغام بھیجا۔

"ہماری اور تمہاری لڑائی کے متعلق اب تمہاری کیا رائے ہے؟ دریائے ہوانگ ہو کے شمال کے سارے صوبے میرے قبضے میں ہیں۔ میں اپنے گھر واپس جا رہا ہوں۔ لیکن کیا تم میرے افسروں کو بغیر تحائف کے خوش کئے واپس جانے دو گے؟"

بظاہر یہ درخواست بڑی عجیب معلوم ہوتی تھی لیکن اس مغل نے اس میں سیدھی سادی حکمت عملی دکھائی تھی۔ اگر تاجدارِ زرّیں نے اس کی درخواست قبول کر لی تو وہ ان تحفوں سے اپنے افسروں کو انعام دے سکے گا۔ اُن کی بیتابی میں کچھ کمی ہوگی اور راج رہے والے تخت کی آن بان پر بُرا اثر پڑے گا۔

بعض چینی مشیروں نے جو اُردو کی کمزور حالت سے آگاہ تھے شہنشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ فوجوں کو لے کے مغلوں سے مقابلے کے لئے ین کنگ سے باہر نکلے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر یہ مشورہ مان لیا جاتا تو کیا نتیجہ نکلتا لیکن چین تاجدار اتنی مصیبت اٹھا چکا تھا کہ اُس میں اب جرأت باقی ہی نہ رہی تھی۔ اس نے چنگیز خاں کو پانچ سو جوان، پانچ سو کنیزیں، نفیس گھوڑوں کا ایک ریوڑ، اور سونے اور ریشم کے تودے کے

تو دے تحفتاً" بھجوائے۔ سمجھوتہ ہو گیا اور چینیوں نے عہد کیا کہ خان کے حلیف لیاؤ شہزادوں کو لیاؤ تُنگ میں نہ ستائیں گے۔

خان نے اس سے بھی سوا کچھ اور طلب کیا کہ اگر صلح ہونی ہی ہے تو شاہی خاندان کی ایک عورت اس کے عقد میں دی جائے۔ شاہی خاندان کی ایک خاتون اُس کے پاس بھیج دی گئی۔

چنگیز خاں اُس سال خزاں میں واپس نہیں گیا بلکہ صحرا کے کنارے اس نے قیدیوں کے جمِ غفیر کو قتل کروا دیا جسے اس کا لشکر اپنے ساتھ پکڑ لایا تھا۔ اس سفاکی کی کوئی وجہ جواز نہیں تھی۔

(معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کا قاعدہ یہ تھا کہ کاریگروں اور عالموں فاضلوں کے علاوہ وہ اپنے تمام قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ یہ قتل عام اُس وقت ہوتا تھا جب وہ کسی یورش کے بعد اپنے گھر واپس ہوتے۔ اس زمانے تک مغلوں کی اپنی سرزمین میں غلام رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ قیدیوں کا یہ ہجوم تو فاقہ کشی کے عالم میں اُن بنجر صحراؤں کو ننگے پاؤں طے بھی نہیں کر سکتا تھا جن کے اُس پار مغلوں کا وطن تھا۔ انہیں آزاد کرانے کے بجائے مغل ان کا کام تمام کر دیتے تھے۔ جیسے کوئی پرانے کپڑے اتار پھینکتا ہے۔ انسان کی جان کی مغلوں کی نظر میں کوئی اہمیت یا قیمت نہ تھی۔ اُن کی خواہش یہی تھی کہ زرخیز زمینوں کو ویران کر کے اپنے ریوڑوں کی چراگاہوں میں بدل دیں۔ جنگ ختا کے بعد وہ بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ختا کے کئی شہروں کو انھوں نے اس طرح مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا ہے کہ اگر گھوڑا اس مقام پر جہاں شہر آباد تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائے تو اُسے کہیں ٹھوکر نہ لگنے پائے گی)۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ چنگیز خاں اپنے معاہدے پر قائم رہتا یا نہ رہتا لیکن

چین کے تاجدارِ زریں نے اپنے طور پر کچھ اور عمل کیا۔ اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ین کنگ میں چھوڑ کے وہ جنوب کی طرف بھاگ گیا۔

"ہم اپنی رعایا کو یہ اعلان سناتے ہیں کہ ہم جنوبی مستقر میں قیام فرمائیں گے۔"

یہ فرمانِ شہنشاہی تھا۔ اُس کمزوری کے اظہار سے اُس کی رہی سہی عزت اور شوکت خاک میں مل گئی۔ اُس کے مشیروں، ین کنگ کے حاکموں، چین کے کہنہ سال امرا، سب نے درخواست کی کہ وہ اپنی رعایا کا ساتھ نہ چھوڑے لیکن وہ بھاگ ہی گیا اور اس کے جاتے ہی بغاوت ہو گئی۔

دسواں باب

مغلوں کی واپسی

جب ختا کا شہنشاہ اپنے محل کے لوگوں سمیت دارالسلطنت سے بھاگا تو وہ محل میں اپنے بیٹے کو جو ولی عہد تھا چھوڑتا گیا۔ اپنے ملک کے ملب کو وہ اس طرح خالی نہیں کرنا چاہتا کہ ین کنگ میں بادشاہت کا خول بھی باقی نہ رہے ضروری تھا کہ خانوادۂ شاہی کا کوئی آدمی باقی رہ جائے جسے دیکھ کے رعایا کی تسلّی ہو سکے۔ ین کنگ کی حفاظت کے لئے ایک طاقتور فوج بھی وہیں چھوڑی گئی تھی۔

لیکن کہن سال امرا کو جس افراتفری کا اندیشہ تھا۔ اس سے قن کی مسلّح فوج میں انتشار پیدا ہونے لگا۔ بعض سپاہی جو شہنشاہ کے ہم رکاب تھے بغاوت کر کے مغلوں سے جا ملے۔

خود دارالسلطنت میں ایک عجیب و غریب بغاوت شروع ہوئی۔ عالی نسب شہزادے عہدہ دار اور عمال سب جمع ہوئے اور انہوں نے حلف اٹھایا کہ شاہی خاندان کے وفادار رہیں گے۔ اُن کا تاجدار تو اُنہیں چھوڑ کے بھاگ گیا تھا مگر انہوں نے عہد کیا تھا کہ لڑائی جاری رکھیں گے۔ ختا کے جری اور بہادر سپاہی بارش میں ننگے سر، سڑکوں پر جمع ہوئے اور انہوں نے بھی عہد کیا کہ وہ قن خاندان کے ولی عہد اور امرا کا ساتھ دیں گے۔ کمزور تاجدار کے فرار سے وفادار کی پرانی اور گہری روح عمل اس وقت نئے سرے سے بیدار ہوئی۔

شہنشاہ نے کئی قاصد ین گنگ بھیجے اور اپنے بیٹے کو جنوب کی طرف بلایا۔ کہنہ سال چینیوں نے منت کی "یہ نہ کیجئے گا۔"

لیکن شہنشاہ اپنی ضد پر قائم تھا اور اب بھی اس کی خواہش ملک کا اعلیٰ ترین قانون تھی۔ بڑی ذلت کے عالم میں ولی عہد کو ین گنگ چھوڑنا پڑا اور اب وہاں صرف شاہی گھرانے کی کچھ عورتیں، اس پرانے شہر کے کچھ عمال، کچھ خواجہ سرا اور فوج کے سپاہی باقی رہ گئے۔ اس درمیان میں وفادار امراء نے جو آگ جلائی تھی وہ آتشکدہ بن گئی۔ جابجا مغلوں کے محافظ دستوں اور چوکیوں پر حملے کئے گئے اور لیاؤ تُنگ کے بدنصیب صوبے کو چھڑانے کے لئے ایک فوج بھیجی گئی۔ یہ فوج جس جوش کی وجہ سے ظہور میں آئی تھی اُسی جوش کی وجہ سے اس نے حیرت ناک کامیابیاں حاصل کیں۔

مغلوں کے اردو کو جو اپنے وطن واپس جا رہا تھا۔ حالات کے اس طرح پلٹا کھانے کی اطلاع ملی چنگیز خاں سفر کرتے کرتے رُک گیا، اور اپنے جاسوسوں اور افسروں سے تفصیلی اطلاع سننے کا انتظار کرنے لگا جو تیزی سے اُس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

جب حالات اچھی طرح اُس کی سمجھ میں آئے تو اس نے تیزی سے اقدام کیا۔ جو فوجی دستہ سب سے زیادہ کارآمد تھا۔ اس نے جنوب میں دریائے ہوانگ ہو کی طرف بھیجا تاکہ مفرور شہنشاہ کا تعاقب کرے۔

اگرچہ کہ موسم جاڑوں کا تھا لیکن مغل تیزی سے آگے بڑھے اور چینیوں کا تاجدار مجبور ہو گیا کہ دریا کے پار اپنے پرانے دشمن سُنگ خاندان کی سلطنت میں پناہ لے لیکن یہاں بھی مغلوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، مغل برف پوش پہاڑوں میں ڈھونڈ ڈھونڈھ کر راستہ نکالتے رہے۔ پہاڑوں کے کٹاؤ کو نیزوں کی چوب اور درختوں

کی شاخوں کو زنجیروں سے باندھ باندھ کے پار کرتے رہے۔ درحقیقت یہ دستہ دشمن ملک میں اتنی دُور تک گھس آیا کہ یہ اُردو سے بالکل کٹ گیا۔ مگر یہ مفرور شہنشاہ کا تعاقب کرتا رہا، جس نے اب سُنگ دربار سے مدد کی التجا کی تھی۔ خان نے قاصدوں کو بھیج کر اس آوارہ گرد دستہ کو واپس بلایا جو کسی نہ کسی طرح سُنگ شہروں کا چکر کاٹ کے یخ بستہ ہوانگ ٹو کو عبور کر کے پلٹ آیا۔

جبی نویان کو بھیجا گیا کہ وہ تیزی سے گوبی پہنچے اور وطن میں سرداروں کو اطمینان دلائے۔

چنگیز خاں نے سوبدائی بہادر کو بھیجا کہ وہ جا کے صورتِ حال کا معائنہ کرے یہ اورخون کئی ماہ تک غائب رہا اور اس عرصہ میں صرف معمولی اطلاعیں بھیجتا رہا۔ مثلاً یہ کہ گھوڑوں کا کیا حال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ختا میں کوئی خاص بات نہیں تھی کیونکہ جب وہ گھوم پھر کر اُردو کو واپس آیا تو اُس نے اطلاع دی کہ اس نے کوریہ کو مطیع کر لیا ہے۔ وہ خاموش رہا تھا اور چونکہ اس کے اپنے بس کی بات تھی اُس نے لیاؤ تنگ کی خلیج کے کنارے کا چکّر لگا کے لگے ہاتھوں ایک نئے ملک کی تفتیش کر ڈالی تھی۔ سوبدائی بہادر کو سیر و تفریح کی یہ جو عادت تھی کچھ عرصہ بعد جب اُس کو آزاد طور پر سپہ سالاری کرنے کی اجازت دی گئی تو اس عادت کی وجہ سے اس نے یورپ پر بڑی آفت ڈھائی۔

چنگیز خان خود اردو کے قلب کے ساتھ دیوارِ چین کے قریب ہی رہا۔ اب اُس کی عمر پچپن سال کی تھی۔ اُس کا پوتہ قبلائی خان پیدا ہو چکا تھا۔ گوبی کے شامیانوں میں، تمور کے یورتوں میں نہیں۔ اس کے بیٹے جوان ہو چکے تھے لیکن اس نازک گھڑی میں اس نے اپنے دشمنوں کی کمان ارخانوں کے سپرد کی جو لشکر کے تجربہ کار سپہ سالار تھے، جن کی ہر خطا معاف تھی۔ جن کی اولاد اُن کی قابلیت کے انعام میں

ہر طرح کی تکلیف اور سزا سے محفوظ تھی۔ اُس نے جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو سکھایا تھا کہ سوار دستوں سے کیسے کام لیا جاتا ہے اور اس نے آزمودہ کار مقولی بہادر کو آزمایا تھا

القصہ اپنے خیموں میں آرام سے بیٹھے بیٹھے چنگیز خان نے ختا کے زوال کا سماں دیکھا۔ وہ اُن سوار مخبروں سے دم بدم اطلاعیں سنتا رہا جو راستہ بھر کھانا پکائے بغیر اور سوئے بغیر سواری کرتے رہتے اور اسے خبریں پہنچاتے۔

مقولی نے لیاؤتنگ کے ایک شہزادے منگن کی مدد سے ین کنگ، پر حملہ کیا۔ جب وہ مشرق کی طرف واپس ہوا ہے تو اُس کے ساتھ صرف پانچ ہزار مغل تھے۔ مگر راستے میں بے شمار ختائی جو اپنی فوج کو چھوڑ کے بھاگے تھے اور سپاہیوں کے بہت سے آوارہ گرد دستے اُس کے ساتھ شریک ہوتے گئے۔ سوبدائی بہادر اُس کے ایک بازو پر منڈلا ہی رہا تھا۔ اُس نے ین کنگ کی بیرونی دیواروں کے سامنے اپنے خیمے استادہ کیے۔

ین کنگ میں اتنے کافی آدمی تھے کہ وہ بہت عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے۔ ہتھیار اور جنگی ساز و سامان بھی بہت تھا لیکن ختائی اس قدر غیر منظم تھے کہ وہ زیادہ مقاومت نہ کر سکے۔ جب بیرون شہر میں لڑائی ہوئی تو ایک قن سپہ سالار نے دغا دی۔ شاہی خاندان کی عورتیں اُس کے ساتھ نکل بھاگنا چاہتی تھیں مگر اس نے انہیں تاریکی میں چھوڑا۔ تاجروں کے بازار میں لُوٹ شروع ہو گئی اور یہ بدنصیب عورتیں، چلاتے ہوئے ڈرے ہوئے سپاہیوں کے مجمع میں مایوس ادھر سے ادھر پھرتی رہیں۔

اس کے بعد شہر کے مختلف حصّوں میں آگ لگ گئی۔ محل کے برآمدوں میں خواجہ سرا اور غلام سونے اور چاندی کے زیور اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ادھر سے اُدھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دیوانِ شاہی ویران تھا اور جو کیدار اپنی جگہ چھوڑ کے لوٹنے والوں میں جا ملے تھے۔

دوسرا اسپہ سالار جو باقی رہ گیا تھا۔ وانگ ین تھا۔ یہ شاہی خاندان سے تھا۔ کچھ دن ہوئے اُسے ایک شاہی فرمان ملا تھا جس کی رُو سے ختا میں تمام قیدیوں اور ملزموں کو معافی دی گئی تھی اور سپاہیوں کا انعام بڑھا دیا گیا تھا۔ یہ آخری کوشش بیکار تھی۔ اس سے وانگ ین کو جو اکیلا رہ گیا تھا کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

اس نے یہ الوداعی الفاظ اپنے دامن پر لکھے۔ پھر اس نے اپنے نوکروں کو بلایا اور اپنے سارے کپڑے اور ساری دولت اُن میں تقسیم کر دی۔ جو عامل اس کا معتمد تھا اُسے اس نے حکم دیا کہ اُس کے لئے زہر کا جام تیار کرے اور خود لکھتا چلا گیا۔

پھر وانگ ین نے اپنے دوست سے کمرے کے باہر جانے کی درخواست کی اور زہر کا جام پی گیا۔ ین کنگ جل رہا تھا اور جب مغل سوار اندر داخل ہوئے تو ساری آبادی پر جو اپنی حفاظت نہ کر سکتی تھی۔ بیحد خوف و ہراس طاری تھا۔

با اصول مقولی نے فوراً شہر کا سارا خزانہ اور سارا جنگی ساز و سامان خان کی خدمت میں بھیجنے کے لئے فراہم کرنا شروع کر دیا۔ اُسے ایک شاہی خاندان کے خاتمہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔

جو قیدی اعظم خان کو بھیجے گئے۔ اُن میں لیاؤ تنگ کا ایک شہزادہ بھی تھا۔ جو ختائیوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ وہ دراز قد تھا۔ اُس کی داڑھی ناف تک پہنچتی تھی۔ اُس کی گہری صاف آواز کی وجہ سے خان نے اس کی طرف توجہ کی۔ اس نے قیدی سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس کا نام یئی لیو چت سائی تھا۔

چنگیز خاں نے اُس سے پوچھا "تو اُس شاہی خاندان کا ساتھ کیوں دیتا رہا جو تیرے خاندان کا دشمن تھا"

نوجوان شہزادے نے جواب دیا "میرا باپ فن خاندان کا خدمت گزار تھا اور اسی طرح میرے خاندان کے اور لوگ بھی۔ میرے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ میں

قن سے وفاداری نہ کرتا۔"

مغل اس جواب سے بہت خوش ہُوا۔

"تو نے اپنے پہلے آقا کی خدمت اچھی طرح انجام دی اور اسی طرح وفاداری سے تُو میری خدمت کر سکتا ہے۔ تو میرے آدمیوں میں شامل ہو جا۔"

بعض اور اشخاص کو جنہوں نے خاندانِ قن سے بیوفائی کی تھی۔ اُس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اُسے یقین تھا کہ ان لوگوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی لیوچتسائی تھا جس نے کچھ عرصہ بعد اس سے کہا "تُو نے زین پر بیٹھ کے ایک بہت بڑی سلطنت کو فتح کیا ہے۔ لیکن زین پر بیٹھے بیٹھے تو اس پر حکومت نہیں کر سکے گا۔"

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مغل فاتح کو یہ بات سچی معلوم ہوئی یا یہ کہ اُس کی رائے تھی کہ یہ قابل اور فاضل ختائی اُس کے لئے اتنا ہی کارآمد ہے جتنی پتھر اور آگ پھینکنے والی منجنیقیں۔ بہرحال وہ اس کا مشورہ سُن لیا کرتا۔ اُس نے لیاؤتنگ کے آدمیوں میں سے ختا کے مفتوحہ صوبوں کے حاکم مقرر کئے۔

اُسے یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ ختا کی گنجان سرسبز زمین کو مغلوں کی پسند کے مطابق چراگاہوں میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ رہ گئی چینیوں کی تجارت، اُن کا فلسفہ، یا اُن کے یہاں غلاموں اور عورتوں کی جو درجہ بندی تھی۔ ان سب چیزوں کو وہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ اُن عمال کی جرأت سے متاثر ہُوا جنہوں نے اپنے تاجدار کے بھاگ نکلنے کے بعد جم کر جنگ باقی رکھی اور ان آدمیوں کے استقلال و فراست میں خود اُس نے اپنے فائدہ کی سبیل دیکھی۔ مثلاً لیوچتسائی ستاروں کے نام لے سکتا تھا، اور ستاروں کی گردش سے فال نکال سکتا تھا۔

جب وہ ختا کے شہروں کے خزانے اپنے ساتھ قراقورم لے جانے لگا تو اپنے ساتھ چین کے بہت سے عالموں کو بھی لیتا گیا۔ اس نے ان نئے صوبوں کی فوجی حکومت

اور سنگ کی مملکت کی فتح کی تکمیل مقولی بہادر کے سپرد کی۔ سب کے سامنے اُس نے مقولی بہادر کی تعریف کی۔ اُسے نو سفید یاکوں کی دُموں والا نشان عنایت فرمایا۔

اُس نے مغلوں میں یہ اعلان کیا " اس علاقے میں مقولی بہادر کے احکام کی اسی طرح پابندی ہونی چاہئے جیسے میرے احکام کی "۔

اس آزمودہ کار سردار کو اس سے بڑا اور کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ چنگیز خاں نے اپنا عہد ایفا کیا اور اس نئے علاقے میں مقولی بلا مداخلت اُردو کے اُس حصے کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا جو اُس کو تفویض کیا گیا تھا۔

مغل خان کے اس اقدام کی جو توجیہہ چاہئے کر لیجئے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ واپس ہو کے اپنی مغربی سرحدوں کو مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے یہ بھی اندازہ کر لیا ہو گا کہ پورے چین کو فتح کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب وہ کسی غیر مُلک کو فتح کر لیتا تو پھر اُسے اس مُلک سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہتی۔

گیارھواں باب

قراقورم

دوسرے فاتحوں کے برعکس چنگیز خاں نے ختا میں، جو اس کی نئی سلطنت کا سب سے زیادہ عشرت پسند حصہ تھا، قیام نہیں کیا۔ چن خاندان کے خاتمے کے بعد جب وہ دیوارِ عظیم کے اُس پار پہنچ گیا تو پھر چین لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ مقولی کو وہاں اس نے امیر جنگ بناکر اپنے پیچھے چھوڑا اور خود اُن بنجر بلندیوں کو تیزی سے لوٹ آیا جو اس کی موروثی سرزمین میں واقع تھیں۔

یہاں اُس کا مستقر تھا۔ اُس نے اپنے اردو کے لئے صحرا کے شہروں میں سے قراقورم کو انتخاب کیا۔ قراقورم کے لفظی معنی ہیں کالی ریت۔

یہاں اُس نے اپنے اطراف ہر وہ چیز جمع کر لی جس کی ایک خانہ بدوش کو آرزو ہوتی ہے۔ یہ قراقورم بنجر سرزمینوں کا دار الخلافہ، بڑا عجیب شہر تھا۔ یہاں ہواؤں کے جھکڑ جھاڑو دیتے تھے اور بیابان کی ریگ کوڑے لگاتی تھی۔ گارے اور پھونس کی جھونپڑیاں اس طرح جمع تھیں کہ ان کے درمیان کسی طرح کی سڑک کا تصوّر باقی نہ رہنے پاتا تھا۔ شہر کے اطراف کالے سمور کے یورتوں کی چوٹیاں تھیں۔

تکلیف اور آوارہ گردی کے ایّام گذر چکے تھے۔ وسیع اصطبلوں میں چُنے ہوئے گھوڑوں کے ریوڑ جاڑوں کا موسم گذارتے تھے اور ان کی جلد پر خان کی مُہر لگی ہوئی تھی بڑے بڑے کھلیانوں میں قحط سالی سے بچاؤ کے لئے خوراک جمع تھی۔ آدمیوں کے لئے باجرہ اور چاول، گھوڑوں کے لئے چارہ اور گھانس۔ مسافروں اور شمالی ایشیا کے

ملکوں سے جوق در جوق آنے والے سفیروں کے آرام کے لئے کارواں سرائیں جابجا بن چکی تھیں۔

جنوب سے عرب اور ترک تاجر آتے۔ اُن سے معاملہ کرنے کا چنگیز خاں نے ایک طریقہ نکالا۔ وہ اُن سے دام نہیں چکاتا تھا۔ اگر تاجر قیمتوں کے معاملے میں تکرار کرتے تو وہ ان کا سارا مال اسباب ضبط کر لیتا۔ اگر وہ ہر چیز خان کے سپرد کر دیتے تو وہ انہیں اتنا انعام دیتا کہ انہیں اپنے سامانِ تجارت کی قیمت سے زیادہ ہی آمدنی ہو جاتی۔

شہر میں سفیروں کا جو محلہ تھا۔ اُس کے قریب ہی پجاریوں کی بستی تھی۔ پتھر کی مسجدوں کی بغل میں پُرانے بدھ مت کے مندر اور نسطوری عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے بنے ہوئے گرجے تھے۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ جس طرح پر چاہے عبادت کرے۔ لیکن شرط یہ تھی کہ وہ یاسا کے قوانین کی پابندی کرے، اور مغل اُردو کے اصول پر عمل کرے۔

سیاح اور مسافر سرحد پر مغل افسروں سے ملتے۔ یہ افسر انہیں رہبروں کے ساتھ قراقورم بھیج دیتے۔ ان مسافروں کے آنے کی اطلاع پہلے ہی قافلے کی شاہراہ پر تیز رفتار اور مصروفِ عمل نامہ بروں کے ذریعے کرا دی جاتی۔ جب یہ مسافر اور سیاح خان کے شہر کے نواح میں پہنچتے اور شہر کے قریب چرتے ہوئے ریوڑ، یورتوں کی کالی چھتیں، اور اطراف کے مسطح بے شجر میدان پر کبت گاؤں کی قطاریں انہیں نظر آنے لگتیں تو اُن کی حفاظت قانون و سزا کے ذمہ دار افسر کے سپرد ہو جاتی۔

خانہ بدوشوں کے ایک پرُانے دستور کے مطابق ان مسافروں کو دو بڑے بڑے دھکتے ہوئے الاؤوں کے درمیان سے ہو کر گذرنا پڑتا۔ اس سے انہیں عموماً کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مغلوں کا عقیدہ تھا کہ اگر ان آنے والوں میں سے کسی پر بھوت پریت کا سایہ ہے تو وہ آگ سے جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان کی

رہائش اور خوراک کا انتظام کیا جاتا اور اگر خان کی اجازت مل جاتی تو انہیں اس مغل فاتح کے سامنے حاضر ہونے کا موقع ملتا۔

اُس کا دربار ریشمی استر اور سفید سمور کے ایک اونچے شامیانے میں منعقد ہوتا۔ دروازے ہی پر ایک چاندی کے میز پر گھوڑی کا دودھ، پھل اور گوشت افراط سے رکھا ہوتا کہ جو اس کی خدمت میں پیش ہو شکم سیر ہو کے کھانا کھائے۔ شامیانے کے دوسرے سرے پر ایک نیچی سی چوکی پر چنگیز خاں جلوہ افروز ہوتا اور اس سے نیچے بائیں جانب بورتہ یا اُس کی کوئی اور بیوی بیٹھی ہوتی۔

بہت کم وزیر اُس کی پیشی میں حاضر ہوتے۔ شاید لیو چیتسائی ہوتا، کاڑھا ہوا لبادہ پہنے، دراز ریش، بلند آواز، شاندار۔ یا شاید ایک الیغوری میر منشی ہوتا، کاغذ کا خریطہ اور مُوقلم لئے ہوئے۔ یا کوئی مغل نویان ہوتا جس کے سپرد ساقی گری کی اعزازی خدمت ہوتی۔ شامیانے کی دیواروں کے کنارے کنارے چوکیوں پہ دوسرے سردار با ملاحظہ با ادب بیٹھے ہوتے۔ یہ اردو کا معمولی لباس پہنے ہوتے، روئی سے بھرے ہوئے لمبے لمبے کوٹ، جن کے کمر بند لٹکتے ہوتے اور اوپر کو اٹھی ہوئی سفید سمور کی ٹوپیاں۔ شامیانے کے بیچوں بیچ کانٹوں اور گوبر کا الاؤ جلتا ہوتا۔

ترخان جن کی سب سے زیادہ عزت ہوتی، جب چاہتے درانہ چلے آتے اور چوکیوں پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ جاتے اور اپنے جنگ سے داغ دار ہاتھوں کو اپنی مضبوط شہسواری کی عادی رانوں پر رکھ لیتے۔ اُن کے ساتھ ہی اورخون اور دستوں کے سالار اپنا اپنا عصا سنبھالے آ بیٹھتے۔ بہت رُک رُک کے اور چبا چبا کے آپس میں بات چیت ہوتی اور جب خان کچھ کہتا تو ساری محفل پر سناٹا چھا جاتا۔

جب وہ کوئی بات کہہ چکتا تو اُس موضوع پر گفتگو ختم ہو جاتی۔ اس کے بعد کسی کو

ایک لفظ کہنے کی مجال نہیں تھی۔ بحث کرنا بدخلقی سمجھی جاتی تھی۔ مبالغہ اخلاقی پستی سمجھا جاتا تھا اور جھوٹ کی سزا دینا، سزا کے ذمہ دار افسر کا فرض تھا۔ بہت کم الفاظ زبان سے نکالے جاتے، اور بہت احتیاط اور صحت بیان کے ساتھ۔

اجنبی مسافروں اور سیاحوں سے توقع کی جاتی کہ وہ اپنے ساتھ تحائف لائیں تحائف پہلے ہی خان کی خدمت میں پیش کر دیئے جاتے۔ اُس کے بعد کہیں اس روز کے محافظ دستے کا سردار آنے والوں کو خان کی خدمت میں پیش کرتا۔ اُس کے بعد نو واردوں کی تلاشی لی جاتی کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں ہیں اور انہیں ہدایت کی جاتی کہ شامیانے کی دہلیز کو مس نہ کریں اور اگر خیمہ میں باریابی ہوتی تو ہدایت ملتی کہ خیمے کی رسیوں کو ہاتھ نہ لگائیں۔ دو زانو ہو کر خان سے بات کریں۔ ایک مرتبہ جب وہ اردو میں باریاب ہوتے تو جب تک خان کی اجازت نہ ہوتی وہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔

قراقورم جسے اب گوبی کی بہتی ہوئی ریت ہضم کر چکی ہے۔ اُس زمانے میں ایک ایسا پایہ تخت تھا جس پر آہنی عزم سے حکومت کی جاتی تھی۔ جو لوگ اُردو میں داخل ہوتے وہ اس مالک تاج و تخت چنگیز خاں کے نوکر شمار ہونے لگتے۔ اس کے علاوہ اور کسی قانون کا رواج نہ تھا۔

قوی دل راہب پادری روبرک لکھتا ہے "جب میں تاتاریوں میں شامل ہوا تو میں نے اپنے آپ کو ایک بالکل دوسری دنیا میں پایا۔"

یہ ایک ایسی دُنیا تھی جو یاسا کے قوانین کے مطابق چلتی تھی اور جو خاموشی سے خان کی مرضی کی پابندی کرتی۔ سارا کاروبار فوجی تھا اور نظم و ضبط انتہا درجے کا تھا۔ خان کا شامیانہ جنوب کی طرف کھلتا اور اس کے پہلو میں جگہ خالی چھوڑ دی جاتی جیسے بنی اسرائیل نے منطلے کے اطراف اپنے لئے مقامات مقرر کر رکھے تھے۔

اُسی طرح خان کے میمنہ اور میسرے میں اُردو کے لوگوں کے لئے جگہیں مقرر تھیں۔

خان کا اپنا گھر بار بہت بڑھ گیا تھا۔ بھوری آنکھوں والی بورتہ کے علاوہ خان کی اور بھی کئی بیویاں تھیں جو اُردو کے مختلف حصّوں میں اپنے اپنے خیموں میں رہتیں اور اُن کی اپنی قوم کے لوگ اُن کی خدمت گزاری کرتے۔ اُس کی بیویوں میں ختا اور ریاؤ کی شہزادیاں تھیں، ترک شاہی خانوادوں کی بیٹیاں تھیں اور صحرا کے قبیلوں کی سب سے زیادہ خوبصورت عورتیں تھیں۔

جس طرح وہ مردوں میں فراست اور مشقت پسندی کی قدر کرتا تھا۔ جیسے وہ اچھے گھوڑوں کی تیزی اور قوت برداشت کو پسند کرتا تھا۔ اُسی طرح وہ عورتوں کے حُسن کا قدردان تھا۔ کوئی مغل اُس سے کسی مفتوحہ صوبہ کی کسی خوبصورت خوش اندام لڑکی کا ذکر کرتا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا کہ معلوم نہیں اب وہ کہاں ہوگی تو بے صبری سے خان اُسے جواب دیتا "اگر وہ سچ مچ خوبصورت ہے تو میں اُسے ڈھونڈھ نکالوں گا۔"

ایک بڑے مزے کی حکایت اُس کے ایک خواب کے متعلق ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہُوا۔ خواب یہ تھا کہ اُس کی بیویوں میں سے ایک اُسے ضرر پہنچانے کے لئے سازش کر رہی ہے۔ اُس وقت وہ حسبِ معمول میدانِ جنگ میں تھا۔ جب وہ بیدار ہُوا تو فوراً پکار اٹھا "خیمے کے دروازے پر محافظوں کا افسر آج کون ہے۔"

جب اُس افسر نے اپنا نام بتایا تو خان نے حکم دیا "میں تجھے فلاں فلاں عورت بطورِ انعام کے بخشتا ہوں۔ اُسے اپنے خیمے کو لے جا۔"

اخلاقیات کے مسئلے وہ بالکل اپنے انداز میں حل کیا کرتا تھا۔ اُس کی ایک اور داشتہ تھی جس کے اس کے خانوادے اور ایک اور مغل سے تعلقات ہو گئے تھے۔ جب خان نے اس پر غور کیا تو دونوں میں سے کسی کو قتل نہیں کیا بلکہ دونوں کو اپنی پیشی سے دُور کر دیا اور یہ کہا "یہ میری غلطی تھی کہ ایسے ذلیل جذبات والی لڑکی میں نے اپنے لئے

چُھنی تھی۔"

اپنے بیٹوں میں سے وہ صرف اُن چاروں کو جو بورتہ کے بطن سے تھے اپنا وارث مانتا تھا۔ وہ اس کے منتخب ساتھی تھے۔ وہ ان کی نگرانی کرتا تھا اور اُن میں سے ہر ایک کے لیئے اُس نے ایک کہنہ مشق افسر کو استاد مقرر کیا تھا۔

اور جب وہ ان کی مختلف طبیعتوں اور مختلف طرح کی صلاحیتوں سے مطمئن ہو گیا۔ تو اُس نے اُن میں سے ہر ایک کو ارلوق (شاہین) کا خطاب دیا تھا۔ یہ خطاب شہنشاہی نژاد کا نشان تھا۔ تنظیم وعمل میں بہت کچھ کام ان شہزادوں کے سپرد تھا۔

جوجی جو سب سے بڑا بیٹا تھا میر شکار مقرر ہوا۔ مغل اب بھی اپنی زیادہ تر غذا شکار ہی سے فراہم کرتے تھے۔ چغتائی کو میر قانون و سزا مقرر کیا گیا۔ اوگدائی کو میر مشاورت، اور تُولی کو جو سب سے چھوٹا تھا اور جو برائے نام فوج کا سپہ سالارِ اعظم تھا، خان ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ یہ جوجی وہی تھا جس کے بیٹے نے تاتارانِ زرّیں خیل کے خانوادے کی بنیاد رکھی جس نے روس کو کچل دیا۔ چغتائی وہ تھا جسے وسط ایشیا ورثہ میں ملا اور جس کی اولاد میں ہندوستان کے عظیم مغلیہ خاندان کا بانی بابر تھا۔ تُولی وہ تھا۔ جس کے بیٹے قوبیلائی خان کی سلطنت بحیرۂ چین سے لے کر وسط یورپ تک پھیلی ہوئی تھی۔

نوجوان قوبیلائی چنگیز خاں کا بڑا چہیتا تھا۔ دادا کو اپنے اس پوتے پر بڑا فخر تھا "اس لڑکے قوبیلائی کی باتیں غور سے سُنو۔ یہ بڑی سمجھ بوجھ کی بات کرتا ہے۔"

جب چنگیز خاں ختا سے واپس لوٹا تو اُس کی نوعمر سلطنت کے مغربی نصف حصہ کی حالت بڑی خستہ ہو رہی تھی۔ وسط ایشیا کے طاقتور ترک قبیلے جو قراختائی سلطنت کے باجگذار تھے ایک بڑے طاقتور غاصب کے ساتھ مل گئے تھے۔ جس کا نام کوشلوک یا توچلوق تھا۔ یہ نائیمان کا شہزادہ تھا اور کچھ عرصہ قبل قرایت والی جنگ کے بعد مغلوں سے شکست کھا چکا تھا۔

کوشلوک نے دغا بازی کے ذریعے نفع اٹھایا تھا اور ترقی کی تھی۔ اُس نے مغربِ عظیم کی زیادہ طاقتور سلطنتوں سے ساز باز کر کے اپنے آقا اور میزبان قراختائی کے خان کو قتل کر دیا تھا۔ جب چنگیز خاں دیوارِ چین کے اس پار لڑائیوں میں مصروف تھا اس نے کار آمد قوم الیغور میں انتشار پھیلا دیا تھا اور المالیق کے عیسائی خان کو قتل کر دیا تھا جو مغلوں کا باجگذار تھا۔ مکریت جو ہمیشہ کے متلوّن مزاج تھا۔ اُردو کو چھوڑ کے اُس سے جا ملے تھے۔

قراقورم واپس آتے ہی چنگیز خاں نے کوشلوک کی جواں مرگ سلطنت کا، جو تبت سے سمر قند تک کے وسیع کہستانی سلسلوں میں پھیلی ہوئی تھی، قلع قمع کر دیا۔ اُردو تازہ گھوڑوں پر سوار ہو کے نائیمانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ قراختائی کا بادشاہ دھوکا کھا کے اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا اور تجربہ کار مغلوں کے ہاتھوں خوب پِٹا۔ سوبدائی بہادر کو ایک دستہ کے ساتھ علیحدہ بھیجا گیا کہ مکریتوں کو فرض شناسی کا سبق سکھائے جبی نویان کو دو تومان کی سرداری عطا ہوئی اور حکم ملا کہ کوشلوک کا تعاقب کر کے اُس کی لاش لے آئے۔

کوہستانوں میں جبی نویان نے کس کس طرح داؤ گھات سے وار کئے۔ اُن کی تفصیل یہاں بیان کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اس نے مسلمانوں کی حمایت اس طرح حاصل کی کہ کوشلوک کے علاوہ باقی تمام دشمنوں کے لئے معافی کا حکمنامہ سنایا۔ جنگ کی وجہ سے بدھ خانقاہوں کے دروازے عرصے سے بند تھے۔ اُس نے انہیں پھر سے کھلوا دیا۔ پھر اُس نے کوہستانِ پامیر پہ ایک سال تک قراختائیوں کے کوشلوک کا تعاقب کیا

ا؎ کوشلوک کی سلطنت میں وہ علاقہ شامل تھا جس کی بعد میں تیمور لنگ کی سلطنت کے قلب کی سی حیثیت تھی۔ نائیمانوں اور قراختائیوں کی شکست بڑے عظیم پیمانے پر جنگ و جدال کے بعد ہوئی لیکن متن میں ہم نے اس کا محض اشارتاً اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان لڑائیوں میں چنگیز خاں نے بنفسِ نفیس حصّہ نہیں لیا۔

یہاں تک کہ کوشلوک، مارا گیا اور اس اولوالعزم مغل نے اس کے سر کے ساتھ ایک ہزار سفید ناک والے گھوڑے جو وہ گویا سر راہ سے جمع کرتا جا رہا تھا چنگیز خاں کے پاس قراقورم بھجوائے۔

اگر اس کو اس پہلی جنگ میں شکست ہو جاتی تو یہ چنگیز خاں کے لئے بڑا مہلک واقعہ ہوتا لیکن اس فتح سے دو نتیجے برآمد ہوئے۔ ترک قبیلے تبت سے لے کر، پہاڑوں کے اس پار اور اس پار روس کی چراگاہوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان قبیلوں میں سے جو مغل علاقے کے قریب تھے وہ اردو میں شامل ہو گئے۔ شمالی ختا کے زوال کے بعد ایشیا کا توازنِ قوت انہیں خانہ بدوش ترکوں کے ہاتھ میں تھا۔ فاتح مغل ابھی تک اقلیت میں تھے۔

مندروں کے کھلنے سے چنگیز خاں کو نئی شان و شوکت میسر آئی۔ پہاڑی شہروں سے لے کر وادیوں کی خیمہ گاہوں تک سب کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے ختا کو فتح کیا ہے اور بدھ مت رکھنے والے ملکِ ختا کا عظیم ظل الٰہی اثر اس کی شخصیت سے وابستہ ہو گیا۔ شکست خوردہ قراختا کے ملاؤں کے لئے بھی کم سے کم یہ امر اطمینان بخش تھا کہ اب وہ طرح طرح کے محاصل سے آزاد تھے۔ تبت کی برف پوش چوٹیوں کے نیچے دنیا بھر کے مذہبی تعصب کے بدترین اکھاڑے میں بھکشو اور ملّا اور لاما سب ایک گھاٹ کا پانی پیتے تھے اور سب کو تنبیہ کی جا چکی تھی۔ اصلی سایہ یاسا کے قانون کا تھا۔ داڑھی والے ختائی خان کے قاصد بن کر اس فاتح کے نئے قانون پر خطبے دیتے تھے اور اس مذہبی افراتفری میں ایک طرح کا نظم و ضبط پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح وہ آہنی عزم والے مغولی بہادر کے زیر سایہ چین کی سرزمین کو پھر سے آرام اور چین پہنچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

ایک قاصد پویہ چال چلتا ہوا، قافلے کی شاہراہ پر گھوڑا دوڑاتا جبی نویان کو یہ

خوشخبری سنانے آن پہنچا۔ کہ ایک ہزار گھوڑے جو اُس نے خان کو بھیجے تھے پہنچ گئے۔ اور ساتھ ہی یہ پیغام سُنایا۔ "فتح کی وجہ سے مغرور نہ بننا"۔

جبی نویان پر اس نصیحت کا اثر ہُوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ وہ تبت کے کوہساروں میں سپاہیوں کو جمع کرتا رہا۔ وہ خوارزم واپس بھی نہیں پہنچ پایا۔ دُنیا کے ایک اور حصے میں اس کے لئے ابھی اور کام باقی تھا۔

اس دوران میں کوشلوک کی شکست کے بعد شمالی ایشیا پر امن کافوری اور قطعی سناٹا ایک پردے کی طرح چھا گیا۔ چین سے لیکر بحر جند (آرال) تک ایک ہی آقا کی حکومت تھی۔ بغاوت مسدود ہو چکی تھی۔ شاہ کے قاصد طول البلد کے پچاس پچاس درجے اپنے راہواروں پر طے کرتے اور کہا جاتا تھا کہ خانہ بدوشوں کی اس سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اگر کوئی دوشیزہ اپنے ساتھ تھیلا بھر سونا لئے چلی جائے تب بھی کوئی اس سے مزاحمت نہ کر پائے گا۔

لیکن اس انتظامی کاروبار سے بوڑھے فاتح کی پوری تشفی نہیں ہوتی تھی۔ اُسے چراگاہوں میں سرما کے شکاروں میں اب لطف نہیں آتا تھا۔ ایک دن خوارزم میں اپنے شامیانے میں اس نے محافظ دستے کے ایک سردار سے پوچھا کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ لطف کس بات میں آتا ہے۔

سردار نے ذرا سوچ کر جواب دیا۔ "کھلا میدان ہو، روز روشن ہو اور آدمی تیز گھوڑے پر سوار ہو اور ہاتھ پر شہباز بیٹھا ہو جو خرگوشوں کو گھڑ گھڑا دے"۔

چنگیز خان نے جواب میں کہا "نہیں، اپنے دشمنوں کو کچلنا، انہیں اپنے قدموں میں گرتے دیکھنا، اُن کے گھوڑے اور اُن کے سامان چھیننا، اُن کی عورتوں کا نالہ و بکا سننا، اس سے زیادہ اور کسی بات میں مزہ نہیں آتا"۔

یہ مالکِ تاج و تخت دنیا کے لئے عذابِ الیم بھی تھا۔ فتح کی نئی چال جو اُس

نے چلی۔ وہ بڑی مہیب تھی۔ اُس کا رُخ اب مغرب کی جانب تھا اور یہ واقعہ عجیب طرح پیش آیا۔

بارھواں باب

تیسرا حصّہ

صمصامِ اسلام

ابھی تک چنگیز خاں کی سلطنت کی حدیں مشرقی ایشیا تک محدود تھیں۔ اس نے اپنے صحراؤں میں پرورش پائی تھی اور متمدن دُنیا سے اُسے پہلی مرتبہ ختا میں سابقہ پڑا تھا۔

اور ختا کے شہروں سے وہ پھر اپنی آبائی زمینوں کی چراگاہوں کو واپس لوٹ گیا تھا۔ حال ہی میں کوشلوک والے واقعے، اور مسلمان تاجروں کی آمد و رفت سے ایشیا کے باقی نصف حصّہ کے متعلق معلومات حاصل ہوئی تھیں۔

اُسے اب معلوم تھا کہ اُس کی مغربی سرحد کے سلسلۂ کوہ کے اُس پار ایسی شاداب وادیاں تھیں جہاں کبھی برفباری نہ ہوتی تھی۔ وہاں ایسے دریا بہتے تھے جو کبھی منجمد نہ ہوتے۔ وہاں لاکھوں مخلوق ایسے شہروں میں رہتی تھی جو قراقورم اور ین کنگ سے بھی زیادہ پرانے تھے اور ان مغرب کی آبادیوں سے وہ قافلے آتے تھے جو اپنے ساتھ بڑی آبدار تلواریں، بہترین زنجیر دار زرہیں، سفید کپڑے اور سُرخ چمڑے، عنبر اور ہاتھی دانت فیروزے اور لعل لاتے تھے۔

یہ قافلے اُس تک پہنچنے کے لئے وسط ایشیا کی دیوارِ فاصل عبور کر کے آتے تھے۔ یہ دیوارِ فاصل کوہستانوں کا وہ پیچ در پیچ سلسلہ تھا جو "دُنیا کی چھت" تاغ دمبش کے قریب قریب شمال مشرق اور جنوب مغرب میں پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہ پہاڑی روک ازمنۂ ماقبل تاریخ سے اسی طرح قائم تھی۔ قدیم زمانے کے عرب اسی کو کوہِ قاف کہتے تھے۔ یہ وسیع

اور غیر آباد، پہاڑی سلسلہ گوبی کے خانہ بدوشوں، اور باقی دُنیا کے درمیان حائل تھا۔ وقتاً فوقتاً خانہ بدوش قوموں نے سلسلۂ کوہ کی اس فصیل کو عبور کیا تھا۔ ایسے وقتوں میں جب کہ اُن کے پیچھے مشرق کی اور زیادہ طاقتور قوموں نے انہیں نکال بھگایا تھا۔ اس سلسلۂ کوہ کے اُس پار رہو نی اور آوارہ قومیں بھی گئی تھیں مگر پھر پلٹ کر واپس نہیں آئیں۔

وقتاً فوقتاً یہ بھی ہُوا تھا کہ مغربی فاتح اِس پہاڑی سلسلے کے اُس پار تک کی سرحد عبور کر لیتے۔ سترہ سو سال پہلے ایران کے بادشاہ اپنی زرہ پوش سوار فوج کے ساتھ ان پہاڑوں کے مغرب میں دریائے سندھ اور سمرقند تک آن پہنچے تھے۔ اور اُن علاقوں تک جہاں تاغ دمبش کی قدرتی فصیلیں نظر آتی ہیں۔ اس کے دو سو سال بعد نڈر اسکندر اعظم اپنے یونانی دستوں کے ساتھ اتنی ہی دُور تک گھس آیا تھا۔

قصہ مختصر یہ سلسلہ ہائے کوہ بہت بڑے پیمانے پر برّ اعظم ایشیا کو تقسیم کرتے تھے۔ ایک حصے میں چنگیز خاں کے صحرا نورد رہتے تھے اور دوسرے حصے میں مغرب کی وادیوں میں رہنے والے جن کی سرزمین کو اہلِ ختا "تانسین" یا دُور کا علاقہ کہتے تھے۔

ایک قابل چینی سپہ سالار ایک مرتبہ ان تنہا کوہساروں تک اپنی فوج لے آیا تھا لیکن ان پہاڑوں کے اُس پار جنگ کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی تھی۔

اب جبی نویان نے جو مُغل ارخانوں میں سب سے زیادہ تیز و تند تھا اس پہاڑی سلسلے کے قلب میں پڑاؤ ڈالا تھا اور جوجی مغرب کی طرف گردش کرتا کرتا قپچاق قبیلوں کے گھاس سے لدے ہوئے میدانوں میں جا پہنچا تھا۔ انہوں نے دو ایسے راستوں کی اطلاع بھیجی تھی جو اس پہاڑی سلسلے کے اُس پار پہنچتے تھے۔

فی الوقت چنگیز خاں کو تجارت سے دلچسپی تھی۔ وسط ایشیا کے اُس پار مسلمان قوموں کے مصنوعات، خصوصاً اُن کے ہتھیار سیدھی سادی زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کے لئے بڑی شوکت اور امارت کی چیزیں سمجھے جاتے تھے۔ اس نے اپنی سرزمین کے تاجروں کی، جن میں اُس کی مسلمان رعایا کے افراد بھی شامل تھے ہمّت افزائی کی کہ وہ مغرب کی طرف تجارتی قافلے بھیجیں۔

اُسے معلوم ہوا کہ مغرب میں اس کا قریب ترین ہمسایہ خوارزم شاہ ہے، جس نے خود ایک بہت بڑی سلطنت فتح کی ہے۔ چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کے پاس قاصدوں کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا۔

"میں تجھے پیامِ تہنیت بھیجتا ہوں۔ میں تیری طاقت اور تیری سلطنت کی عظمت اور وسعت سے آگاہ ہوں۔ میں تجھے اپنا عزیز فرزند سمجھتا ہوں۔ اپنی جگہ تجھے بھی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے چین اور بہت سی ترک قوموں کو فتح کیا ہے۔ میرا ملک سپاہیوں کی خیمہ گاہ ہے، چاندی کی کان ہے اور مجھے اور نئے علاقوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کا برابر فائدہ اسی میں ہے کہ میری اور تیری رعایا کے درمیان تجارت کے تعلقات بڑھائے جائیں۔"

اُس وقت کے مغل کے نقطۂ نظر سے یہ پیغام بڑا ہی نرم تھا۔ خطا کے آنجہانی شہنشاہ کو چنگیز خاں نے جو پیغام بھیجا تھا۔ خالص اشتعال انگیز حقارت پر مبنی تھا۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو اُس نے تجارت کا سیدھا سادا دعوت نامہ بھیجا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ کو اپنا فرزند کہنا اُس کی سبکی کرنا تھا کیونکہ ایشیا میں اپنے باجگذاروں کو اس خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اُسی طرح مفتوح تُرک قبیلوں کا ذکر بھی ذرا ناگوار تھا کیونکہ شاہ خود تُرک تھا۔

خان کے قاصد شاہ کے لئے بیش قیمت تحفے لائے —— چاندی کی سیخیں،

بیش قیمت جیڈ، سفید اونٹوں کے اُون کے لبادے، لیکن کانٹا کھٹک ہی گیا۔ شاہ نے پوچھا "چنگیز خاں ہے کون؟ کیا اُس نے سچ مچ چین کو فتح کر لیا ہے؟"

قاصدوں نے عرض کی کہ ہاں یہ صحیح ہے۔

"کیا اُس کی فوجیں میری فوجیں اتنی کثیر ہیں"۔ شاہ نے پھر یہ سوال کیا۔

قاصد مسلمان تھے، مغل نہیں تھے۔ انہوں نے بڑی مصلحت بینی سے اس سوال کا جواب مبہم طور پر یوں دیا کہ خان کے لشکر کا اور اُس کے لشکر کا کوئی مقابلہ نہیں۔ شاہ مطمئن ہو گیا، اور اس نے تاجروں اور سامانِ تجارت کا تبادلہ منظور کر لیا۔ ایک آدھ سال معاملہ ٹھیک رہا۔

اِس عرصہ میں چنگیز خاں کی شہرت دوسرے مسلم ملکوں تک پہنچی۔ خلیفۂ بغداد اِسی خوارزم شاہ کی تعدی سے ہراساں تھا۔ خلیفہ کو لوگوں نے سمجھایا کہ چین کی سرحد پر یہ جو خان ہے یہ اُس کی مدد کر سکتا ہے۔ بغداد سے قراقورم کو ایک قاصد بھیجا گیا اور چونکہ وہاں تک پہنچنے کے لئے خوارزم شاہ کے علاقوں سے ہو کر گذرنا ضروری تھا۔ اسی لئے کچھ احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں۔

تاریخوں کا بیان ہے کہ اس قاصد کا منصب اور پیغام اُس کے سر کے بال مونڈ کر سر کی جلد پر باریک قلم سے لکھا گیا تھا۔ اُس کے بعد بال بڑھ گئے اور قاصد کو اُس کا پیغام رٹا دیا گیا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہوا۔ خلیفہ کا قاصد مغل خان کے دربار پہنچ گیا۔ پھر سے اُس کے سر کے بال مونڈے۔ اُس کا منصب شناخت کیا گیا اور اُس کا پیغام سُنا گیا۔

چنگیز خاں نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ چونکہ قاصد اکیلا آیا تھا اور چونکہ اس نے بڑی منت سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اس لئے خان پر اس کا اچھا اثر نہیں ہوا اور پھر خوارزم شاہ سے تجارتی معاہدہ بھی تھا۔

لیکن اس مغل نے تجارت کا جو تجربہ شروع کیا تھا وہ بکلخت ختم ہو گیا۔ شاہ کے ایک مغربی سرحدی قلعہ اترار کے قلعہ دار انیل جق نے خوارزم کے کئی سو تاجروں کے ایک قافلے کو گرفتار کر لیا۔ انیل جق نے اپنے آقا کو یہ اطلاع بھیجی کہ تاجروں میں کئی جاسوس تھے ــــ بہت ممکن ہے کہ واقعہ بھی یہی ہو۔

محمد خوارزم شاہ نے بلا زیادہ سمجھے بوجھے قلعدار کو حکم بھیجا کہ تاجروں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ تمام تاجر قتل کر دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد اس کی اطلاع چنگیز خاں کو ہوئی جس نے احتجاج کرنے کے لئے شاہ کے پاس قاصد بھیجے۔ محمد خوارزم شاہ کو یہی سوجھی کہ قاصدوں کے امیر کو قتل کر دے اور باقیوں کی داڑھیاں جلا دے۔

جب اس کی سفارت کے باقی ماندہ لوگ چنگیز خاں کے پاس واپس پہنچے تو گوبی کا آقا ایک پہاڑ پر چڑھا کہ وہاں اکیلا اس معاملے پر غور کرے۔ مغل قاصد کے قتل کی سزا دینی ضروری تھی۔ رسم یہی تھی کہ زیادتی کی جائے تو اُس کا بدلہ ضرور لینا چاہیئے۔

خان نے اعلان کیا "نہ آسمان پر دو سورج چمک سکتے ہیں، نہ زمین پر دو خاقان ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔"

اب سچ مچ گوبی کے ہساروں میں جا بجا ہرکارے دوڑائے گئے۔ چابک سواروں نے صحراؤں میں گشت کر کر کے اردو کے جھنڈوں کے تلے سپاہیوں کو طلب کرنا شروع کیا۔ اس مرتبہ شاہ کو ایک مختصر اور ڈراؤنا پیغام بھیجا گیا۔

"تُو نے جنگ کا انتخاب کیا ہے۔ اب جو ہونا ہے وہ ہوگا۔ اور کیا ہوگا۔ ہمیں معلوم نہیں۔ صرف خدا کو معلوم ہے۔"

اِن دو فاتحوں کے درمیان جنگ چھڑنی لازمی تھی۔ اب وہ چھڑ چکی تھی۔ لیکن مغل زیادہ محتاط تھا۔ اس نے جنگ تب شروع کی تھی جب کہ دوسرے نے اس کی وجہ

فراہم کی تھی۔

یہ سمجھنے کے لئے کہ چنگیز خاں کو کن حالات کا سامنا کرنا تھا۔ آیئے پہاڑوں کے اُس پار کی دُنیا دیکھیں، دُنیائے اسلام اور خوارزم شاہ کی سلطنت۔

یہ دُنیا صاحب سیف و قلم تھی، اسے گانا سننے اور سمجھنے کا ہنر بھی آتا تھا۔ اس دنیا میں اندرونی کشمکشیں اور مصیبتایں بھی تھیں، یہاں دولت پیدا کی جاتی تھی۔ غلامی کا رواج تھا، اور بعض علاقوں میں سازش اور بدی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں حکومت راشیوں اور زبردستی محصول وصول کرنے والوں کے ہاتھ میں تھی۔ عورتیں خواجہ سراؤں کی حفاظت میں تھیں لیکن ضمیروں میں اب بھی اللہ کا خوف تھا۔

مختلف فرقے قرآن مجید کی مختلف تفسیریں اور توجیہیں کرتے تھے۔ اس دنیا میں ناداروں کو زکواۃ دی جاتی تھی۔ صفائی اور پاکیزگی کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ روشن صحنوں میں مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور امیر غربا کا بڑا خیال اور لحاظ رکھتے تھے۔ اپنی عمر میں کم از کم ایک مرتبہ ہر شخص زیارت بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ کا سفر کرتا تھا۔ اس زیارت میں امیر غریب سب دوش بدوش مساوات کے ساتھ شریک ہوتے۔ اُن کا عقیدہ اور زیادہ قوی ہو جاتا اور جب وہ گھر واپس آتے تو وہ زائرین کی کثرت اور دنیائے اسلام کی عظمت اور وسعت سے متاثر ہو کے واپس آتے۔

کئی سو سال پہلے اُن کے نبی نے جو مشعل فروزاں کی تھی اس کی روشنی عربوں نے دُور دُور تک پہنچائی۔ اُس کے بعد مختلف اسلامی اقوام نے بہت سی فتوحات مل جُل کر حاصل کیں۔ اسلامی عساکر کی پہلی فوج اُن کو ہسپانیہ، پورے شمالی افریقہ، مصر اور صقلیہ تک لے گئی۔ وقت گذرنے پر مسلمانوں کی عسکری طاقت عربوں کے بجائے ترکوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی لیکن عربوں اور ترکوں نے مل کر نصرانیوں کی اُن زرہ پوش

فوجوں کا مقابلہ کیا جو اُن سے یروشلم چھیننے کے لئے صلیبی جنگوں میں بار بار مغرب سے آتی تھیں۔ تیرھویں صدی میں اسلامی دُنیا کی عسکری طاقت اپنے پورے عروج پر تھی۔ صلیبی جنگجوؤں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور انہیں ارضِ مقدس کے ساحلوں تک واپس دھکیلا جا چکا تھا۔ ترکوں کی پہلی فوج نے زوال آمادہ یونانی قیصریت سے ایشیائے کوچک کا بڑا حصّہ چھین لیا تھا۔

بغداد میں عباسی خلفاء جو امیر المومنین کہلاتے تھے اب بھی ہارون الرشید اور البرامکہ کے زمانے کی شوکت وسطوت کا چراغ جلائے رکھتے تھے۔ فنونِ لطیفہ میں شاعری اور موسیقی کا خاص طور پر رواج تھا۔ حاضر جوابی سے قسمتیں بن جاتی تھیں۔

عمر خیام جو بڑا صاحبِ نظر منجم تھا اُس نے یہ رباعی لکھی ہے :۔

قرآں کہ مہیں کلام خوانند اُو را

گہ گاہ نہ بر دوام خوانند اُو را

در خطِّ پیالہ آئتے ہست مقیم

کاندر ہمہ جا مدام خوانند اُو را

لیکن عمر خیام جیسا مفکّر بھی اسلامی عسکریت کی شان وشوکت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا

ہر جا کہ گلے و لالہ زارے بُود است

از سرخیِ خونِ شہر یارے بُود است

عمر خیام اپنی رباعیاں لکھتے لکھتے اضطراب اور مایوسی کے عالم میں ذرا اوک کے جمشید کے دربار اور محمود غزنوی کے تختِ طلائی کے متعلق سوچ لیا کرتا۔ کبھی کبھی وہ جنت کے تصوّر کے متعلق بھی خیال آرائی کرتا۔

عمر خیام اور ہارون الرشید کو مرے عرصہ ہو چکا تھا لیکن محمود غزنوی کی اولاد اب بھی شمالی ہند پر حکمران تھی۔ خلفائے بغداد کو اب دُنیا کی زیادہ سمجھ بوجھ ہو گئی تھی اور وہ بجائے فتوحات کے سیاسیات کی طرف زیادہ توجّہ کرتے تھے۔ اب بھی اسلامی مجاہدین میں یہ جذبہ موجود تھا۔

کہ آپس کے جھگڑے بھول کے اپنے دین و ایمان کے دشمن کے مقابلے میں متحد ہو جائیں اب بھی ان مجاہدین کی شوکت اور اولوالعزمی کا وہی حال تھا جو ہارون الرشید کے زمانے میں تھا جبکہ الف لیلہ کی روائتوں کے مطابق وہ اپنے ساقیوں سے مزاح کیا کرتا تھا۔

جنگجو بادشاہوں کے یہ نام لیوا بڑی زرخیز سرزمین پر آباد تھے۔ جہاں درخت پوش پہاڑوں سے نکلی ہوئی ندیاں صحرا کی ریت اور مٹی کو سیراب کر کے اُس سے بافراط غلہ اور میوے اُگاتیں یہاں آفتاب کی حرارت سے ذہانت تیز ہوتی تھی اور عیش پسندی کا میلان بڑھتا تھا۔ ہوشیار کاریگر اسلحہ بناتے۔ ان ہتھیاروں میں ایسی چمکیلی تلواریں تھیں جو لچک کے دوہری ہو سکتی تھیں ڈھالیں تھیں جن پر نقرئی کام منقش ہوتا۔ زنجیر دار زرہیں اور فولاد کے ہلکے ہلکے خود تھے۔ یہ لوگ تیز رفتار بلند نسل گھوڑوں پر سواری کرتے مگر یہ گھوڑے جلدی تھک جاتے تھے۔ آتش نفط اور یونانی آگ کے استعمال کے اسرار سے یہ واقف تھے۔

ان کی تفریح کے بہت سے سامان تھے ایک شاعر کے الفاظ میں: "شعر اور نغمہ اور موسیقی، بہتی ہوئی لذیذ شراب، اور شطرنج اور شکار، شہباز اور تیز چیتے، گوے و چوگان، و ربابِ میدانِ جنگ اور لاجواب ضیافتیں، گھوڑے اور ہتھیار۔ فیاضی کی زندگی، خدا کی حمد و ثنا اور اس کی عبادت۔"

دارالاسلام کے قلب میں اس وقت علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ امیر جنگ کی حیثیت سے متمکن تھا۔ اُس کی سلطنت ہندوستان سے بغداد تک، بحیرۂ خوارزم سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ دارالاسلام میں، سلجوق ترکوں کے علاوہ جنہوں نے صلیبی محاربین کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی اور مصر کے مملوکوں کے سوا سب پر اُس کی حکومت مسلّم تھی۔ شہنشاہ وہی تھا اور خلیفۂ بغداد کی، جو اس سے لڑ چکا تھا مگر اس کی طاقت کے آگے ہار گیا تھا، وہی حیثیت رہ گئی تھی جو پوپ جیسے مذہبی پیشوا کی ہوتی ہے۔

خوارزمیوں کا شہنشاہ علاء الدین محمد بھی چنگیز خاں کی طرح ایک خانہ بدوش قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد سلجوقِ اعظم ملک شاہ کے غلام اور رسالہ بردار رہ چکے

تھے۔ وہ اور اُس کے اتابک سوار سب کے سب ترک تھے۔ وہ سچا تورانی سپاہی تھا۔ عسکریت اُس کی جبلّت میں تھی۔ سیاسی نکتوں کی تہ تک وہ آسانی سے پہنچ جاتا اور اُس کے تحمل کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ وہ سفاک بھی بہت تھا اور وقتی جذبے کی تسلی کے لئے اپنے ساتھیوں کو اکثر قتل کرا دیتا۔ کسی بزرگ سید کو قتل کر دیتا اور پھر خلیفۂ بغداد سے شفاعت کی دعا مانگنے کی درخواست کرتا۔ اگر خلیفہ اس کی بات نہ مانتا تو اس سے باغی ہو کے کسی اور کو خلیفہ بنانے میں بھی اُسے دریغ نہ تھا۔ اسی طرح کے ایک جھگڑے کی وجہ سے بغداد سے چنگیز خاں کے پاس ایلچی بھیجا گیا تھا۔

خوارزم شاہ کو ملک گیری کی ہوس بھی بہت تھی، اور خوشامد پسند بھی تھا۔ غازی کے خطاب سے وہ بڑا خوش ہوتا اور اس کے درباری شاعر قصیدوں میں اُسے اسکندر ثانی کہتے۔ اپنی ماں کی سازشوں کو اُس نے بڑی تعدّی کے ساتھ فرو کیا اور اپنے وزیر مدار المہام سے ہمیشہ اُلجھتا رہتا۔

اُس کی چار لاکھ نبرد آزما فوج کا قلب خوارزمی تُرکوں پر مشتمل تھا لیکن وہ جب چاہتا ایران سے بھی فوج طلب کر سکتا تھا۔ وہ جہاں جاتا، جنگی ہاتھیوں، قطار در قطار اشتروں اور مسلح غلاموں کی جم غفیر کی صفیں اس کے ہم رکاب رہتیں۔

لیکن اس کی سلطنت کی اصلی پشت پناہ بڑے بڑے شہروں کی وہ کڑی تھی جو دریاؤں کے کنارے پھیلی ہوئی تھی۔ بخارا جو اپنے مدرسوں اور اپنی مساجد کی وجہ سے دنیائے اسلام کا مرکز تھا۔ سمرقند جو اپنی بلند بالا دیواروں اور باغوں اور تفرج گاہوں کی وجہ سے مشہور تھا اور بلخ اور ہرات جو خراسان کے قلب میں واقع تھے۔

چنگیز خاں اس دُنیائے اسلام سے، اس کے حوصلہ مند شاہ، اس کے کثیر عساکر، اُس کے عظیم الشان شہروں سے قریب قریب ناواقف تھا۔

تیرھواں باب

مغرب کو یلغار

مسلمان ترکوں کے مقابلے میں فوج کشی سے پہلے چنگیز خاں کو دو مسائل حل کرنا تھے۔ جب اس نے ختا کی فتح کے لئے پیش قدمی کی تھی وہ اپنے ساتھ اپنے سارے حلیف صحرائی قبیلوں کو لیتا گیا تھا۔ اب کئی سال کے لئے اُسے اپنی نئی فتح کی ہوئی سلطنت کو چھوڑ کے جانا تھا، ابھی ابھی اس نئی سلطنت کی تنظیم ہوئی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ اس سلطنت پر کوہستان کے سلسلے کے اُس پار سے حکومت جاری رہے۔

اس مسئلے کو اُس نے اپنے طریقے پر حل کیا۔ مقولی، ختا کو آگ اور تلوار کے زور سے رو کے ہوئے تھا۔ لیاؤ کے شہزادے اپنے عقب میں نظم و ضبط قائم کرنے میں مصروف تھے۔ چنگیز خاں نے اپنے دیگر مقبوضہ علاقوں میں سے ایسے صاحب خاندان اور ملک گیری کی ہوس رکھنے والے معززین کی فہرست بنائی۔ جن سے اس کا اندیشہ تھا کہ اس کے غائبانے میں شورش کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک مغل قاصد کے ذریعے چاندی کی تختی پر اُردو میں حاضر ہونے کا حکم نامہ بھیجا گیا۔ اس بہانے کہ اُسے اُن کی خدمات کی ضرورت ہے۔ چنگیز خاں انہیں اپنے ساتھ سلطنت کے باہر یورش کے لئے لیتا گیا۔

وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ خود کہیں بھی رہے زمامِ حکومت اُسی کے ہاتھ میں رہے۔ قاصدوں کے ذریعے وہ گوبی میں خانوں کی مجلسِ مشاورت سے رسل و رسائل کا سلسلہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک بھائی کو قراقورم کا گورنر بنا کے پیچھے چھوڑا۔

جب یہ مسئلہ حل ہو چکا تھا تو دوسرا اور اُس سے زیادہ ٹیڑھا مسئلہ درپیش تھا کہ ڈھائی لاکھ سپاہیوں کے اردو کو جھیل بیکال سے .... کس طرح وسط ایشیا کے اُونچے کہساروں کے اُس پار ایران تک پہنچایا جائے۔ کوے کی اڑان کے حساب سے بھی یہ کوئی دو ہزار میل کی مسافت تھی۔ یہ علاقہ ایسا تھا کہ آج بھی مسافر مسلّح قافلے کے ساتھ ہی اس علاقے میں سفر کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ آج کل کی فوج اگر اتنی ہی کثیر تعداد میں ہو تو اس یلغار میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اُسے کوئی شک نہیں تھا کہ اس کا اردو کامیابی سے اس مسافت تک یلغار کر سکے گا۔ اُردو کو اس نے ایک ایسی فوجی طاقت میں ڈھال دیا تھا کہ وہ زمین پر ہر کہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس فوج کے نصف حصّہ کو دوبارہ گوبی کو دیکھنا نصیب نہ ہو سکا لیکن اُس کے بعض مغل طول البلد کے نوّے درجوں کا چکر کاٹ کے پھر واپس لوٹ آئے۔

۱۲۱۹ء کے موسمِ بہار میں جنوب مغرب کی ایک ندّی کے کنارے کی چراگاہوں میں اردو کو مجتمع ہونے کا حکم صادر کیا۔ یہاں مختلف سپہ سالاروں کی سرکردگی میں اُس کے تومان اکٹھے ہوئے۔ ایک ایک سوار کے جلو میں چار پانچ گھوڑے تھے۔ مویشیوں کے بڑے بڑے گلّے چراگاہوں میں ہانک دیئے گئے اور گرمیوں کی ہری بھری گھانس چر چر کے موٹے ہوتے رہے۔ خان کا سب سے چھوٹا بیٹا اعلیٰ سپہ سالار کا عہدہ سنبھالنے آگیا اور رت جھڑ کے شروع میں بنفسِ نفیس چنگیز خاں کی سواری قراقورم سے آئی۔

اُس نے اپنے خانہ بدوش سلطنت کی عورتوں کو یوں مخاطب کیا "تم ہتھیار تو نہیں سنبھالو گی البتہ تمہارے ذمّے ایک اور فرض ہے۔ یورتوں میں اچھی طرح خانہ داری کرنا کیونکہ جب سپاہی لڑ کے واپس لوٹیں تو قاصدوں اور سفر کرنے والے نوئین سرداروں کو رات گذارنے کے لیئے صاف ستھری جگہ اور اچھا کھانا مل سکے۔ بیوی سپاہی کی اسی طرح عزت کر سکتی ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لشکر کی طرف جاتے جاتے اُسے یہ خیال بھی آیا کہ وہ اس جنگ سے زندہ لوٹ کے نہ آئے گا۔ درختوں کے ایک خوبصورت سے جنگل میں صنوبروں کے ایک اونچے جھنڈ کے قریب سے گذرتے ہوئے اس نے کہا "یہ جگہ ہرنوں کے شکار کے لئے اچھی ہے اور بوڑھے کے آرام کرنے کے لئے بھی بہت مناسب ہے۔"

اُس نے حکم دیا کہ اس کی موت پر اُس کا مجموعۂ قوانین "یاسا" باآوازِ بلند پڑھا جائے اور سب اُس کے احکام کی بنا پر زندگی بسر کریں۔ اردو اور اُردو کے افراد سے اس نے کچھ اور بھی کہا:۔

"میرے ساتھ چلو اور زور آزمائی سے اُس شخص کو نیچا دکھاؤ جس نے ہمیں ذلیل کیا ہے۔ تم فتح میں میرے شریک ہو گے۔ دس سپاہیوں کا سردار ہو یا دس ہزار کا، سب پر اطاعت برابر برابر فرض ہے جو اپنے فرض سے غفلت کرے گا موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور اس کی عورتوں اور بچوں کا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔"

اپنے بیٹوں اور اور خونوں اور مختلف سرداروں سے مشاورت کرنے کے بعد خان نے سوار ہو کے اپنے اُردو کے مختلف دستوں کا معائنہ کیا۔ اب اس کی عمر چھپن سال کی تھی۔ اُس کے چوڑے چہرے پر جا بجا جھریاں پڑ گئی تھیں۔ اُس کی جلد سخت ہو چلی تھی۔ وہ اپنے تیز رفتار سفید گھوڑے کی چوٹی دار زین پر، چھوٹی چھوٹی رکابوں میں پیر جمائے، گھٹنے اٹھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی اوپر کی طرف اُٹھی ہوئی سفید سموری ٹوپی میں باز کے پر لگے ہوئے تھے۔ اُس کے دونوں کانوں پر سُرخ کپڑے کی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں، جیسے کسی جانور کے سینگ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا اصلی مصرف تیز ہوا میں ٹوپی کو مضبوط باندھنا تھا۔ اُس کا لمبی آستینوں والا چرمی لبادہ سونے کی پٹیوں یا سنہری اطلس کے کمربند سے بندھا ہوا تھا۔ بغیر زیادہ بات چیت کئے وہ آراستہ دستوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھتا چلا گیا۔ اردو پہلے کے مقابلے میں اب

ساز و سامان سے زیادہ آراستہ تھا۔ طوفانی دستوں کے گھوڑے سُرخ یا سیاہ منقش چمڑے کی زرہوں میں محفوظ تھے۔ ہر سپاہی کے پاس دو کمانیں تھیں اور ایک ایک فالتو ترکش، تاکہ اگر تنی زیادہ ہو تو کام آسکے۔ اُن کے خود ہلکے اور بڑے کار آمد تھے اور خود کے نیچے چمڑا لگا ہوا تھا، جس پر لوہے کی گھنڈیاں لگی تھیں تاکہ پیچھے گردن کی حفاظت ہو سکے۔

ڈھالیں صرف چنگیز خاں کے محافظ دستے کے پاس تھیں۔ بھاری سوار فوج کے پاس تلواروں کے سوا، پیٹیوں سے جنگی کلہاڑے اور کمندیں لٹک رہی تھیں۔ بعض کے کمربندوں میں منجنیقیں کھینچنے یا کیچڑ میں دھنسی ہوئی گاڑیاں نکالنے کے لئے رسیاں تھیں۔ دوسرا سامان بہت مختصر اور صرف بقدرِ ضرورت تھا ــــ چمڑے کی تھیلیاں گھوڑے کے چارے کے لئے اور سپاہی کے لئے صرف ایک پیالہ، موم اور تیروں کے پھل تیز کرنے کے لئے پتھر اور کمانوں کے لئے کچھ فالتو تانت۔ کچھ دنوں بعد ہر آدمی کے لئے نازک موقع جنگ کے لئے خوراک و رسد کا انتظام تھا ــــ دھواں دیا ہوا گوشت، اور جمے ہوئے دودھ کے سوکھے ٹکڑے۔ اس جمے ہوئے دودھ کو پانی میں ڈال کے جوش دیا جا سکتا تھا۔

ابھی تک تو وہ سیدھے سادے راستے پر سفر کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ بہت سے چینی تھے اور ایک نیا دستہ بھی تھا۔ یہ بظاہر دس ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اُس کا سردار ایک چینی تھا، جس کا عہدہ "کا پاؤ یو" (توپ خانے کا امیر) تھا۔ اُس کے سپاہیوں کو محاصرہ کے لئے منجنیقیں، آگ پھینکنے کے ڈھانچے بنانے کا ہنر خوب آتا تھا۔ منجنیقیں اور اس قسم کی دوسری مشینیں پوری کی پوری انہیں منتقل کی جا رہی تھیں، ان کے ٹکڑے الگ الگ تھے اور چھکڑوں میں لے جائے جا رہے تھے۔ وہ گئی ہو پاؤ یا آگ پھینکنے کی مشین، اس کی کارگذاری ہم آگے چل کے دیکھیں گے۔

یہ لشکر مویشیوں کے ریوڑوں کو ہنکاتا ہوا، چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلوں میں آہستہ آہستہ گھستا چلا گیا۔ اس کی تعداد دو لاکھ سے اوپر تھی اور اس تعداد کو ایک ساتھ رکھنا بڑا مشکل تھا کیونکہ اس کی خوراک کا انتظام مویشیوں کے ریوڑ یا زمین کی پیداوار سے ہوتا تھا۔ چنگیز خاں کے سب سے بڑے بیٹے جوجی کو دو تُومانوں کا سردار بنا کے لشکر سے الگ کیا گیا تھا اور جبی نویان سے جا ملنے کے لئے طیان شان کے سلسلۂ کوہ کے اُس پار بھیجا گیا۔ باقی فوج پھیل گئی اور وادی وادی سفر طے کرنے لگی۔

یلغار کے شروع میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ منجّم شک میں پڑ گئے۔ وقت سے پہلے برفباری شروع ہو گئی۔ خان نے لیو چتسائی کو بلوا بھیجا اور اس سے کہا کہ اس کا کیا شگون ہے۔

چتسائی نے جواب دیا "اس سے یہ شگون نکلتا ہے کہ سرد اور سرمائی سرزمینوں کا آقا گرم ملکوں کے تاجدار پر فتح پائے گا"۔

اُس سرما میں ختائی دستے کو بڑی تکلیف ہوئی ہو گی۔ ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی تھے جو بیماریوں کے علاج کے لئے جڑی بوٹیوں کو جوش دے کے حل کر سکتے تھے۔ جب کسی خیمے کے آگے نیزہ اس طرح گڑا ہوتا کہ اُنی نیچے گڑی ہوئی ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ اس خیمے میں کوئی مغل بیمار ہے۔ علاج کے لئے جڑی بوٹیوں اور ستاروں کے ان ماہروں کو فوراً طلب کیا جاتا۔ فوج کے ساتھ اور بھی کئی لوگ تھے جو لڑائی میں حصّہ نہیں لے رہے تھے، ان میں مترجم تھے، ایسے تاجر تھے جن سے آگے چل کے جاسوسی کا کام لیا جانے والا تھا، عمّال تھے تاکہ مفتوحہ صوبوں کا انتظام کر سکیں۔ کسی معاملے میں بھول نہیں کی گئی تھی۔ ہر ہر تفصیل کا اپنی جگہ لحاظ رکھا گیا تھا۔ ایک افسر محض اسی لئے مقرر تھا کہ گم شدہ اشیا کی حفاظت کرے۔

اِس کا انتظام تھا کہ اسلحہ پر جو آب تھی اُس پر زنگ نہ لگے۔ زینوں پر پالش



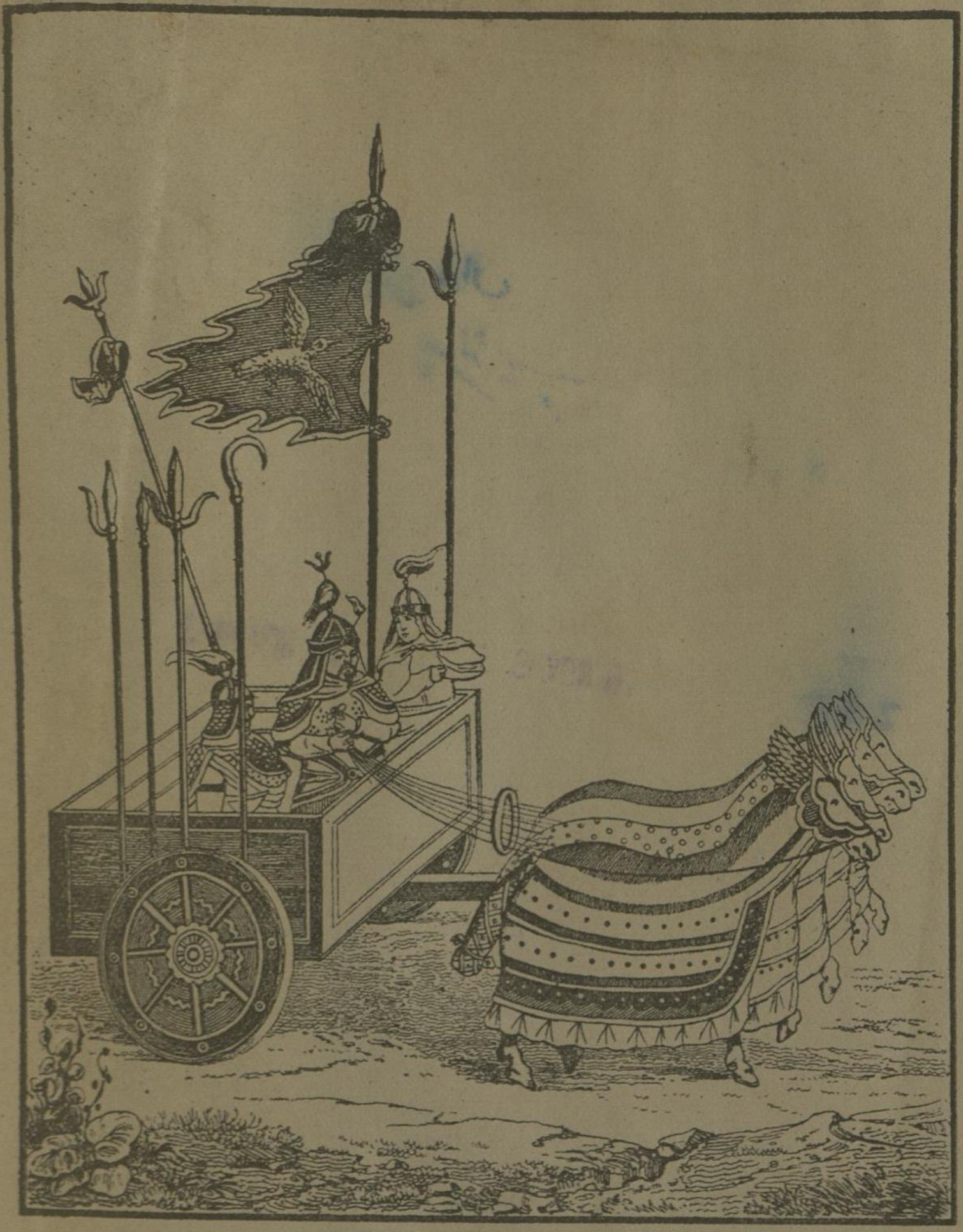
تیر اندازی

ایک چینی تصویر جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ چنگیز خاں کے
خلاف کس قسم کا اسلحہ اور ہتیار استعمال ہوتے تھے -





دربار ختا ، سترھویں صدی کے ایک مصور کا تصور۔



جنگی رتھ ، جو چینیوں نے چنگیز خاں کے خلاف استعمال کی -

ہوتی رہے ۔ ہتھیلیاں بھری رہیں۔ صبح کا نقارہ کوچ کے لئے بجایا جاتا، پہلے مویشیوں کے ریوڑ کو ہنکایا جاتا، پیچھے پیچھے سپاہی چھکڑوں کے ساتھ چلتے۔ شام تک پھر ریوڑوں کے پاس پہنچ جاتے اور ذمہ دار افسر کا نشان نصب کیا جاتا ۔ اس کے اطراف خیمے لگائے جاتے اور سپاہی اپنے اپنے یورت چھکڑوں یا اونٹوں پر سے اتار لیتے ۔

راستے میں کئی ندیاں پار کی گئیں ۔ آگے آگے بیس یا اس سے زیادہ گھوڑوں کی قطار کو زین کے تسموں اور زنجیروں سے ایک ساتھ باندھ دیا جاتا اور یہ پہلے دھارے کے مقابلے میں بڑھتے ۔ کبھی کبھی سواروں کو گھوڑوں کی دمیں پکڑ کے تیرنا پڑتا ۔ درخت کی شاخ چمڑے کے ساز میں گھسیٹر کے تسموں سے باندھ دی جاتی تاکہ تیرتی رہے اور پھر سپاہی اس کو اپنی کمر کی پیٹی سے باندھ لیتا ۔ کچھ دنوں بعد دریا جم گئے اور برف کے اوپر سے دریاؤں کو عبور کیا جانے لگا ۔

ہر چیز یہاں تک کہ ریت کے ٹیلے اور بنجر زمین برف سے ڈھکی ہوئی تھی ۔ ایلی کے سوکھے ہوئے بھورے بھورے درخت ہوا کے جھکڑوں میں ناچنے لگتے ۔ جیسے وہ بوڑھوں کے بھوت ہوں ۔ راستوں پر بارہ سنگھوں اور جنگلی بھیڑوں کے سینگ برف میں دھنسے ہوئے نظر آتے ۔

جوجی کے دستے جنوب کی طرف مڑ گئے اور سات ہزار فیٹ اونچے دروں سے گذر کر نیچے "پی لو" یا شمالی شاہراہ تک پہنچ گئے جو طیان شان کے آگے ہے ۔

یہ ایشیا کی قدیم ترین تجارتی شاہراہوں میں سے ہے ۔ یہاں انہیں بالدار اونٹوں کی قطاریں کی قطاریں ملیں ۔ یہ اونٹ منہ سے لے کر دم تک بندھے ہوئے تھے اور آہستہ آہستہ چلنے میں ان کی زنگ آلود گھنٹیاں بھی ساتھ ساتھ بجتی جاتی تھیں ۔ ایسے سینکڑوں اونٹ غلے اور کپڑے اور ایسے ہی سامان سے لدے ہوئے تھے ۔ قافلے کے پیچھے پیچھے بس کوئی چھ سات آدمی ہوتے اور ایک کتا ۔

اُردو کا اصلی حصّہ مغرب کی طرف مقابلتاً آہستہ آہستہ بڑھا۔ دروں اور گھاٹیوں سے اترتا ہوا، منجمد جھیلوں کو طے کرتا ہوا اور دہ زنگاریہ تک پہنچا۔ یہی وہ درّہ ہے جس سے گذرکے ایشیائے بلند کے قبیلے دھاوا کرتے رہے تھے۔ یہاں طوفانی ہواؤں اور انتہائی شدید سردی سے وہ بہت پریشان ہوئے۔ سردی اتنی تھی کہ اگر "بوران" (کالے طوفان) کے دوران میں کوئی ریوڑ کسی درے میں پھنس جاتا تو وہیں جم کے یخ ہو جاتا۔ مویشی جتنے بھی تھے وہ یا تو مر کھپ گئے تھے یا غذا بن چکے تھے۔ گھاس چارہ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا، چھکڑے مجبوراً پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے، اور صرف کچھ سخت جان اونٹ باقی بچے تھے۔

ختا کے لیوچِتسائی نے اس مغرب کی جانب کے یلغار کے متعلق لکھا ہے "عین گرمیوں میں بھی ان پہاڑوں پر برف افراط سے گرتی اور جمتی ہے۔ اس راہ سے گذرتے ہوئے فوج کو برف کاٹ کے راستہ بنانا پڑا۔ یہاں چیل اور صنوبر اتنے اونچے اونچے ہیں کہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ چن شان (سنہرے پہاڑوں) کے مغرب میں جتنے دریا ہیں وہ سب مغرب کی طرف بہتے ہیں۔"

اس طوفانی درے کے پار مغربی پہاڑوں میں پہنچ کے سپاہیوں نے درخت کاٹے اور بڑے بڑے تنوں سے تنگ پہاڑی شگافوں پر پل بنائے۔ گھوڑوں نے اپنے سموں سے برف کھود کھود کے گھاس اور سبزی چرنی شروع کی۔ شکاری شکار ڈھونڈھنے کے لئے آگے بڑھے۔ ایشیائے بلند کی اس بے پناہ سردی میں دو لاکھ آدمیوں نے اپنا راستہ بنایا اور اتنی صعوبتیں برداشت کیں کہ اگر آج کل کی فوج ہوتی تو پوری کی پوری ہسپتال میں پڑی ہوتی۔ مغلوں پر ان تکلیفوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ برف گرتی ہوتی اور وہ کرتی ہوئی برف میں بھیڑوں کی کھالیں اور چمڑے اوڑھ کے پڑ کے سو جاتے۔ ضرورت کے وقت گول مضبوط یورتوں میں انہیں تھوڑی بہت گرمی میسر آجاتی۔ جب غذا باقی نہ رہتی تو وہ گھوڑے کی فصد کھولتے، تھوڑا سا خون پی لیتے اور پھر رگ کو ٹانکے دے دیتے۔

پہاڑوں میں سو میل کے عرض تک پھیلے ہوئے، وہ بڑھتے چلے گئے۔ وہ برف گاڑیاں اُن کے پیچھے پیچھے کھڑکھڑاتی ہوئی چلتی رہیں۔ مرے ہوئے جانوروں کی ہڈیوں سے وہ راستے کے نشان ڈھونڈھتے رہے۔

جب برف پگھلنے کا زمانہ آیا تو یہ لشکر مغرب کے میدانوں میں پہنچ چکا تھا۔ جھیل بالکش کے ویران علاقے میں اُس نے تیزی سے پیش قدمی کی۔ جب نئی نئی گھاس نکلنے لگی۔ تو وہ قرا تاؤ (کالے سلسلۂ کوہ) کی آخری حدِ فاصل کو تیزی سے چھانتا ہوا گذر رہا تھا۔ دُبلے پتلے گھوڑوں پر مغل کوچ کے پہلے بارہ سو میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔

اب مختلف دستے جمع ہونے لگے۔ مختلف سپہ سالاروں کے درمیان ربط قائم کرنے والے افسر تیزی سے گھوڑے دوڑانے لگے۔ عجیب ہیئت کذائی والے تاجر دو دو تین تین ٹکڑیوں میں ادھر اُدھر گھوڑوں پر منتشر ہو گئے۔ تاکہ مخبری کر سکیں۔ ہر دستے کے آگے آگے ہراول کے کچھ سوار بھیجے گئے تاکہ چوکسی کرتے رہیں۔

سپاہیوں نے اپنی تھیلیاں ٹھیک کیں۔ اپنے تیر گنے، الاؤ جلائے اور ان کے اطراف جمع ہو کے ہنسنے بولنے لگے اور مطربوں سے گیت سننے لگے۔ مطرب دو زانو ہو کے پرانے بہادروں اور عجیب و غریب جادو کے قصّے الاپنے لگے۔

جنگلوں کے اُس پار نشیب میں انہیں دُنیائے اسلام کی سرحد نظر آ رہی تھی۔ یہ سیر دریا کا وسیع پاٹ تھا، جو بہار کی بارشوں اور برف کے پگھلنے کی وجہ سے طغیانی پر تھا۔

چودھواں باب

پہلا حملہ

اِس درمیان میں قابلِ ذکر بات یہ ہوئی کہ "دنیا کی چھت" (پامیر) کے سائے میں جوجی اور جبی نویان کی مسلمانوں سے پہلی لڑائی جم کر ہوئی۔

خوارزم شاہ مغلوں سے پہلے ہی میدانِ جنگ میں پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان کی فتوحات کے بعد تازہ دم ہو کے اس نے چار لاکھ فوج جمع کر لی تھی۔ اُس نے اپنے تابیگوں کو مجتمع کر لیا تھا اور ترک فوج کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے عرب اور ایرانی دستے فراہم کر لئے تھے۔ اس فوج کو لے کر وہ شمال کی طرف مغلوں کی تلاش میں بڑھا تھا جو ابھی تک موقع پر نہیں پہنچے تھے۔ اُسے جبی نویان کے کچھ ہراول دستے ملے جنہیں اس جنگ کے متعلق کوئی اطلاع نہیں تھی اور اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان سمور پوش خانہ بدوشوں کو جو بالدار ٹٹوؤں پر سوار تھے، ساز و سامان سے آراستہ خوارزمیوں نے بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا۔ جب اُس کے جاسوسوں نے مغل اُردو کی مزید تفصیلیں بہم پہنچائیں تب بھی خان نے اپنی رائے نہیں بدلی کہ "اب تک انہوں نے صرف کفار کے مقابلے میں فتح پائی ہے۔ اب مسلمانوں کی فوجیں اُن کے مقابلے کے لئے جا رہی ہیں۔"

مغل بہت جلد نظر آ گئے۔ آگے آگے حملہ کرنے والی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بلندیوں سے اُتر کے سیر دریا کے عمیق پاٹ کی جانب جھپٹنے لگیں۔ سبز سبز وادیوں کے دیہاتوں سے یہ ریوڑوں کو ہنکالے جاتیں اور جتنا کچھ غلّہ اور اناج ملتا، لوٹ لے جاتیں۔ اور مکانوں کو آگ لگا دی جاتی اور دھوئیں کی آڑ میں یہ مغل دستے واپس آ جاتے۔ کچھ سپاہی

چھکڑے اور ریوڑ شمال کی طرف لے جاتے اور دوسرے دن پھر جو حملہ ہوتا تو کسی ایسے گاؤں پر جو پہلے مقام سے پچاس میل دُور رہو۔

یہ تو آگے آگے کے چھاپہ مار دستے تھے جن کا کام اصل فوج کے لئے سامان رسد مہیا کرنا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔ انہیں دراصل جوجی نے بھیجا تھا۔ طیان شان پہلیہ کے علاقے میں مشرق کی وادیوں کی ایک لمبی سی قطار کے درمیان کوچ کرتا آ رہا تھا۔ چونکہ قلب لشکر کے مقابلے میں وہ آسان تر راستے سے مسافت طے کر رہا تھا اس لئے پہاڑوں کے آخری سلسلے اس نے اپنے والد کے مقابل ذرا جلدی عبور کر لئے۔

محمد شاہ خوارزم نے اپنے لشکر کا زیادہ تر حصہ سیر دریا کے کنارے چھوڑا، اور خود مشرق کو دریا کے منبع کی طرف پہاڑوں میں بڑھا۔ یہ پتہ نہیں کہ اُسے جوجی کے حملے کی اطلاع اپنے جاسوسوں سے ملی یا محض اتفاقاً وہ اس مغل فوج سے دوچار ہوا۔ بہرحال اس طویل وادی میں جس کے دونوں طرف شجر پوش پہاڑوں کی فصیلیں تھیں، اُس کا اس مغل فوج سے جم کر مقابلہ ہوا۔

اُس کی اپنی فوج کی تعداد مغل دستے سے کئی گنا زیادہ تھی۔ خوارزم شاہ نے جب پہلی مرتبہ ان سمور پوش چرم پوش سواروں کو دیکھا جن کے پاس نہ زنجیر دار زرہیں تھیں اور نہ ڈھالیں تھیں، تو اس نے فوراً یہ سوچا کہ ان عجیب سواروں کے بچ کر نکلنے سے پہلے ہی وہ حملہ کر دے۔

اُس کے منظم ترک سپاہی جنگ کے لئے صف در صف آراستہ ہوئے، طبلِ جنگ اور نقاروں پر چوٹ پڑی۔

اس درمیان میں مغلوں کے ایک سپہ سالار نے جو جوجی کے ہمرکاب تھا، اُسے یہ مشورہ دیا کہ پسپا ہو کر، اپنے پیچھے ترکوں کو مغل لشکر کے قلب کی جانب لئے چلنا چاہئے۔

لیکن خان کے اس بڑے بیٹے نے یہ حکم دیا کہ فوراً حملہ کیا جائے "اگر میں بھاگ کھڑا ہوں تو اپنے باپ کو کیا جواب دوں گا۔"

فوج کا یہ حصہ اُس کے زیرِ کمان تھا اور جب اس نے حکم دیا تو مغل بے چون وچرا جنگ کے لئے سوار ہو گئے۔ چنگیز خان خود ہرگز اس طرح اس وادی میں نہ پھنستا، وہ فوراً پیچھے ہٹ جاتا تاکہ تعاقب میں شاہ کی صفیں منتشر ہو جائیں۔ لیکن ضدی جوجی نے اپنے آدمی آگے بڑھا لئے۔ سب سے آگے آگے سرفروش دستہ، پھر طوفانی سوار دستے، بائیں ہاتھ میں تلوار اور لگام تھامے، دائیں ہاتھ میں لمبے لمبے نیزے لئے میمنے اور میسرے پر ہلکے پھلکے دستے تھے۔

مغل سوار مہیب انداز میں آگے بڑھے، ترکوں کے نیچوں کے مقابل تلواریں سونتے۔ جگہ اتنی کم تھی کہ جنگی داؤں پیچ دکھانے کا موقع نہیں تھا، نہ تیر اندازی کا کوئی موقعہ تھا جس میں انہیں خاص مہارت تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ خوارزمیوں کا بیحد نقصان ہوا اور جب مغلوں کا ہراول دستہ راستہ کاٹتے ترکوں کے قلب تک پہنچ گیا تو خود خوارزم شاہ کی جان خطرے میں پڑ گئی اپنے سے ایک تیر کی پرواز کے برابر کے فاصلے پر اُس نے مغلوں کے سینگوں والے پرچم دیکھے اور اس کے اپنے محافظ دستے کی جان توڑ کوشش کی وجہ سے اُس کی جان بچ پائی۔ اسی طرح جوجی کی جان، ایک ختا کے شہزادے نے بچائی جو اُس کے زیرِ کمان لڑ رہا تھا۔

اس درمیان میں مغل میمنہ اور میسرہ بھی گھس آیا تھا۔ جلال الدین جو خوارزمیوں کا محبوب شہزادہ اور خوارزم شاہ کا ولی عہد تھا۔ سچا ترک، پستہ قد، چھریرا بدن، سانولا، جسے تلوار کے کرتبوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ اُس نے جوابی حملہ اس زور شور سے کیا کہ مغل پرچموں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ شام آئی تو حریف سوار الگ ہو گئے اور رات کو

مغلوں نے اپنی وہی ہمیشہ کی پرانی چال چلی۔ جب تک رات کا اندھیرا رہا انہوں نے یا تو وادی کی گھاس جلادی یا اپنی خیمہ گاہ کے الاؤ کسی نہ کسی طرح جلائے رکھے۔ مگر اسی درمیان میں جوجی اور اس کے ساتھی تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کے اس تیزی سے پیچھے ہٹے کہ دو روز کی منزل انہوں نے ایک رات میں طے کر لی۔

جب صبح ہوئی تو محمد خوارزم شاہ اور اس کے فوجی دستے نے اپنے آپ کو اس وادی پر قابض پایا۔ جس پر ہر طرف مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مغل غائب تھے۔

ترک جو اب تک ہر جنگ میں فتحیاب ہوتے رہے تھے۔ جب میدان جنگ کا ایک چکر کاٹ کے واپس آئے تو انہیں بڑا اندیشہ پیدا ہو چکا تھا۔ تاریخ کے بیان کے مطابق اس پہلی جنگ میں ان کی فوج کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمی شہید ہو چکے تھے۔ یہ تعداد تو یقیناً مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ مغلوں سے پہلی ٹکر کا ان پر کیا اثر ہوا۔ اس زمانے کے مسلمان سپاہیوں پر حملے کی پہلی جنگ کی شکست یا فتح کا بڑا اثر ہوا کرتا تھا۔ اس وادی کی مہیب جنگ کا خود سلطان محمد پر بہت گہرا اثر ہوا۔ "شاہ کے دل میں ان کافروں کا ڈر بیٹھ گیا اور وہ ان کی شجاعت کا قائل ہو گیا۔ جب اس کے سامنے کوئی مغلوں کا ذکر کرتا تو وہ کہتا کہ میں نے کبھی ایسے جری اور بہادر لوگ نہیں دیکھے جو جنگ میں اتنے ثابت قدم رہیں، یا جنہیں اپنی تلواروں کی نوکوں اور دھاروں سے ایسے سخت زخم لگانا آتا ہو۔"

سلطان محمد نے اونچی وادیوں میں مغل اردو کی تلاش کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ علاقہ جو پہلے ہی غیر آباد تھا، اسے مغل لوٹ مار کرنے والے دستوں نے چھلنی کر دیا تھا اور وہ اس کے کثیر لشکر کے خورد و نوش کا سامان بہم نہ پہنچا سکتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ان عجیب دشمنوں کے ڈر سے سیر دریا کے کنارے کے فصیل بند شہروں کی پناہ میں لوٹ آیا۔ اس نے کمک کے لئے مزید فوجیں، خصوصاً تیر اندازوں کے دستے طلب کئے۔ لیکن اس نے مکمل فتح و ظفر پانے کا اعلان کیا اور اس تقریب میں اپنے

ہم رکاب افسروں کو خلعتیں عطا کیں۔

چنگیز خان نے ایک قاصد کی زبانی اس پہلی جنگ کی خبر سُنی۔ اُس نے جوجی کی تعریف کی۔ پانچ ہزار کا ایک دستہ اُس کی کمک کے لئے بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ خوارزم شاہ کا تعاقب کرے۔

اب جوجی خان کی مغل فوج جو دراصل پورے مغل اردو کا میسرہ تھی، ایشیائے بلند کے ایک گلزار جیسے علاقے سے گذر رہی تھی۔ جہاں ہر ندی نالے کے کنارے سفید فصیل والا ایک گاؤں ہوتا اور ایک مینار تعمیر ہوتا۔ یہاں خربوزے اور عجیب عجیب پھل پیدا ہوتے تھے۔ بید مجنوں اور سفیدوں کے جھنڈ کے درمیان مسجدوں کے پتلے نازک مینار بلند نظر آتے تھے۔ دائیں بائیں ہری بھری پہاڑیاں تھیں۔ جن کی ڈھلوانوں پر مویشیوں کے ریوڑ چرتے نظر آتے۔ ان کے پیچھے اونچی کوہستانی سلسلوں کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتیں۔

صاحب ظفرنامہ چنسائی اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے "خدقان (خوقند) میں انار بڑی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کا حجم دو مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے۔ اور اُن کا ذائقہ ذرا ترشی مائل کسیلا ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ اس پھل کا عرق پیالوں میں نچوڑتے ہیں، جو پیاس بجھانے کے لئے بہت مفید اور مفرح ہے۔ اُن کے تربوزوں کا وزن پچیس سیر ہوتا ہے، اور ایک گدھا دو سے زیادہ تربوز نہیں اُٹھا سکتا۔

برف پوش دروں میں جاڑے گذرنے کے بعد یہ علاقہ مغل شہسواروں کے لئے گویا جنت تھا۔ دریا کا پاٹ چوڑا ہو گیا اور وہ ایک بڑے فصیل بند شہر کی نواح میں پہنچے جس کا نام خوقند تھا۔ یہاں پانچ ہزار سواروں کا امدادی دستہ خوقند کا محاصرہ کئے ہوئے اُن کا انتظار کر رہا تھا۔

شہر کے ترکوں کا کماندار بڑا بہادر آدمی تھا۔ جس کا نام تیمور ملک تھا۔ تیمور ترکی میں فولاد کو کہتے ہیں۔ وہ ایک ہزار چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک جزیرے میں خندقیں کھود کے اپنی حفاظت کر رہا تھا۔ حالات نے عجیب صورت اختیار کی۔ یہاں دریا چوڑا تھا اور جزیرے کے اطراف فصیل تھی۔ تیمور ملک ساری کشتیاں اپنے ساتھ لیتا گیا تھا اور کوئی پل بھی نہیں تھا۔ مغلوں کو یہ حکم تھا کہ اپنے پیچھے کوئی فصیل بند شہر بغیر فتح کئے نہ چھوڑیں۔ اُن کی منجنیقوں سے جو پتھر پھینکے جا رہے تھے، وہ بھی اس محصور جزیرے تک نہیں پہنچ رہے تھے۔

تیمور ملک جو بڑا ہوشیار اور شجاع ترک تھا۔ کسی حیلے سے اس جزیرے کے باہر بلایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے مغلوں نے اپنے باقاعدہ اصول کے مطابق محاصرہ شروع کیا۔ جوجی جو خود زیادہ انتظار ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک نویان کو محاصرے کے لئے پیچھے چھوڑ کے، دریا کے اتار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔

مغلوں نے اِدھر اُدھر سنتری بھیجے، اور آس پاس کے دیہاتوں سے ایک جمِ غفیر کو اکٹھا کر کے انہیں پتھر جمع کرنے اور سیر دریا کے کنارے ڈھونے کے کام پہ لگا دیا۔ پتھر کی ایک سڑک تیمور ملک کے جزیرے کی سمت بننے لگی۔ لیکن تیمور ملک بھی غافل نہیں رہا۔

اُس نے درجن بھر کشتیاں چنیں، ان میں بچاؤ کے لئے لکڑی کے تختے جوڑے اور ہر روز وہ ان کو کھیتا ہوا ساحل کے قریب تک جاتا اور مغلوں پر تیر اندازی کرتا۔ خطا کے توپ خانے والوں نے ان کشتیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ہتھیار ایجاد کیا۔ پہلے انہوں نے سنگ اندازی کے لئے ایک منجنیق نصب کی لیکن اس منجنیق سے بجائے پتھروں کے آگ کے گولے برسائے جاتے تھے۔ کپیوں یا گھڑوں میں جلتی ہوئی گندھک یا چینی توپ خانہ والوں کا ایجاد کیا ہوا کوئی اور

آتش گیر مادہ ہوتا۔ تیمور ملک نے اپنی کشتیوں کی ساخت میں ترمیم کی۔ اب اس نے ان کی چھتیں ڈھلوان بنائیں اور ان پر گیلی مٹی تھوپ دی اور ان میں اپنے تیر اندازوں کے لیے سوراخ کھلے رکھے۔

پھر سے توپ خانے کے مقابلے میں کشتیوں کی لڑائی شروع ہو گئی لیکن دریا کے اندر سڑک بڑھتی ہی گئی اور تیمور ملک نے دیکھا کہ اب وہ جزیرے پر زیادہ دن ٹھہر نہیں سکتا۔ اُس نے سب سے بڑی کشتی پر اپنے لوگوں کو، اور محافظت کے لیے بند کشتیوں میں سپاہیوں کو سوار کیا، اور جزیرے کا تخلیہ کر دیا۔ مشعل کی روشنی میں رات کے وقت وہ دریا کے بہاؤ پر نکل گیا۔ مغلوں نے اُس کا راستہ روکنے کے لیے سیر دریا کے آر پار ایک قوی ہیکل زنجیر ڈال دی تھی۔ اُس نے اس زنجیر کو کاٹ دیا۔

لیکن مغل سوار دریا کے کنارے کنارے اس کا تعاقب کرتے رہے۔ جوجی جو آگے نکل گیا تھا اُس نے بہت نیچے دریا پر کشتیوں کا ایک پل بنوایا اور اپنے کاریگروں سے منجنیقیں نصب کروائیں تاکہ اس کشتیوں کے قافلے کا قلع قمع کیا جائے۔ اس باخبر اور ہوشیار ترک کو ان تیاریوں کی خبر مل گئی اور اس نے اپنے لوگوں کو ایک ویران کنارے پر اتار دیا۔ مغلوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ دریا پر نہیں ہیں۔ انہیں کنارے پر ڈھونڈھ نکالا۔ تیمور ملک ایک چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ بھاگا لیکن اُس کی نظروں کے سامنے اُس کے تمام ساتھی کھیت رہے۔

اب ایک بھی ساتھی اُس کے ساتھ باقی نہ بچا تھا لیکن وہ یونہی سرپٹ اپنا راہوار دوڑاتا رہا اور بہت آگے نکل گیا۔ اُس کے تعاقب میں صرف تین مغل باقی رہ گئے۔ ان تین میں سے جو سب سے قریب تھا۔ اُس کو تو اُس نے

خوش قسمتی سے آنکھ پر تیر مار کے وہیں ڈھیر کر دیا۔ پھر اس نے دونوں باقی ماندہ تعاقب کرنے والوں سے کہا "میرے ترکش میں ابھی دو تیر باقی ہیں۔ اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔"

لیکن اُسے ان دونوں آخری تیروں کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اگلی رات وہ بچ کے اُس شہسوارِ عظیم جلال الدین سے جا ملا جو خوارزم شاہ کا ولی عہد تھا، اور جنوب میں مورچہ بندی کر رہا تھا۔ تیمور ملک کی شجاعت کے قصے مغلوں اور ترکوں میں یکساں مشہور اور مقبول ہوئے۔ اس نے مغل اردو کے ایک پورے دستے کو مہینوں روکے رکھا۔ اس محاصرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ نئے حالات کا مقابلہ مغل کس طرح نت نئی ترکیبوں سے کرتے تھے لیکن یہ محاصرہ اُس جنگِ عظیم کا ایک معمولی سا واقعہ تھا جو اب ایک ہزار میل کے محاذ پر زور و شور سے جاری تھی۔

پندرھواں باب

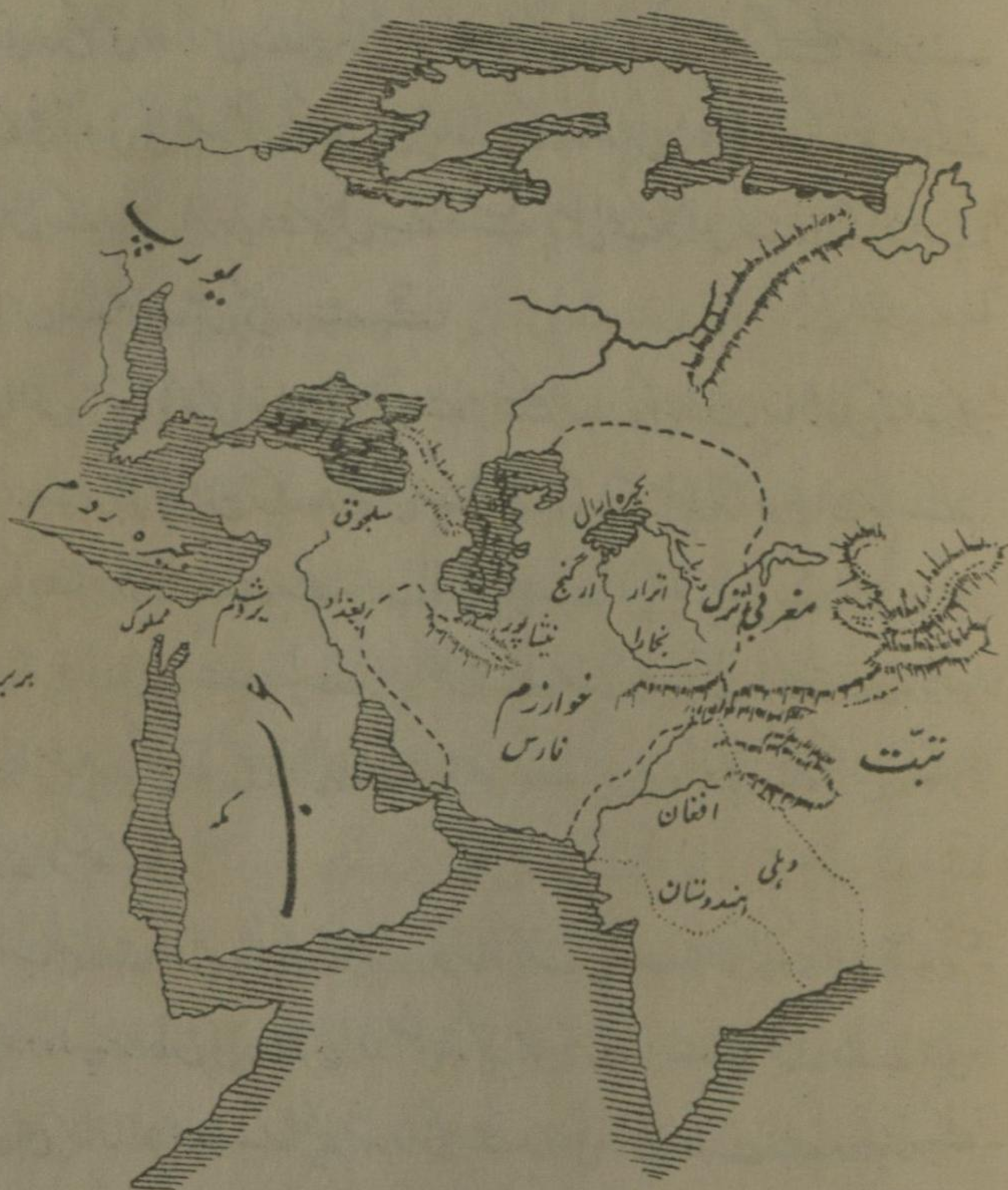
بخارا

جب خوارزم شاہ اونچے کہساروں پر سے نیچے اُترا، تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ شمال میں سیر دریا کی طرف مڑا اور وہاں مغلوں کے اسی وکا انتظار کرنے لگا کہ جب وہ دریا کو پار کرے تو جنگ کے لئے اُس کا مقابلہ کرے۔

لیکن یہ انتظار بے سود تھا۔

جو پیش آیا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے نقشہ دیکھنا ضروری ہے۔ اور محمد خوارزم شاہ کی سلطنت کا یہ شمالی حصّہ نصف تو شاداب وادیوں پر مشتمل تھا اور نصف بنجر اور ریتلا میدان تھا۔ بنجر علاقے میں زمین کے سُرخ سرخ ٹکڑے تھے، جن پر ریت ہی ریت تھی، یہ بے آب وگیاہ میدان تھا، جہاں جاندار بہت کم پائے جاتے تھے۔ اس لئے شہر یا تو دریاؤں کے کنارے آباد تھے یا پہاڑیوں میں۔

اس ریگستانی میدان کے آر پار دو عظیم دریا شمال مغرب کی سمت بہتے تھے۔ اور چھ سو میل کے فاصلے پر بحرِ جند (آرال) میں اُن کا دہانہ تھا۔ ان میں سے پہلا سیر دریا یا سیحون کہلاتا تھا۔ اس کے کنارے کے فصیل بند شہر قافلوں کی شاہراہوں کے ذریعے منسلک تھے۔ یہ گویا انسانوں کی زندگی اور ان کی رہائش گاہوں کی ایک زنجیر تھی۔ جو غیر آباد علاقے میں دور تک چلی گئی تھی۔ جنوب میں جو دوسرا دریا تھا وہ آمو دریا یا جیحون کہلاتا تھا۔ اس کے قریب اسلامی دنیا کے بڑے بڑے قلعہ بند مرکز واقع تھے، جن میں خاص طور پر بخارا اور سمرقند بہت مشہور تھے۔



تیرھویں صدی عیسوی میں خوارزم کی سلطنت

خوارزم شاہ سیر دریا کے عقب میں ڈیرے جمائے بیٹھا تھا لیکن اُسے یہ پتہ نہیں تھا کہ مغل کس طرف نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ جنوب کی طرف سے اُس کو نئی فوجوں کی کمک کی توقع تھی اور اُس نے جو نیا محصول عائد کیا تھا۔ اُس سے جنگ کے مصارف کے لئے کافی آمدنی کی امید تھی۔ لیکن اس تیاری کے عالم میں بڑی تردد انگیز خبریں آنے لگیں۔ اُس کے دائیں بازو پہ دو سو میل کے فاصلے پر مغل اونچے درّوں سے اُتر کر قریب قریب اُس کے عقب میں پہنچ رہے تھے۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ جبی نویان، جوجی سے ہٹ کے جنوب کی طرف پہاڑوں کو عبور کر چکا تھا اور دبے پاؤں اُن ترک فوجوں کے قریب تک آ پہنچا تھا جو خوارزم کے راستوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ اب وہ تیزی سے اُن گلیشیروں کے اطراف چکر کاٹ کے آ رہا تھا، جن سے دریائے آمو نکلتا ہے۔ سمرقند اُس کے راستے سے دو سو میل کے فاصلہ پہ رہ گیا تھا۔ جبی نویان کے ساتھ صرف بیس ہزار آدمی تھے لیکن شاہ کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ محمد خوارزم شاہ تک نئی کمک پہنچنا تو در کنار، آثار اس کے تھے کہ وہ اپنے دفاع کی دوسری اور اصلی زنجیر یعنی آمو دریا سے بھی کٹ جائے، جن کے پاس ہی بخارا اور سمرقند کے عظیم شہر واقع تھے۔ اس نئے خطرے سے دوچار ہو کے خوارزم شاہ نے ایک ایسا اقدام کیا جس کے باعث بعد کے مسلمان مورخین نے اُس پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ اس نے اپنی فوج کا نصف حصہ ان فصیل بند شہروں کی حفاظت کے لئے الگ کر کے بھیج دیا۔

چالیس ہزار اس نے سیر دریا کے کنارے کے قلعوں کی حفاظت کے لئے چھوڑے تیس ہزار بخارا میں تعینات کئے اور بقیہ فوج کو لے کے سمرقند کی طرف کوچ کیا، جہاں اُس وقت سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ یہ سب اُس نے یہ سمجھ کر کیا کہ مغل اُس کے قلعوں

کو فتح نہ کر پائیں گے اور فصل بھر لوٹ مار کر کے واپس لوٹ جائیں گے۔ اس کے یہ دونوں مفروضے غلط تھے۔

اس سے پہلے ہی چنگیز خاں کے دو بیٹے شمال میں سیر دریا کے کنارے اترار کے شہر کے سامنے نمودار ہو چکے تھے۔ یہ اترار وہی مقام تھا جہاں کے قلعدار نے مغل تاجروں کو قتل کیا تھا۔ انیل جق جو اُن کے قتل کا ذمہ دار تھا اب بھی اس شہر کا حاکم تھا۔ یہ جان کر کہ مغلوں سے رحم کی توقع فضول ہے وہ اپنے چیدہ آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا اور پانچ مہینے تک محصور رہا۔ وہ آخر تک لڑتا رہا اور جب مغل اس کے آخری سپاہیوں کو قتل یا اسیر کر چکے تو اُس نے ایک برج میں پناہ لی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو وہ دشمنوں پر پتھر برساتا رہا۔ وہ اپنی جان سے بیزار تھا۔ پھر بھی زندہ گرفتار ہوا اور خان کے پاس بھیجا گیا جس نے انتقام لینے کے لئے پگھلی ہوئی چاندی اس کی آنکھوں اور کانوں میں ڈلوا کے اُسے قتل کیا۔ اترار کی فصیلیں گرا کے زمین کے برابر کر دی گئیں اور اس کی ساری آبادی کو اسیر کر کے مغل اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ ہو ہی رہا تھا کہ ایک اور مغل فوج سیر دریا کی طرف بڑھی اور تاشکنت پر قابض ہو گئی۔ ایک تیسری فوج سیر دریا کے شمالی حصے پر چھوٹے چھوٹے قصبوں پر قبضہ کرتی چلی گئی۔ ترکی محافظ فوج نے جند کو خالی کر دیا اور جب مغل کمندوں اور سیڑھیوں سے فصیلوں پر چڑھ آئے تو شہریوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب کوئی نیا شہر یا قصبہ فتح ہوتا تو پہلے تو وہاں خوارزم شاہ کے سپاہیوں کا محافظ ترک دستہ قتل کر دیا جاتا تھا۔ اُس کے بعد مغل تمام شہریوں کو جو زیادہ تر ایرانی نسل کے تھے شہر کے باہر پکڑ کے لے جاتے اور پھر اطمینان سے شہر کو لوٹا جاتا۔

اس کے بعد قیدیوں کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ جوان اور مضبوط مردوں کو الگ رکھا جاتا تاکہ وہ دوسرے شہر پر حملے کے وقت منجنیقوں پر کام کر سکیں۔

کاریگروں کو کام لینے کے لئے زندہ رکھا جاتا۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان تاجر کو جو مغلوں کا ایلچی تھا، ایک شہر میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اس کے بعد مغلوں کا ہیبت ناک حملہ شروع ہوا، جو کسی طرح رکنے میں نہیں آتا تھا۔ جتنے آدمی مرتے، نئے حملہ آور اُن کی جگہ آجاتے، یہاں تک کہ یہ شہر فتح ہو گیا اور اس کی پوری آبادی تلوار اور تیروں سے ختم کر دی گئی۔

چنگیز خاں خود کبھی سیر دریا کے سامنے نہیں نمودار ہوا۔ مغل اردو کے قلب سمیت وہ نظروں سے اوجھل تھا۔ کسی کو پتہ نہیں کہ اس نے دریا کو کہاں سے پار کیا اور کس طرف گیا۔ لیکن اُس نے قزل قم کا بڑا لمبا چوڑا چکر لگایا ہوگا کیونکہ جب وہ صحراؤں سے باہر نمودار ہوا تو وہ بخارا کی طرف تیزی سے پیش قدمی کر رہا تھا۔ — اور یہ مغرب کی جانب سے۔

صرف یہی نہیں کہ خوارزم شاہ دونوں بازوؤں سے گھر گیا تھا۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ جنوب کی فوجوں سے، اپنے بیٹے سے، کمک کے دستوں، اور خراسان اور ایران کی زرخیز سرزمینوں سے اس کا ربط منقطع ہو جائے۔ اِدھر جبی نویان مشرق سے بڑھ رہا تھا، اُدھر چنگیز خاں مغرب سے، اور سمرقند میں خوارزم شاہ کو یہ معلوم ہو رہا ہوگا کہ جال کا حلقہ اس پر تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

اِس حالت میں پھر اس نے اپنی فوج تقسیم کر کے کچھ بخارا بھیجی اور کچھ سمرقند اور کچھ اوراتابکون کو بلخ اور قندز پر تعینات کیا۔ صرف اپنے دربار کے امرا ہاتھیوں اونٹوں اور محافظ سپاہیوں کو لے کے وہ سمرقند سے نکل کھڑا ہوا۔ اُس کے ساتھ اُس کا خزانہ اور اس کا حرم بھی تھا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ ایک نئی فوج جمع کر کے وہ پھر واپس آئے۔

لیکن اس کی یہ توقع بھی پوری نہ ہو سکی۔

محمد خوارزم شاہ غازی، جس کو اس کی رعایا اسکندرِ ثانی کہتی تھی، سپہ سالاری میں مغلوں سے مات کھا چکا تھا۔ خان کے بیٹوں کی سرکردگی میں جو مغل دستے سیر دریا کے کنارے قتل و غارت گری کر رہے تھے اور قصبوں کو آگ لگا رہے تھے وہ ایک طرح کا پردہ تھے جس کی آڑ میں جبی نویان اور چنگیز خان کی اصلی فوجیں حرکت کر رہی تھیں۔

چنگیز خان تیزی سے ریگستان سے باہر نکلا۔ اس قدر جلدی کے عالم میں کہ راستے میں جو چھوٹے چھوٹے قصبے آئے انہیں اس نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ اور وہاں صرف اپنے گھوڑوں کے لئے پانی مانگا۔ وہ بخارا میں اچانک خوارزم شاہ کے سر پر جا پہنچنا چاہتا تھا، لیکن جب وہ پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ شاہ وہاں سے بھاگ چکا ہے۔ اب اُس کے سامنے اسلامی قوت کا حصن حصین، بخارا کا شہر تھا۔ مدرسوں کا مرکز، جس کے اطراف جو فصیل تھی اُس کا طول بارہ فرسخ تھا، اس کے درمیان ایک خوشنما نہر بہتی تھی جس کے کنارے باغ اور دلکش قصر تھے۔ بیس ہزار ترکوں کا ایک دستہ اور ایرانیوں کا ایک جم غفیر اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس شہر کو فخر تھا کہ یہ کئی اماموں، سیّدوں، فقیہوں، علما اور مفسرین کا مولد و مسکن تھا۔

اس شہر کے سینے میں ایک آگ دبی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے ایمان کی آگ تھی۔ اس کے باوجود یہاں کے شہری اس وقت بڑے تذبذب کے عالم میں تھے۔ فصیلیں اس قدر مضبوط تھیں کہ حملہ کر کے اُن پر قبضہ کرنا مشکل تھا۔ اگر سب شہری اس کا تصفیہ کر لیتے کہ آخر دم تک اس کی حفاظت کریں گے تو کئی مہینوں تک اس پر مغلوں کا قبضہ نہ ہونے پاتا۔

لیکن چنگیز خاں نے سچ کہا تھا "فصیل کی مضبوطی قلعہ کے محافظین کی ہمت کے برابر برابر ہوتی ہے۔ نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔" یہاں یہ ہوا کہ ترک افسروں نے

شہریوں کو ان کی قسمت پر چھوڑا اور خود خوارزم شاہ سے جا ملنے کے لئے راتوں رات پانی والے دروازے سے باہر نکل گئے اور آمو دریا کی سمت کوچ کیا۔

مغلوں نے انہیں اُس وقت تو گذر جانے دیا لیکن تین تومان اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور انہیں دریا کے کنارے جا لیا۔ یہاں حملہ کر کے انہوں نے سارے کے سارے ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب محافظ فوج انہیں چھوڑ کے چلی گئی تو شہر کے بزرگوں، قاضیوں اور اماموں نے آپس میں مشورہ کیا، اور شہر کے باہر اس عجیب و غریب خان کے حضور میں گئے۔ شہر کی کنجیاں اُس کے سپرد کر دیں، اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ شہریوں کی جاں بخشی کی جائے گی۔ قلعہ دار باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں بند ہو گیا جس کا مغلوں نے فوراً محاصرہ کر لیا، اور آگ کے تیر برسانے شروع کئے جن کی وجہ سے قصروں اور محلوں کی چھتوں میں آگ لگ گئی۔

مغل سوار سیل بے پناہ کی طرح شہر کی عریض سڑکوں پر امنڈ آئے۔ غلے کے گوداموں اور ذخیروں کو لوٹنا شروع کیا۔ کتب خانوں کو اپنے گھوڑوں کا اصطبل بنایا اور مسلمان درد اور بدنصیبی کے عالم میں یہ دیکھتے رہے کہ قرآن پاک کے صفحات گھوڑوں کے سموں کے نیچے روندے جا رہے ہیں۔ خان نے شہر کی جامع مسجد کے آگے لگام کھینچی اور کہا کہ شہنشاہ کا گھر یہی ہے۔ اُسے جواب ملا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔

وہ فوراً زینوں پر گھوڑا دوڑا کے مسجد کے اندر پہنچا اور گھوڑے سے اتر کے مسجد کے منبر پر چڑھ گیا۔ وہاں مصحف پاک کا ایک بڑا نسخہ رکھا تھا۔ چنگیز خاں کالے منقش چمڑے کی زرہ اور چمڑے کا خود پہنے ہوئے تھا۔ اس نے علما و فضلا کو جو وہاں جمع تھے خطاب کیا۔ علما کو حیرت تھی کہ اس عجیب الہیئت انسان پر آسمان سے آگ کیوں نہیں برستی۔

چنگیز خاں نے کہا "میں اس جگہ محض اس لئے آیا ہوں کہ تم سے یہ کہوں کہ میری فوج کے لئے غلّے اور چارے کا انتظام کرو۔ آس پاس کی زمینوں میں غلہ اور چارہ بالکل نہیں ہے اور میرے آدمیوں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لئے فوراً اپنے ذخیرے کھول دو۔"

لیکن جب مسلمان اکابر مسجد سے لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ گوبی کے جنگجو پہلے ہی سے غلّے کے گوداموں پر قابض ہیں اور اپنے گھوڑوں کے لئے اصطبل بنا چکے ہیں۔ اردو کا یہ حصہ اتنے دنوں تک ریگستانوں میں زبردستی یلغار کر چکا تھا کہ خوشحالی کے اس منظر کو دور سے دیکھتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔

چنگیز خاں مسجد سے شہر کی چوک میں گیا۔ جہاں خطیب فلسفہ اور فقہ کا درس عوام الناس کو دیا کرتے تھے۔

ایک قابل احترام سیّد سے کسی نوارد نے پوچھا "یہ کون ہے۔"

سیّد نے سرگوشی میں کہا "نہ پوچھو۔ یہ خدا کا عذاب ہے جو ہم پر نازل ہوا ہے۔"

تاریخ کہتی ہے کہ چنگیز خاں جس کو مجمعوں سے خطاب کرنے کا ڈھنگ خوب آتا تھا منبر پر کھڑا ہو گیا اور اس نے اہل بخارا کو مخاطب کیا۔ پہلے تو اس نے ان سے ان کے مذہب کے متعلق سوال کیا۔ پھر اس نے رائے ظاہر کی کہ حج بیت اللہ بڑی غلطی ہے "نیلگوں جاودانی آسمان کی طاقت ایک جگہ نہیں، بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں ہے۔" یہ بوڑھا سردار اپنے سامعین کے جذبات کی حالت جانتا تھا۔ اس کی باتوں سے مسلمانوں کا خوف و ہراس بڑھ گیا۔ ان کی نظروں میں وہ ایک کافر خونخوار تھا۔ جس کا کام ہر چیز کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ وہ وحشی اور غیر متمدن طاقت کا مظہر تھا۔ اس کی ہیئت بے ڈھنگی سی تھی اب تک بخارا کو اس طرح کے کافروں سے واسطہ نہ پڑا تھا۔

اس نے بخارا کے باشندوں کو یقین دلانا چاہا "تمہارے شہنشاہ نے بہت سے

جو اٹھم کئے ہیں یہ میں جاودانی آسمان کا قہر ہوں۔ آسمان کی ضرب ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ اُسے بھی اسی طرح برباد کروں جیسے میں نے دوسرے شہنشاہوں کو کچلا ہے۔ اس کو بچانے یا اُسے مدد دینے کی کوشش نہ کرنا۔"

وہ انتظار کرتا رہا کہ مترجم اس کے الفاظ کا ترجمہ ختم کرلے۔ مسلمان اُسے اہل ختا جیسے معلوم ہوئے۔ شہروں کے بنانے والے۔ کتابیں لکھنے والے۔ بس وہ اس حد تک اُس کے لئے کارآمد تھے کہ اُس کے لئے اناج اور چارہ بہم پہنچائیں، اپنی دولت اُس کے حوالے کر دیں، باقی دنیا کے متعلق معلومات فراہم کریں۔ ان میں سے وہ اپنی فوج کے لئے بہتوں کو مزدور اور غلام بنائے گا اور کاریگروں کو گوبی بھیج دے گا۔

اُس نے کہا "تم نے یہ اچھا کیا کہ میری فوج کے لئے غلّہ فراہم کر دیا۔ اب میرے سرداروں کے سامنے تمام زر و جواہر پیش کر دو۔ تم نے کہیں نہ کہیں چھپا رکھے ہوں گے۔ تمہارے مکانوں میں جو کچھ کھلا ہوا رکھا ہے اُس کی فکر نہ کرو۔ وہ ہم خود سمیٹ لیں گے۔"

بخارا کے امرا مغلوں کے ایک دستے کی حراست میں تھے جو انہیں دن رات گھیرے رہتا۔ بعضوں کو اس شک کی بنا پر کہ انہوں نے اپنی تمام چھپی ہوئی پونجی پیش نہیں کی طرح طرح کے عذاب دیئے گئے مغل افسروں نے رقاصاؤں اور مغنیوں کو طلب کر کے اُن سے اس ملک کے گیت سنے۔ شراب کے جام ہاتھوں میں لئے یہ مغل بڑی متانت سے مساجد اور محلات میں جا بیٹھتے اور شہروں اور باغوں کی اس دنیا میں عیاشی کرتے۔

قلعہ کا محافظ دستہ آخر تک بہادری سے اڑا رہا اور مغلوں کو اتنا نقصان پہنچایا کہ انہیں تاؤ آگیا۔ تب کہیں قلعہ سر ہوا اور قلعہ دار اور اس کے ساتھی مارے گئے۔ جب زر و جواہر میں سے ایک ایک چیز تہہ خانوں اور کنوؤں اور زمین کھود کھود کے نکالی جا چکی تو شہر کی ساری آبادی پکڑ پکڑ کے میدان میں لائی گئی۔ ایک مسلمان مؤرخ نے ان لوگوں کی مصیبت

اور اذیت کی بڑی واضح تصویر کھینچی ہے۔

"یہ دن بڑا عبرت ناک تھا۔ ہر طرف مردوں، عورتوں اور بچوں کے نالہ و بکا کی آواز آتی تھی جو ایک دوسرے سے چھڑائے جا رہے تھے۔ وحشیوں نے عورتوں کی اُن کے قریبی رشتہ داروں کے سامنے عصمت دری کی اور وہ بجز فریاد و زاری کے کچھ نہ کر پائے۔ بعض مرد جو اپنے گھر کی عصمت کو اس طرح برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے، مغل سپاہیوں پر جھپٹ پڑے اور لڑتے ہوئے مارے گئے۔"

شہر کے مختلف حصوں میں آگ لگائی گئی اور لکڑی اور پکّی اینٹوں کے ڈھانچوں سے شعلے لپکنے لگے۔ بخارا سے دھوئیں کا ایسا کثیف بادل بلند ہوا کہ سورج روپوش ہو گیا۔ قیدیوں کو سمرقند کی طرف ہنکایا گیا اور چونکہ وہ مغل سواروں کی رفتار سے پیدل نہیں چل سکتے تھے۔ اس لئے اس مختصر کوچ کے دوران میں اُنہیں طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں۔

چنگیز خاں خود بخارا میں دو ہی گھنٹے ٹھہرا تھا اور اس کے بعد تیزی سے خوارزم شاہ کے تعاقب میں سمرقند روانہ ہو گیا تھا۔ راستے میں اسے اُردو کے وہ دستے ملے جو سیر دریا کی طرف سے آ رہے تھے اور اس کے بیٹوں نے اُسے شہروں کی شمالی قطار کی فتح کی خبر سنائی۔

سمرقند خوارزم شاہ کے شہروں میں سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ اس نے باغوں کے باہر ایک نئی عظیم الشان فصیل کی تعمیر شروع کی تھی، لیکن مغل اس تیزی سے بڑھ آئے تھے کہ یہ نئی فصیل مکمل نہیں ہونے پائی تھی۔ لیکن پرانی فصیلیں خود بہت مضبوط اور سنگین تھیں جن کے بارہ آہنی دروازے تھے اور دروازوں کے دونوں جانب بُرج تھے۔ بیس مسلح ہاتھی اور ایک لاکھ دس ہزار ترک اور ایرانی سپاہی شہر کی حفاظت کے لئے وہاں رکھے گئے تھے۔ مغلوں کی تعداد محصوروں کے مقابلے میں کم تھی اور چنگیز خاں نے طویل محاصرے کی تیاری شروع کی اور اس کے لئے آس پاس کے دیہاتوں کی آبادی اور بخارا کے قیدیوں کو زبردستی کام پر لگایا۔

اگر شاہ یہاں اپنی اس فوج کے ساتھ جما رہتا یا کم سے کم تیمور ملک جیسا سردار سمرقند کا قلعہ دار ہوتا تو یہ شہر اس وقت تک تو ضرور اپنی مدافعت کر سکتا جب تک غذا باقی رہتی۔ لیکن مغلوں کی تیز اور باقاعدہ تیاریوں سے یہاں کے لوگ ڈر گئے۔ جنہوں نے دور سے قیدیوں کے اس بے شمار جم غفیر کو دیکھا اور اردو کی تعداد کا اصل سے بہت زیادہ کا اندازہ لگایا۔ محافظ فوج نے ایک مرتبہ قلعہ سے باہر نکل کے حملہ کیا، لیکن مغلوں نے حسب معمول چھپ کر حملہ کیا اور انہیں بُری طرح شکست دی۔ اس جھڑپ میں جو نقصان ہُوا اُس سے محصور فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور ایک دن جبکہ چنگیز خاں فصیل کے ایک حصہ پر حملہ کر کے اندر گھس آنے کی کوشش کر رہا تھا شہر کے قاضی اور امام مغلوں کے پاس پہنچے اور شہر ان کے حوالے کر دیا۔ تیس ہزار قنقلی ترک اپنی مرضی سے مغلوں سے جا ملے، ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ اُنہیں مغل وردیاں دی گئیں اور دو ایک روز بعد رات کو اُن کا قتل عام کر دیا گیا۔ مغلوں کو خوارزم کے ترکوں کا اعتبار نہیں تھا، نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ انہوں نے اپنے پہلے مالک سے غداری کی تھی۔

شہر کے صناع اور کاریگر پکڑ پکڑ کے اُردو میں پہنچائے گئے۔ مضبوط نوجوانوں کو دوسرے مشقت کے کاموں کے لئے غلام بنایا گیا اور باقی آبادی کو واپس گھر جانے کی اجازت ملی لیکن دو ایک سال بعد وہ بھی اردو کی نذر ہو گئے۔

لیو چیتسائی نے سمرقند کو دیکھ کر لکھا تھا "شہر کے اطراف بیسیوں میل تک ہر طرف باغ ہیں، چمن، پھولوں کے گلستان ہیں، پانی کی نہریں ہیں، بہتے ہوئے چشمے ہیں، حوض ہیں اور مدوّر تالاب ہیں۔ اس میں کیا شک کہ سمرقند بڑا ہی دلکش مقام ہے۔"

سولھواں باب

ازخاناں کی شہسواری

سمرقند میں چنگیز خاں کو یہ اطلاع ملی کہ خوارزم شاہ شہر کو چھوڑ کے جنوب کی طرف نکل گیا ہے۔ مغل سردار اِس پہ تُلا ہُوا تھا کہ شاہ کو کمک پہنچنے سے پہلے قید کر لیا جائے۔ اب تک خوارزم شاہ سے مڈبھیڑ کرنے کی کوشش میں خود اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی اب اس نے قطعی احکامات کو صادر کر کے جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو شاہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ احکامات یہ تھے کہ "دنیا بھر میں محمد خوارزم شاہ جدھر کا رُخ کرے ادھر اس کا تعاقب کرنا۔ زندہ ہو یا مردہ اُسے حاصل ضرور کرنا۔ جو شہر ہتھیار ڈال دیں اور اپنے دروازے کھول دیں انہیں تباہ نہ کرنا مگر جن جن قلعوں سے مدافعت کی جائے انہیں حملہ کر کے فتح کر لینا میرے خیال میں یہ کام اتنا مشکل نہیں۔ جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔"
یہ عجیب طرح کا کام تھا کہ ایک شہنشاہ کا ورجن بھر سلطنتوں میں تعاقب کیا جائے۔ اِس کام کو سب سے زیادہ نڈر اور خون ہی انجام دے سکتے تھے۔ جنہوں نے کبھی ناکامی کا مُنہ نہ دیکھا تھا۔ بیس ہزار آدمیوں کے دو تومان اُن کے حوالے کئے گئے۔ ان احکامات اور اس سوار فوج کے ساتھ دونوں اور خونوں نے فی الفور جنوب کا رُخ کیا۔ یہ اپریل ۱۲۲۰ء کا واقعہ ہے جو مغل جنتری کے حساب سے سالِ مار تھا۔

محمد خوارزم شاہ سمرقند سے جنوب کی طرف بلخ گیا تھا جو افغانستان کے سربلند کہساروں کے سرے پر واقع ہے۔ حسبِ معمول اس نے پھر یہاں پس وپیش کی جلال الدین شمال میں بہت بحر جند کے ریگ زاروں کے جنگجو قبیلوں کی ایک نئی فوج بھرتی کر رہا تھا

لیکن چنگیز خان بخارا میں خوارزم شاہ اور اس نئی فوج کے درمیان حائل تھا اور اس فوج سے اتصال ممکن نہ تھا۔

خوارزم شاہ نے افغانستان جانے کا ارادہ کیا جہاں جنگجو قبیلے اس کا راستہ دیکھ رہے تھے لیکن آخر کار مختلف مشوروں اور خود اپنے ہراس و خوف کے درمیان ہچکچا کے اس نے مغرب کا رُخ کیا اور ویران سرزمینوں سے ہوتا ہوا شمالی ایران کے پہاڑوں کے سلسلوں کو عبور کر کے وہ نیشاپور پہنچا۔ اپنی دانست میں وہ مغل اردو کو پانچ سو میل پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو آمو کے کنارے ایک مضبوط قلعہ بند شہر ملا جو دریا کا راستہ روکے تھا۔ اپنے گھوڑے تیرا کے انہوں نے دریا عبور کیا اور اپنے ہراول سپاہیوں سے انہیں اطلاع ملی کہ محمد شاہ بلخ کو خالی کر کے بھاگ گیا ہے۔ اُنہوں نے بھی مغرب کا رُخ کیا مگر ایک دوسرے سے الگ ہو کے کیونکہ یہی زیادہ محفوظ طریقہ تھا اور اس طرح گھوڑوں کو زیادہ گھاس ملنے کا امکان تھا۔

ان منتخب تومانوں میں ہر سپاہی کے پاس کئی کئی گھوڑے تھے، سب کے سب اچھی حالت میں، اور منتشر چشموں اور نالوں کے کنارے گھاس ہری ہری اور تازی تازی تھی۔ دن بھر میں وہ کوئی اسی میل کی مسافت طے کرتے تھے اور دن میں کئی بار تازہ دم گھوڑے بدلتے تھے۔ صرف مغرب کے وقت وہ پکا ہوا کھانا کھانے کو اترتے تھے۔ صحرا کے ختم پر انہیں مرو کے گلستان اور مرو کی سفید فصیلیں نظر آئیں۔

اس کا اطمینان کر کے کہ شاہ اس شہر میں نہیں ہے۔ انہوں نے نیشاپور کی طرف اپنے راہواروں کے رُخ پھیر دیئے۔ خوارزم شاہ کی آمد کے تین ہفتے بعد وہ نیشاپور میں تھے مگر خوارزم شاہ اُن کی آمد آمد کی خبر سُن کر شکار کے بہانے پہلے ہی اس شہر سے بھاگ چکا تھا۔ نیشاپور کے قلعوں کے دروازے بند کر لئے گئے اور راہ روں نے

بڑی شدت سے دھاوا کیا۔ فصیلوں پر قبضہ کرنے میں تو انہیں کامیابی نہیں ہوئی، لیکن اس کا یقین ہو گیا کہ شاہ اس شہر میں نہیں ہے۔

انہوں نے پھر سے شکار کا راستہ سونگھا اور اس راستے پر ہو لئے، جس سے ہو کر قافلے بحر خزر کے کنارے جاتے تھے۔ راستے میں شاہ کی باقی ماندہ فوج کے اُن دستوں کو تتر بتر کر دیا۔ انہوں نے مغلوں کے خوف سے اس علاقے میں پناہ لی تھی۔ جدید طہران کے قریب انہوں نے تیس ہزار سپاہیوں کی ایک ایرانی فوج کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دی۔

اب وہ پھر الگ ہو گئے ــــ تھوڑی دیر کے لئے مفرور شہنشاہ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ سوبدائی بہادر شمال پہاڑی علاقوں میں بڑھا اور جبی نویان جنوب میں دشتِ نمک کے کنارے کنارے۔ اب وہ خوارزم کی سلطنت کے باہر کے علاقے میں تھے اور اپنے آنے کی خبر سے پہلے ہی اس نئے علاقے میں پہنچ چکے تھے۔

اس درمیان میں محمد خوارزم شاہ نے پہلے اپنے حرم اور پھر اپنے خزانے کو اور کہیں بھیج دیا اور خود بغداد جانے کا ارادہ کیا۔ مغلوں نے کچھ عرصہ بعد حرم اور خزانے پر قبضہ کر لیا۔ بغداد پر اُسی عباسی خلیفہ کی حکومت تھی جس سے کچھ دن پہلے خوارزم شاہ کی اَن بن تھی۔ اس نے ادھر ادھر سے کچھ آدمی چُنے، چند سو ساتھی۔ اور اس شاہراہ پر چل پڑا جو بغداد جاتی تھی۔

لیکن ہمدان کے قریب اُس کے عقب ہی میں پھر مغل نمودار ہوئے۔ اُس کے آدمی منتشر کر دیئے گئے اور کچل ڈالے گئے۔ کچھ تیر اس پر بھی چلائے گئے۔ لیکن مغلوں نے اُسے پہچانا نہیں۔ وہ بچ کے تیزی سے بحیرۂ خزر کی جانب روانہ ہوا۔ اُس کے محافظ دستے کے کچھ ترک سپاہی اس سے متنفر اور باغی ہو گئے اور اس نے مصلحت اسی میں جانی کہ بجائے شاہی خیمے کے، قریب ہی ایک چھوٹے سے خیمے

میں رات گذارے۔ جب صبح ہوئی تو اُس نے دیکھا کہ خالی شاہی خیمہ تیروں سے چھدا ہُوا تھا۔

اس نے اپنے ایک افسر سے پوچھا "کیا اس دنیا میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے جہاں میں مغلوں کی برق و رعد سے محفوظ رہ سکوں"۔

اُسے مشورہ دیا گیا کہ کشتی پر سوار ہو کے بحیرۂ خزر میں دُور ایک جزیرے میں روپوش ہو جائے تاوقتیکہ اُس کے بیٹے اور اس کے اتابک اس کی حفاظت کے لئے طاقتور فوج جمع کر لیں۔

محمد خوارزم شاہ نے یہی کیا۔ اپنے چند عجیب الخلقت ساتھیوں کے ساتھ بھیس بدل کے وہ پہاڑوں کے درّوں اور گھاٹیوں سے ہوتا ہُوا بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹے سے پُرامن قصبے میں پہنچا۔ جہاں زیادہ تر ماہی گیروں اور تاجروں کی آبادی تھی۔ خوارزم شاہ اگرچہ کہ درماندہ اور بیمار تھا، اس کا دربار اس کے ساتھ نہ تھا، نہ غلام و خدام تھے، اور نہ ساقی، پھر بھی اُسے اپنے نام و نمود کا خیال تھا۔ اس نے ضد کر کے جامع مسجد میں نماز ادا کی اور بہت جلد یہ راز فاش ہو گیا کہ وہ کون ہے۔ ایک مسلمان شخص نے جسے خوارزم شاہ کے ہاتھوں نقصان پہنچا تھا، مغلوں کو اس کا پتہ نشان بتا دیا۔ مغل قزوین میں ایک ایرانی لشکر کو شکست دے چکے تھے اور پہاڑوں میں خوارزم شاہ کا تعاقب کر رہے تھے۔ مغل اُس قصبے میں جس میں اُس نے پناہ لی تھی عین اس وقت داخل ہوئے جب وہ ایک ماہی گیر کی کشتی پر سوار ہو رہا تھا۔

تیر برسائے گئے مگر کشتی کنارے سے دُور ہوتی گئی۔ بعض خانہ بدوش مغلوں نے طیش کے عالم میں پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور کشتی کے تعاقب میں اس وقت تک تیرتے رہے جب تک انسان اور جانور دونوں میں طاقت رہی اور پھر وہ لہروں

میں ڈوب گئے۔

اگرچہ کہ وہ کبھی شاہ کو پکڑ نہ پائے۔ لیکن وہ اس کا کام تمام کر چکے تھے۔ بیماری اور مصیبتوں سے چور چور ہو کے یہ مسلمان شہنشاہ اس جزیرے میں جاں بحق ہوا جب وہ مرا تو اس قدر مفلس تھا کہ اُس کے ایک رفیق کی قمیص نے کفن کا کام دیا۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر —— ان دونوں کہنہ مشق غارت گروں کو، جنہیں شاہ کو زندہ یا مُردہ پکڑ لانے کا حکم ملا تھا، یہ علم نہ تھا کہ اپنے ہی جزیرے پر شاہ زمین کے نیچے دبا پڑا ہے —— ایک اور بدنصیب جس کی تقدیر چین کے وائی ونگ، اور خود طغرل خان، اور تُوکتا بیگ اور کوشلوک سے بہتر نہ تھی۔ انہوں نے خان کو اُس کے خزانے کا بیشتر حصہ روانہ کیا جو سوبدائی بہادر نے بڑی ہوشیاری سے لوٹا تھا۔ اُس کے حرم کے زیادہ تر افراد کو بھی چنگیز خاں کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ پیغام کہ خوارزم شاہ کشتی میں بیٹھ کر مشرق کی طرف گیا ہے۔

چنگیز خاں نے یہ سمجھ کر کہ خوارزم شاہ اپنے بیٹے سے اُورگنج میں جا ملے گا۔ اس سمت ایک لشکر روانہ کیا۔

لیکن سوبدائی بہادر جو بحیرۂ خزر کے پاس کی برف پوش چراگاہوں میں سردیاں گذار رہا تھا، اُس نے یہ ارادہ کیا کہ شمال کی طرف یلغار کر کے، سمندر کا چکر لگا کے، پھر شاہ کے تعاقب میں جا پہنچے۔ اُس نے ایک قاصد کو سمرقند بھیج کے اس سفر کی اجازت چاہی۔ چنگیز خاں نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اورخون کی فوج کو مزید تقویت دینے کے لئے کئی ہزار ترکمانوں کی کمک روانہ کی۔ ادھر سوبدائی بہادر اپنے طور پر اپنی فوج میں وحشی کُردوں کو بھرتی کر رہا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے جنوب کا رُخ کر کے اُن شہروں کا محاصرہ اور تسخیر کر کے جن کے قریب سے وہ خوارزم شاہ کے تعاقب کے وقت گذرے تھے، مغلوں نے پھر شمال کا رُخ کیا اور قفقاز میں داخل ہوئے۔

انہوں نے گرجستان پر یورش کی۔ مغلوں اور پہاڑی جنگجوؤں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ جبی نویان اُس طویل وادی کے ایک جانب روپوش ہو گیا جو طفلس کی طرف جاتی ہے اور سوبدائی بہادر نے مغلوں کی وہی پُرانی چال چلی، گویا اُس کے قدم اُکھڑ چکے ہیں اور وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ پانچ ہزار آدمی جو روپوش تھے۔ گرجستانیوں کے پہلو پر پل پڑے، جن کا اس جنگ میں بڑا بُرا حشر ہُوا۔

مغلوں نے قفقاز کے سنگین دروں میں کاٹ کاٹ کے اپنے لئے راستہ بنایا اور سکندرِ اعظم کے آہنی دروازے سے ہو کر نکلے۔ شمال کی ڈھلوانوں پر پہنچ کے پہاڑی قوموں کے ایک لشکر کو انہوں نے اپنے مقابل پایا۔ الان، چرکس اور قبچاق قبیلے اُن کے مقابلے میں جمع ہو کے صف آرا تھے۔ تعداد میں یہ مغلوں سے کہیں زیادہ تھے اور مغلوں کے لئے واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ نہ تھا۔ لیکن سوبدائی بہادر نے بڑی ترکیب سے خانہ بدوش قبچاقیوں کو دوسروں سے الگ کر دیا، اور پھر مغلوں نے تنومند الان اور چرکس کی صفوں میں گھوڑے جھونک دیئے۔

پھر بحیرۂ خزر کے پار کے نمک سے بھرے ہوئے میدانوں میں قبچاقیوں کا تعاقب کر کے اِن چین کو غارت کرنے والے غارت گروں نے ان ہوشیار خانہ بدوشوں کو بھی تتر بتر کر کے انہیں شمال کے روسی شہزادوں کی سرزمینوں میں ڈھکیل دیا۔

اب ایک نئے اور بڑے بہادر دشمن کا سامنا ہُوا۔ بیاسی ہزار رُوسی جنگ جُو کیف اور دور دراز کے روسی حکمرانوں کے علاقوں سے آ کے جمع ہوئے۔ دریائے نیپر کے ساتھ ساتھ وہ نیچے کی طرف بڑھے اور قبچاقیوں کے طاقتور دستے اُن کے لئے ہراول کا کام دیتے تھے۔ وہ بڑے مضبوط شہسوار تھے، ڈھالیں سنبھالے رہتے تھے، اور وہ مدتِ مدید سے میدانوں کے خانہ بدوشوں سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔

نو روز تک مغل دریائے نیپر سے ہٹ کے پیچھے پلٹتے رہے، یہاں تک کہ

وہ ایک ایسے مقام پر جا پہنچے جسے انہوں نے جنگ کے لئے پہلے سے منتخب کر لیا تھا۔ شمالی جنگجو مختلف خیمہ گاہوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سب کے الگ الگ سردار تھے اور ہر جتھا اپنی جگہ پر بڑا طاقتور تھا۔ لیکن سب آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ سوبدائی کی طرح اُن کا کوئی مرکزی سردار نہ تھا۔ پہلی جھڑپ میں نو روز تک روسیوں اور مغلوں کے درمیان میدان میں لڑائی ہوتی رہی۔ کیف کا ذی شان شہزادہ اور اس کے بہت سے امرا ان کافروں کے ہاتھ مارے گئے اور روسی فوج میں جو باقی بچے وہ پھر دریائے نیپر کے کنارے کنارے شمال کو واپس چلے گئے۔

سوبدائی بہادر اور جبی نویان اب پھر اپنی مرضی کے مالک تھے، یہ دور تک چکر لگاتے تے قدم میں گھس گئے اور وہاں جینوا کی ایک قلعہ بند تجارتی کوٹھی کو تسخیر کر لیا۔ اس کے بعد وہ معلوم نہیں اور کیا کرتے۔ وہ دریائے نیپر کو پار کر کے یورپ پر یورش کرنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ چنگیز خاں، جس کو قاصدوں کے ذریعے اُن کی نقل و حرکت کی اطلاع برابر مل رہی تھی کا حکم پہنچا کہ وہ کوئی دو ہزار میل مشرق میں فوراً اس سے واپس آملیں۔

راستے میں جبی نویان مر گیا۔ اس پر بھی مغلوں نے چلتے چلتے ایک اور چکر لگایا اور بلغاریوں پر، جو اُس زمانے میں دریائے وولگہ کے کنارے آباد تھے۔ حملہ کر کے انہیں تاخت و تاراج کر ڈالا۔

یہ عجیب و غریب یلغار تھا، اور غالباً آج تک انسان کی شہسواری کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس عجیب کام کو ایسے ہی انسان انجام دے سکتے تھے جنہیں غیر معمولی قوت برداشت عطا ہوئی تھی اور جنہیں اپنی قوت پر پورا پورا اعتماد تھا۔

ایک فارسی مؤرخ لکھتا ہے: "آپ نے کبھی نہیں سنا کہ مشرق کی

سرزمین سے انسانوں کے ایک گروہ نے خروج کیا اور بحیرۂ خزر کے دور دور تک روئے زمین پر ویرانہ گذرتا چلا گیا۔ اور راستہ بھر انسانوں کو نیست و نابود کرتا گیا، اور ہر جگہ موت کے بیج بوتا گیا، اور پھر زندہ اور توانا مالِ غنیمت کے ساتھ اپنے مالک کے پاس واپس لوٹ آیا اور یہ سارا واقعہ دو سال کے اندر اندر پیش آیا۔"

ان دو مغل دستوں نے طول البلد کے نوّے درجوں کی حد تک جو یلغار کی تھی، اس سے عجیب عجیب نتیجے پیدا ہوئے۔ ان نبرد آزماؤں کے ہم رکاب ختا کے علما اور ایغوری اور نسطوری عیسائی بھی تھے۔ کم سے کم تاریخوں میں ہمیں ایسے مسلمان سوداگروں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے مغل لشکر میں بعض لوگوں کے ہاتھ عیسائی مقدس کتابوں کے نسخے منافع کے ساتھ فروخت کیے۔

سوبدائی بہادر نے یہ یلغار اندھوں کی طرح نہیں کی تھی چینیوں اور ایغوروں نے نقشوں پر جا بجا نشانات لگائے کہ یہاں ہم نے یہ دریا پار کیا ان جھیلوں میں مچھلیاں ملتی ہیں اور یہاں نمک اور چاندی کی کانیں ہیں۔ اور سڑکوں کے کنارے ہرکاروں کے لئے چوکیاں تعمیر کی گئیں، اور مفتوحہ ضلعوں میں داروغہ مقرر کیے گئے۔ جنگ جو مغل کے ساتھ ساتھ نظم و نسق کرنے والا چینی عامل بھی ہوا کرتا تھا۔ ایک آرمینیہ پادری جسے اسیر کر کے مغلوں نے اس لئے ساتھ رکھا تھا کہ وہ خطوں کو پڑھ کر سنا سکے یہ بتاتا ہے کہ قفقاز کے نیچے کی سرزمینوں میں دس سال سے زیادہ عمر کے مردوں کی آبادی کی مردم شماری بھی کی گئی تھی۔

سوبدائی بہادر کو جنوبی روس کی عظیم الشان، کالی مٹی والی چراگاہوں کا

پتہ چل گیا تھا۔ وہ ان میدانوں کو نہیں بھولا۔ کئی سال بعد وہ دُنیا کے اس سرے سے پھر واپس لوٹا اور اس نے ماسکو کو تاراج کیا۔ اُس نے پھر اُس مقام سے آگے اپنا یلغار شروع کیا جہاں سے اُسے چنگیز خاں نے واپس بُلا لیا تھا۔ اس نے نیپر کو عبور کرکے مشرقی یورپ پر یورش کی۔

اور جینوا اور وینس کے تاجروں کو مغلوں سے ملنے کا موقع ملا۔ اگلی نسل میں وینس کے پولاس خاندان کے دو افراد خانِ اعظم کی سلطنت کے سفر کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔

سترھواں باب

چنگیز خاں کا شکار

ادھر وہ دونوں اور خون بحیرۂ خزر کے پچھم میں یورش کر رہے تھے، ادھر خان کے دو بیٹے اُس دوسرے سمندر تک جا پہنچے جو چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے اور جسے بحیرۂ خوارزم کہتے ہیں۔ وہ اس لئے بھیجے گئے تھے کہ محمد شاہ کے متعلق اطلاع بھیجیں اور اگر وہ واپس پلٹے تو اس کا راستہ روک دیں۔ بالآخر جب انہیں اطلاع ملی کہ وہ تو مر کے دفن بھی ہو چکا تو وہ دریائے آمو کے چکنی مٹی کے کنارے کے راستے سے خوارزمیوں کے آبائی شہر کو واپس ہوئے۔

یہاں مغلوں نے بڑے طویل اور سخت محاصرے کا آغاز کیا۔ بڑے بڑے پتھر یہاں قریب میں نہیں ملتے تھے اس لئے اُن کے بجائے درختوں کے قدآور تنوں کو پانی میں بھگو بھگو کے اس قدر وزنی بنایا گیا کہ منجنیقوں سے پھینکنے کے کام آسکیں۔ ایک ہفتہ تک فصیل کے اندر دست بدست لڑائی ہوتی رہی۔ اس میں مغلوں نے مورخوں کے بیان کے مطابق روغنِ نفط استعمال کیا۔ اس کا استعمال انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہوگا جو اس کو یورپ کے صلیبی جنگجوؤں کے مقابلے میں بڑے موثر طریقے پر پھینکا کرتے تھے۔ بالآخر خوارزم کا دارالسلطنت اورگنج فتح ہوگیا اور خان کے دونوں بیٹے قیدیوں اور مالِ غنیمت کے ساتھ خان کے قلب لشکر کو واپس ہوئے۔ لیکن کمزور باپ کا جری فرزند جلال الدین خوارزم اُن کے چنگل سے بچ کر نکل گیا تاکہ اُن کے مقابلے میں تازہ فوجیں فراہم کر سکے۔

اِس عرصہ میں سخت گرمیوں کے زمانے میں چنگیز خاں نے نشیبی میدانوں سے اپنی فوجیں ہٹا لیں۔ یہاں بڑی جھلسانے والی خشک گرمی پڑتی تھی جو اُس کے سپاہیوں کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی کیونکہ وہ گوبی کے بلند میدانوں کی آب وہوا کے عادی تھے۔ وہ انہیں آمو کے اُس پار کے خنک پہاڑوں میں لے گیا۔

گھوڑوں کے گلے چراگاہوں میں چرنے میں مشغول تھے۔ اس نے اپنی فوج کو مصروف رکھنے کے لئے اور ان کی تنظیم برقرار رکھنے کے لئے موسم بھر کے شکار کا حکم نافذ کیا۔ یہ اردو کا بڑا محبوب مشغلہ تھا۔

شکار مغلوں کے لئے باقاعدہ یورش اور حملے سے کم نہ ہُوا کرتا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اس میں بجائے انسانوں کے جانوروں سے مقابلہ کیا جاتا۔ شکار میں پورا اردو حصہ لیتا۔ اس کے قاعدے خود خان نے مرتب کئے تھے اور اس لئے اٹل تھے۔

میر شکار جوجی کسی اور مہم پر باہر مصروف تھا۔ اس لئے اس کا نائب گھوڑا دوڑاتا ہُوا پہاڑیوں میں کئی سو میل کا چکر کاٹ کے شکار کے لئے دیکھ بھال کر آیا۔ مختلف دستوں کے لئے جھنڈے نصب کر دیئے گئے کہ وہ کہاں کہاں سے شکار کے لئے آگے بڑھیں۔ افق کے اُس پار گرتائی کا اِنتخاب کیا گیا۔ گرتائی وہ مقام ہوتا تھا جہاں شکار کا شکنجہ تنگ کیا جاتا تھا اور اس پر بھی نشان لگا دیا گیا۔

اب دیکھئے۔ اردو کے دستے بڑی توانائی اور تندرستی کے عالم میں دائیں بائیں آگے بڑھے۔ شکاریوں کا حکم ہُوا تو کھلی ہوا میں راتوں کو بسیرا کر لیا۔ انتظار کرتے رہے کہ خان کی سواری آجائے اور پھر قرناؤں اور باجوں کے شور کے بعد اُنہیں آگے جھپٹنے کا حکم ملے۔ وہ ایک ہلکے سے نیم دائرے کی شکل میں اسّی میل زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔

جیسے ہی خان کی سواری آپہنچی اور خان کے جلو میں بڑے بڑے سپہ سالار

شہزادے اور خان کے جواں سال پوتے آ گئے، شہسوار اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ دو قطاروں میں جم کے صف آرا ہوئے۔ اُن کے پاس وہ تمام ہتھیار اور وہ سارا ساز و سامان تھا۔ جو انسانوں کے مقابل میں لڑنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ان کے علاوہ بید کی ڈھالیں بھی تھیں۔

گھوڑے موج در موج آگے بڑھے۔ افسر پیچھے رہ گئے اور سپاہیوں نے آگے بڑھ کے جانوروں کو ہانک لگائی۔ سپاہیوں کو ممانعت تھی کہ جانوروں کے مقابلے میں ہتھیار استعمال نہ کریں۔ اگر کوئی چوپایہ شکاریوں کی صف سے بچ کر نکل جاتا تو یہ بڑی ذلت کی بات سمجھی جاتی۔ وہ جھاڑیوں کو کچلتے ہوئے، گھاٹیوں کو چھانتے ہوئے، اور پہاڑیوں پر چڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ جب کوئی شیر یا بھیڑیا کسی جھاڑی سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا تو وہ بڑی زور سے نعرے لگاتے اور شور مچاتے۔

رات کو زیادہ مشکل پیش آتی۔ شکار کا پہلا مہینہ گذر جانے پر یہ حال تھا کہ جانوروں کی بہت بڑی تعداد انسانوں کے اس نیم حلقے کے آگے آگے مجتمع ہو گئی تھی۔ سپاہی پڑاؤ میں رات بسر کرتے، الاؤ جلاتے۔ سنتری مقرر تھے۔ یہاں تک کہ معمولِ جنگ کے مطابق اندر داخل ہونے یا باہر جانے کے لئے راز کا لفظ بھی رائج ہوتا۔ افسر پڑاؤ کا گشت کرتے۔ ایسے وقت میں طلایہ گردی آسان نہیں تھی۔ جب کہ پہاڑوں کے سارے چوپائے اُن کے آگے آگے اِدھر سے اُدھر پھرتے تھے۔ چوپایوں کی آنکھیں زمین پر شعلوں کی طرح چمکتی معلوم ہوتیں۔ بھیڑیوں کے چلّانے اور چیتوں کے ڈکارنے کی آوازیں خاموشی کو بار بار توڑتیں۔

ایک مہینہ اور گذر جاتا تو دشواری بڑھ جاتی۔ اب نیم دائرہ سمٹ کے دائرہ بننے لگتا اور جانوروں کے ہجوم کو بھی یہ اندازہ ہونے لگتا کہ انہیں ہنکایا جا رہا ہے۔ اب شکار کی سخت گیری میں کسی طرح کی نرمی کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی لومڑی زمین میں

گھس جاتی تو زمین کھود کے اُسے نکالا جاتا۔ اگر کوئی ریچھ چٹانوں کے درمیان کسی سوراخ میں جا چھپتا تو کسی نہ کسی سپاہی پر لازم تھا کہ اُسے باہر نکالے اور شرط یہ تھی کہ ریچھ زخمی نہ ہونے پائے۔ نوجوان جنگجوؤں کے لیئے اپنی ہنرمندی اور بے خوفی کے جوہر دکھانے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ خاص طور پر اُس وقت جب کوئی اکیلا جنگلی سور یا جنگلی سوروں کا گلہ پلٹ کے سواروں کی صف پر حملہ کرتا۔

صف کا ایک حصّہ ایک موڑ پہ ایک دریا کے چوڑے پاٹ پہ جا نکلا۔ فوراً قاصد دوڑائے گئے کہ شکاریوں کے سارے نیم حلقے میں یہ حکم پہنچا دیں کہ جب تک دریا پار نہ کر لیا جائے۔ صف کا باقی حصّہ بھی ٹھہرا رہے۔ ہنکائے ہوئے جانور پہلے ہی دریا کو پار کر چکے تھے۔

سن رسیدہ چنگیز خاں کبھی یہاں، کبھی وہاں نمودار ہوتا۔ اپنے سپاہیوں کے تیور دیکھتا اور یہ دیکھتا کہ افسران سپاہیوں کی کس طرح نگہداشت کر رہے ہیں۔ شکار کے دوران میں تو اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن ایک ایک تفصیل اُسے اچھی طرح یاد تھی۔

شکاریوں کی رہبری میں سپاہیوں کا نیم حلقہ گرنائی کے قریب پہنچتے پہنچتے ہی تنگ حلقہ بن گیا۔ جانور اب اس دباؤ کو محسوس کرنے لگے۔ ہرن ادھر ادھر کلبلیں بھرتے نظر آتے اور اُن کے پہلو کانپتے ہوئے دکھائی دیتے۔ شیر ادھر ادھر ملپٹتے اور سر جھکا کے گرجتے۔ گرنائی سے باہر نظروں سے اوجھل حلقہ مکمل ہو گیا تھا اور شکار کے اطراف شکنجے کی طرح تنگ ہو رہے تھے۔ نقاروں، قرناؤں اور باجوں کی گونج اور چیخ پکار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اب سپاہیوں کی صفیں دُہری تہری تھیں۔ چنگیز خاں نے انسانوں اور بے قابو جانوروں کے ہجوم کے پاس پہنچ کر اشارہ کیا۔ سواروں نے اس کے آگے بڑھنے کے لیئے جگہ کر دی۔

پرانی رسم کے مطابق نرغے میں آئے ہوئے جانوروں کے درمیان سب سے پہلے

خان کو پہنچنا چاہیئے تھا۔ خان کے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار تھی دوسرے ہاتھ میں کمان۔
اب ہتھیار چلانے کی اجازت تھی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ سب سے زیادہ وحشی درندوں
کو چن کے چنگیز خاں نے اُن پر حملہ کیا۔ ایک شیر کو تیروں سے مارا اور بھیڑیوں کے
قریب پہنچ کے اپنے گھوڑے کی لگام روک لی۔

جب وہ کئی درندے مار چکا تو پھر حلقہ سے باہر نکل آیا اور ایک پہاڑی پر
چڑھ کے جہاں سے گرناٹی کا منظر نظر آتا تھا۔ شہزادوں اور سپہ سالاروں کے کرتب
دیکھتا رہا جو اُس کے بعد گرناٹی میں گھسے تھے۔ یہ مغلوں کا اکھاڑا تھا۔ یہاں کے کرتب
خانہ بدوشوں کے تھے اور رومۃ الکبریٰ کے اکھاڑوں کی طرح یہاں بھی یہ ہوتا تھا۔
کہ بہت سے لوگ جو اس میں داخل ہوتے۔ جانور اُن کی ہڈیاں چبا ڈالتے اور ان
کی لاش باہر پہنچائی جاتی۔

جب جانوروں کے قتلِ عام کی اجازت ملی تو اُردو کے جنگجو موج در موج
آگے بڑھے اور جو جانور سامنے آیا اُسے ہلاک کر ڈالا۔ شکار کو ہلاک کرنے کے لئے
ایک پورا دن وقف تھا۔ اس کے بعد دستور کے مطابق اُردو کے نوعمر شہزادے
اور چنگیز خاں کے پوتے اس کے سامنے حاضر ہو کے درخواست کرتے کہ باقی ماندہ
جانوروں کی جاں بخشی کی جائے۔ یہ درخواست قبول کر لی گئی اور شکاریوں نے
جانوروں کی لاشیں اکٹھا کرنی شروع کیں۔

اِس شکار کا مقصد سپاہیوں کو مشق کرانا تھا، اور سواروں کی حلقہ بندی
کا طریقہ ایسا تھا جو انسانوں کے ساتھ جنگ میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اس سال اس دشمن ملک میں چار مہینے تک شکار ہوتا رہا۔ چنگیز خاں خزاں
میں پھر سے یورش کی تیاری کر رہا تھا اور اپنے بیٹوں جوجی اور چغتائی سے ملنے کا
منتظر تھا، جو بحیرہ بحر جند کے کنارے سے خوارزم شاہ کی موت کی خبر لے کے آرہے تھے۔

اب تک مغل اسلامی ممالک میں بے روک ٹوک آگے بڑھتے چلے آئے تھے۔ انہوں نے اس سرعت سے دریاؤں کو عبور اور شہروں کو فتح کیا تھا جیسے اس زمانے میں کوئی مسافر قافلے اور نوکروں کے ساتھ ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچے۔ خوارزم شاہ غازی جو شروع میں کشور کشائی کے خواب دیکھتا رہا، اور آخر میں بڑا بزدل بن گیا، اپنی رعایا کو چھوڑ کے اپنی جان بچانے کی فکر میں بھاگ کھڑا ہوا تھا اور بھاگ کر بھی اُسے سوائے ذلت اور دربدری کے بے کفن دفن کے اور کچھ نصیب نہ ہوا تھا۔

ختا کے شہنشاہ کی طرح خوارزم شاہ نے بھی اپنی فوجیں قلعہ بند کر لی تھیں تاکہ وہ مغلوں کی سوار فوج سے محفوظ رہ سکے۔ یہ مغل فوج عین جنگ کے وقت تک نظروں سے اوجھل رہتی اور پھر بڑی ہی وحشت ناک خاموشی سے اُن اشاروں کے مطابق نقل و حرکت کرتی، جو جھنڈوں کو جنبش دے کے کئے جاتے۔ یہی اشارے افسر اپنے ہاتھوں کی جنبش سے اپنے سپاہیوں کے لئے دُہراتا۔ یہ اشارے دن کو کئے جاتے کیونکہ حرب و زور کے شور اور قرنا اور طبلِ جنگ کی گونج میں دشمن دوست کی آواز کی تمیز نہ رہتی اور کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی۔ رات کو اشارے کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ رنگین قندیلیں سپہ سالار کے نشان یا طوغ کے قریب اوپر چڑھائی یا اتاری جاتیں۔

سیر دریا کے کنارے کنارے پہلی یورش کے بعد چنگیز خاں نے اپنی فوج سمرقند اور بخارا میں اکٹھی کر دی تھی جسے وہ خوارزم شاہی سلطنت کے دو خاص الخاص شہر سمجھتا تھا۔ بلا کسی خاص دشواری کے اُس مدافعت کا یہ دوسرا حلقہ بھی درہم برہم کر دیا تھا۔ اب اس کا اُردو اس حصہ میں جمع تھا جسے دفاع کا تیسرا حلقہ کہا جا سکتا تھا۔ یہ ایران اور افغانستان کی شاداب پہاڑیوں کا علاقہ تھا۔

ابھی تک مغلوں اور ترکوں ـــ کافروں اور مسلمانوں ـــ کے درمیان جو جنگیں ہوئی تھیں وہ مسلمانوں کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوئی تھیں۔ ترک مغلوں کو قہر خداوندی کا مظہر سمجھنے لگے تھے۔ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ گناہوں کی سزا انہیں اسی دنیا میں مل رہی ہے۔

چنگیز خاں کی کوشش یہ تھی کہ ان کا یہ عقیدہ اور پختہ ہو جائے۔ اس نے احتیاطاً مشرق کی طرف اپنے پہلو کا علاقہ بھی صاف کر لیا تھا۔ آمو کے منبع کے قریب کی سطح مرتفع پر اس نے بنفس نفیس قبضہ کیا تھا اور مغرب کے ان شہروں کو فتح کرنے کے لئے اس نے فوج کے اور دستے بھیجے جن کو فتح کئے بغیر جبی نویان اور سوبدائی بہادر آگے نکل گئے تھے لیکن جن کے متعلق انہوں نے خان کو تفصیلی اطلاعیں بھیجی تھیں جب یہ ہو چکا تھا تو چنگیز خاں نے بلخ پر قبضہ کیا، اور اسی کے نواح کے علاقے میں اس نے شکار میں گرمیوں کا موسم بسر کیا تھا۔

یہاں اس نے مسلمان قوموں کے درمیان کی تجارتی شاہراہوں پر قبضہ کیا۔ وہ اس تمام عرصے میں معلومات فراہم کر رہا تھا اور اسے معلوم تھا کہ ابھی اور بھی تازہ دم فوجیں ہیں اور افق کے اس پار اس سے بھی زیادہ طاقتور سلطنتیں ہیں جیسے پہلے چینیوں نے اس کے مقابلے کے لئے اسلحہ بندی کی تھی۔ اب سارا عالم اسلام اس کے مقابلے کے لئے مسلح ہو رہا تھا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ کی موت اور اس کے دو بیٹوں کے مغلوں کے مقابلے میں شہید ہونے کے بعد مسلمان رعایا اپنے قدرتی رہنماؤں، ایرانی شہزادوں اور سیدوں کے جھنڈوں کے تلے مقابلے کے لئے جمع ہو رہی تھی۔

چنگیز خاں کو اس صورت حال کا علم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اصلی زور آزمائی کا موقع اب آنے والا ہے ـــ یہ کہ شائد دس لاکھ فوج، سوار اور پیدل کانٹے سے درست اس سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے کو تیار ہے۔ فی الحال اس فوج کا کوئی شایان شان سپہ سالار نہ تھا، اور یہ اس کے اطراف درجن بھر سلطنتوں میں منتشر تھی۔

یورش کے اس دوسرے سال میں مغل اردو کی جملہ تعداد بارہ تومانوں سے زیادہ

نہ ہو گی۔ یعنی ایک لاکھ سے کچھ زیادہ سپاہی۔ ایغوروں کا سردار ایدیقوت اور المالیق کا عیسائی بادشاہ اُس سے اجازت لے کے طیان شان کے پہاڑوں کے اُس پار واپس ہو چکے تھے۔ اُس کے بہترین سپہ سالار جبی نویان اور سو بدائی بہادر دو تومانوں کے ساتھ دور مغرب میں تھے۔ تغاچار نویان جو اُس کے باقی ماندہ اور خونوں میں سب سے زیادہ بھروسے کے قابل تھا۔ نیشاپور کے محاصرے میں کام آچکا تھا۔ مقولی بہادر ختا میں نیابت کا فرض انجام دے رہا تھا۔ اور خونوں کی تعداد گھٹ چکی تھی اور چنگیز خاں نے سو بدائی بہادر سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس کی۔

اس لئے اس نے اپنے اس محبوب سپہ سالار کو بحیرۂ خزر کے اُس پار سے واپس بلا بھیجا۔ سو بدائی فرمان کی تعمیل میں بلخ واپس آن پہنچا اور کچھ روز تک خان سے اور اس سے مشاورت ہوتی رہی۔ پھر وہ سوار ہو کے ایک ہزار میل کے فاصلے پر اپنے لشکر کے صدر کو واپس چلا گیا۔

اب خان کا مزاج بدل چکا تھا اور اب وہ شکار کے متعلق نہیں سوچ رہا تھا۔ اُس نے اپنے بڑے بیٹے جوجی کو ملامت کی کہ آپس کی لڑائی میں اس نے اور گنج کی تسخیر میں بہت دیر لگا دی۔ یا شاید اس لئے ملامت کی کہ اس نے جلال الدین خوارزم کو بچ کر نکل جانے دیا۔ ضدی اور گستاخ جوجی کو اُردو سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ اپنے نجی سپاہیوں کے ساتھ وہ بحیرۂ خوارزم کے اُس پار کی چراگاہوں کو چلا گیا۔

تب چنگیز خاں نے اپنے اردو کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ مناورے کرنے یا لاپروائی اور حقارت سے دشمن کو لوٹنے کھسوٹنے کے لئے نہیں۔ اس مرتبہ اس کا ارادہ تھا کہ اُس کے اطراف کے مسلمان ملکوں میں لڑنے بھڑنے کے قابل مردوں کی جو عظیم الشان آبادی ہے۔ اُس کا قتل عام کرے۔

اٹھارھواں باب

نُولی کا تختِ زرّیں

ایک خراسانی شہزادہ اپنے وقائع میں لکھتا ہے: "میں اُس زمانے میں اپنے قلعہ میں رہا کرتا تھا جو ایک اُونچے سنگلاخ قلۂ کوہ پر واقع تھا۔ یہ خراسان کے بڑے حصین قلعوں میں شمار ہوتا تھا اور اگر راوی کا قول صحیح ہے تو یہ اُس زمانے سے میرے آباؤ اجداد کے تصرّف میں تھا۔ جب کہ اس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چونکہ یہ قلعہ صوبہ کے مستقر کے نزدیک تھا، اس لئے یہ اُن چھوٹے ہوئے قیدیوں، اور تاتاریوں کے ہاتھوں اسیری یا موت سے پناہ گزین مفروروں کے لئے دارالامان کا کام دیتا تھا۔

"کچھ عرصہ بعد تاتاری اس قلعے کے سامنے نمودار ہوئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس قلعہ کا سر کرنا مشکل ہے تو وہ اس شرط پر محاصرہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہوئے کہ اس کے عوض میں اُنہیں سُوتی کپڑے کے دس ہزار لبادے، اور بہت سی اور وافر اشیا اور ساز و سامان دیا جائے حالانکہ وہ اس وقت نیشاپور کی تسخیر کے بعد مالِ غنیمت سے لدے ہوئے تھے۔

"میں اس پر راضی ہو گیا۔ لیکن جب یہ سوال پیدا ہوُا کہ خراج کا یہ سامان اُن تک کون لے جائے تو اس کے لئے کوئی تیار نہ ہوُا کیونکہ سب یہ جانتے تھے کہ چنگیز خاں کا معمول یہ تھا کہ جو کوئی مغلوں کے ہاتھ پڑتا تھا تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ بالآخر دو ضعیف العمر آدمی اس کام کے لئے تیار ہوئے۔ اپنے بال بچوں کو وہ میرے

حوالے کر گئے کہ اگر وہ قتل کر دیئے گئے تو میں اُن کے اہل و عیال کی کفالت کا ضامن بنوں اور یہی ہُوا کہ واپس جانے سے پہلے تاتاریوں نے ان دونوں بوڑھوں کو قتل کر دیا۔

"بہت جلد یہ وحشی سارے خراسان میں پھیل گئے۔ جب یہ کسی ضلع میں پہنچتے تو آگے آگے اُس علاقے کے دہقانوں کو ہنکاتے اور جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تو قیدیوں کو منجنیقوں اور محاصرے کے ساز و سامان کی تیاری کے لیے استعمال کرتے۔ ہر طرف ہراس و ویرانی طاری تھی جو قید ہو جاتا وہ اُس شخص کے مقابلے میں زیادہ مطمئن ہوتا جو اپنے گھر میں اس ششش و پنج میں رہتا کہ معلوم نہیں محاصرے کے بعد اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ منجنیقوں پہ غلامی کی محنت کے لئے سردار اور امیر بھی اپنے سپاہیوں اور غلاموں کے ساتھ ہنکائے جاتے۔ جو مغلوں کے حکم کی تعمیل نہ کرتا، بلا استثنا موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔"

خراسان کے زرخیز علاقوں پر حملے کے لئے چنگیز خاں نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے تولی کو، جو امیر جنگ بھی تھا، سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اُسے یہ حکم ملا تھا کہ وہ جلال الدین خوارزم کو تلاش کرے لیکن یہ خوارزمی شاہزادہ کسی طرح اُس کے ہاتھ نہ آتا تھا۔ مغل فوج نے مرو پر حملہ کیا۔ مرو کا شہر بیابان کا لعل سمجھا جاتا تھا اور خوارزم شاہوں کی تفریح گاہ تھا۔ یہ دریائے مرغاب کے کنارے آباد تھا اور اس کے کتب خانوں میں ہزارہا بیش بہا مسودے اور قلمی نسخے تھے۔

مغلوں نے اس شہر کے نواح میں ترکمانوں کے ایک دستے کو طلایہ کرتے دیکھا اور اُسے منتشر کر دیا۔ تولی نے فصیلوں کا چکّر لگا کے شہر کے حصاروں کا اندازہ لگایا۔ مغل صفیں اور قریب کر لی گئیں اور مکمل محاصرہ کر لیا گیا۔ ترکمانوں سے لوٹے ہوئے جانور چراگاہوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔

اس محاصرے میں چنگیز خاں کے اپنے محافظ دستے کے ایک ہزار چنے ہوئے مغل

مارے گئے اور تُولی کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ تُولی مرو کی فصیلوں پر پیہم حملے کرتا رہا۔ اُس نے خندق کے اطراف ریت کی دیوار سی بنائی اور حملے سے پہلے تیروں کی بوچھار کرتا رہا۔ اکیس دن تک یُونہی سخت لڑائی ہوتی رہی اور اس کے بعد جب لڑائی ذرا مدھم ہوئی تو مغلوں کے پاس ایک امام کو بھیجا گیا جس کی بڑی خاطر تواضع ہوئی اور جو حفاظت سے واپس اپنی فوج تک پہنچا دیا گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ یہ امام شہریوں کی طرف سے نہیں گیا تھا بلکہ اسے قلعہ دار نے بھیجا تھا جس کا نام مجیر الملک تھا۔ مطمئن ہو کے قلعہ دار خود چاندی کے ظروف اور مرّصع لبادوں کے بیش بہا تحائف لے کے مغلوں کے خیموں تک گیا۔

تُولی جو مکر و فریب میں طاق تھا، اس نے ایک اعزازی خلعت مجیر الملک کے لئے بھیجی اور اپنے خیمے آ کر کھانا کھانے کی دعوت دی اور یہاں اس نے ایرانی قلعہ دار کو یقین کرا دیا کہ اُس کی اپنی جان بخشی کر دی جائے گی۔

تُولی نے یہ تجویز پیش کی "اپنے دوستوں اور چنے ہوئے ساتھیوں کو بھی بُلالو میں اُن کو اعزاز و منصب بخشوں گا"۔

مجیر الملک نے ایک نوکر کو بھیج کے اپنے قریبی دوستوں کو بُلا بھیجا اور وہ بھی اس ضیافت میں قلعہ دار کے پاس آ بیٹھے۔ تولی نے اس وقت مرو کے چھ سو امیر ترین آدمیوں کی فہرست مانگی اور قلعہ دار اور اس کے دوستوں نے فرمانبرداری کے ساتھ یہ فہرست اُسے لکھ کے دے دی۔ جس میں شہر کے متموّل ترین زمینداروں اور تاجروں کے نام شامل تھے۔ پھر مجیر الملک نے دہشت کے عالم میں یہ دیکھا کہ مغلوں نے اُس کے تمام ساتھیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ تُولی کے افسروں میں سے ایک چھ سو آدمیوں کی اس فہرست کو لے کے مرو کے قلعے کے دروازے پر گیا۔ فہرست قلعہ دار کے قلم کی لکھی ہوئی تھی۔ اور اس نے قلعہ دار کے نام پر ان چھ سو آدمیوں کو طلب کیا۔

رفتہ رفتہ یہ چھ سو آدمی بھی آ گئے! اور انہیں حراست میں لے لیا گیا۔ اب مغلوں نے قلعے کے دروازے پر قبضہ کر لیا اور اُن کے سوار دستے مرو کی گلیوں میں گھس پڑے۔ شہر کے سارے باشندوں کو اپنے اہل و عیال سمیت باہر میدان میں نکلنے کا حکم دیا گیا، اور یہ حکم بھی ملا کہ جتنا سامان وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہوں لے جائیں۔ چار دن تک شہر خالی ہوتا رہا۔

ایک سنہرے تخت پر قیدیوں کے ہجوم میں بیٹھا ہُوا تُولی یہ سارا نظارہ دیکھتا رہا۔ اُس کے افسر چُن چُن کے ایران کے فوجی افسروں کو اُس کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ان افسروں کے سر کاٹے جاتے رہے اور مرو کی ساری رعایا بے بسی کے عالم میں دیکھتی رہی۔

پھر مرد، عورتیں، بچے تین گروہوں میں الگ الگ کئے گئے۔ مردوں کو زمین پر لیٹ جانے کا حکم ملا۔ اس طرح کہ اُن کے ہاتھ پُشت کی طرف بندھے تھے۔ اس پورے مجمع کو مغلوں میں تقسیم کر دیا گیا جو ان سب کا گلا گھونٹتے رہے یا ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہے۔ صرف چار سو کاریگر زندہ باقی رہنے دئے گئے۔ جن کی مغل اردو کو ضرورت تھی۔ کچھ بچے غلام بنا کے باقی رکھے گئے۔ چھ سو امیروں کا بھی یہی کچھ حشر ہوا۔ پہلے تو انہیں طرح طرح کے عذاب دیئے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بتا دیا کہ اُن کا مال و دولت کہاں کہاں دفن ہے۔

مغلوں نے خالی مکانوں کو خوب غارت کیا۔ دیواریں زمین کے برابر کر دی گئیں۔ پھر تولی نے باگ موڑی۔ سارے شہر میں بظاہر صرف پانچ ہزار مسلمان زندہ بچے جو تہہ خانوں اور نالیوں میں جا چھپے تھے۔ لیکن یہ بھی زیادہ دیر تک بچنے نہیں پائے۔ اردو کے کچھ سپاہی شہر کو واپس آئے۔ ان لوگوں کا کھوج لگا کے انہیں بھی قتل کر دیا۔ اور اس شہر میں ایک انسان بھی باقی نہیں رہنے دیا گیا۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے حیلے اور فریب سے مرو کے ساتھ کے اور شہر بھی فتح کر لیے گئے۔ ایک جگہ کچھ لوگوں نے اس طرح اپنی جان بچانا چاہی کہ لاشوں کے ہجوم میں خود بھی مُردہ بن کے لیٹ گئے۔ مغلوں نے یہ سُن کے یہ حکم جاری کر دیا کہ آئندہ سے شہر کے باشندوں کا جب قتلِ عام ہو تو ہر ایک کا سر قلم کر دیا جائے۔ ایک اور شہر کے ملبے میں کچھ ایرانی زندہ باقی رہ گئے تھے۔ مغلوں کا ایک دستہ اس حکم کے ساتھ واپس بھیجا گیا کہ ان باقی ماندہ آدمیوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالے۔ خانہ بدوش مغل ان کے پڑاؤ پر پہنچے اور ان بدنصیبوں کو بڑی بےدردی سے قتل کیا۔ ان پر اتنا بھی ترس نہ کھایا جتنا جانوروں پر شکار کے وقت انہیں ترس آتا تھا۔

مغلوں کی جنگ بھی بڑی حد تک جانوروں کے شکار کی طرح تھی۔ ہر ترکیب، ہر انوکھی چالاکی استعمال کی جاتی کہ بنی نوعِ انسان کا بیخ و بنیاد سے استیصال کیا جائے۔ ایک اور تسخیر شدہ مسمار شہر کے ویرانے میں مغلوں نے ایک قیدی مؤذن کو ایک مسجد کے مینار سے اذان دینے پر مجبور کیا۔ جو مسلمان گوشوں اور کناروں میں چھپے ہوئے تھے یہ سمجھ کر باہر نکل آئے کہ یہ خونخوار حملہ آور شہر کو چھوڑ کے جا چکے ہیں۔ ان مسلمانوں کا قتلِ عام کر دیا گیا۔

جب مغل کسی شہر کو مسمار کر کے آگے بڑھتے تو اس کی نواح میں اناج کی جتنی فصلیں ہوتیں انہیں کچل ڈالتے یا جلا دیتے تاکہ اگر کوئی لوگ اُن کی تلوار کی زد سے بچ گئے ہوں تو فاقہ کر کے مر جائیں۔ اورگنج میں جہاں انہیں طویل محاصرے کی صعوبت برداشت کرنی پڑی تھی انہوں نے یہاں تک زحمت اٹھائی کہ شہر کے پیچھے دریا پر بند باندھ کے اُس کا راستہ اس طرح بدلا کہ شہر کے مکانوں اور دیواروں کے ملبے تک سیلاب کی زد میں آ گئے۔ دریائے آمو کے اس طرح رُخ بدل لینے پر ماہرین جغرافیہ بہت دنوں تک حیران رہے

آج ان خونیں تفصیلوں کے بیان ہی سے دہشت معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی۔ اس حد تک جیسی دوسری عالمگیر جنگ۔ یہ بغیر منافرت کے

بنی نوعِ انسان کا قتلِ عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا
اِس قتلِ عام نے عالمِ اسلام کے قلب کو ایک طرح کا چٹیل میدان بنا دیا۔
جو لوگ اس قتلِ عام سے بچ جاتے وہ روحانی طور پر اس قدر مضمحل اور پریشان ہوتے کہ بجز کسی نہ کسی طرح کچھ کھا لینے اور پھر چھپ جانے کے وہ کسی کام کے نہ رہتے۔ خوف وہراس اُن پر اتنا طاری رہتا کہ شہر کے ویرانے کو جس پر گھاس اُگ آتی تھی کسی طرح نہ چھوڑتے۔ یہاں تک کہ وہ بھیڑیئے جو لاشوں کو کھانے کے لئے آتے انہیں وہاں سے بھگا دیتے یا اُنہیں بھی لاشوں کے ساتھ کھا جاتے۔ حکم یہ تھا کہ مسمار شدہ شہروں پر پھر سے انسان آباد نہ ہونے پائیں۔ ان شہروں کے نشان اُس سرزمین پر داغوں کی طرح باقی رہتے جو کسی زمانے میں بڑی زرخیز تھیں۔ ایک مرتبہ سے زیادہ یہ ہُوا کہ جہاں کوئی شہر آباد تھا وہاں ہل چلایا گیا اور غلّہ کاشت کیا گیا۔

ان خانہ بدوشوں کے نزدیک انسانی زندگی کی قیمت اُس زمین سے کم تھی جس سے غلّہ اُگتا ہے اور جس پر درندے چلتے پھرتے ہیں۔ اس لئے وہ ایک سرے سے شہروں کو نیست ونابود کر رہے تھے۔ چنگیز خاں نے بغاوت کی تحریک کو شروع ہی سے مفلوج کر دیا تھا۔ قبل اُس کے کہ اُس کے خلاف مقاومت کی جائے۔ اُس نے سرے سے اُس کا سدّباب کر دیا تھا۔ وہ کسی طرح کے رحم کا قائل نہیں تھا۔

اس نے اپنے اورخوں سے کہا تھا "خبردار میرے دشمنوں پر رحم نہ کھانا بجز اس کے کہ میں خاص طور پر حکم نہ دوں۔ اس طبیعت کے آدمی محض ظلم وتعدّی سے اپنا فرض پہچانتے ہیں۔ جب کوئی دشمن شکست کھاتا ہے تو خودبخود مطیع نہیں ہوجاتا اور اپنے نئے مالک سے نفرت کرتا ہے۔"

اس نے یہ طریقے گوبی میں استعمال نہیں کئے تھے اور نہ ختا میں اتنا ظلم وجبر کیا تھا۔ یہاں دُنیائے اسلام کے لئے وہ فی الحقیقت قہر وعذاب بن

گیا تھا۔ اُس نے تُولی کو بڑی سختی سے لعنت ملامت کی تھی کہ اس نے جلال الدین خوارزم کے دس ہزار حامیوں کے سوا ہرات کے باقی باشندوں کو کیوں زندہ چھوڑا اور درحقیقت ہرات کے باشندوں نے اُس کے جُوتے کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اور مغل صوبہ دار کو قتل کر ڈالا۔

جب نوجوان سلطان جلال الدین خوارزم کسی شہر کو پہنچتا اور وہاں کے باشندوں کو جوش دلاتا تو لمحہ بھر کے لیے اُن شہروں میں آگ سی فروزاں ہو جاتی لیکن بہت جلد ان شہروں کے دروازوں پر مغل فوجیں نمودار ہوتیں۔ ہرات کی قسمت بھی اتنی ہی سیاہ نکلی جتنی مرو کی تھی بڑی بیدردی اور خونخواری سے مقاومت کی چنگاریاں بجھائی گئیں۔ تھوڑے عرصے کے لئے ایک حقیقی خطرہ رونما ہوا تھا۔ یہ مغلوں کے خلاف جہاد کا تھا۔

راسخ العقیدہ مسلمان جب آپس میں سرگوشی کرتے تو چنگیز خاں کو "ملعون" کہتے لیکن جوش کی یہ آگ بھی بجھ گئی۔ اہلِ اسلام کا ایک حقیقی سردار موجود تھا، جلال الدین خوارزم لیکن عالمِ اسلام کا قلب مسمار ہو چکا تھا جلال الدین خوارزم جو اکیلا یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ دنیا بھر کے منتشر مسلمانوں کو یکجا کر کے حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے میدان میں آئے۔ اُس کے تعاقب میں مغلوں کے ہراول دستے اس طرح مصروف تھے کہ وہ سرحد ہی سرحد پہ رہتا تھا۔ اور اسے نہ اس کا وقت مل سکا اور نہ موقع کہ کوئی بڑی فوج مجتمع کر سکے۔

جب دوسری گرمیاں آئیں تو گرمیوں کی شدت کے زمانے میں چنگیز خاں اپنے اُردو کے بڑے حصے کے ساتھ کوہ ہندوکش کی شجر پوش بلندیوں پر چلا گیا جس کے نیچے تپتی ہوئی وادیاں تھیں۔ یہاں اُس نے اپنی فوج کو آرام کے لئے پڑاؤ ڈالنے دیا۔ قیدیوں کو اس نے گندم کی کاشت پر لگایا۔ ان قیدیوں میں امیر فقیر، قاضی اور غلام سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ اس مرتبہ شکار نہیں ہُوا۔ اُس کے لشکر کو بھی بیماریوں نے کافی تاراج کیا تھا۔

یہاں اُس کے لشکریوں نے پامال درباروں کے ریشمی شامیانوں میں کوئی مہینہ بھر آرام کیا۔ ترک اتابیگوں اور ایرانی امراء کے بیٹے ان کی ساقی گری کرتے تھے۔ دنیائے اسلام کی حسین ترین

خواتین مغلوں کے پڑاؤ میں بے نقاب ماری ماری پھرتی تھیں۔ گیہوں کے کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور انہیں ورماندہ نگاہوں سے دیکھتے۔ ان کاشت کرنے والوں کے پاس تنزدوشتی بھر کے چیتھڑے مشکل سے باقی رہ گئے تھے اور جب مغل سپاہی انہیں کھانا کھلانے کا حکم دیتے تو وہ کتوں کے ساتھ بچے کھچے کھانے کے لئے چھین جھپٹ کرتے۔

وحشی ترکمان جو قافلوں کی رہزنی کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اتر کے آتے اور حملہ آوروں سے گھل مل جاتے اور بڑی حیرت سے سونے چاندی اور مرصع ملبوسات کو گھور گھور کر دیکھتے جو انبار در انبار خیموں کے سائے میں پڑے ہوئے تھے کہ گوبی پہنچائے جائیں۔ یہاں مریضوں کے معالجے کے لئے طبیب بھی تھے۔ ان وحشی خانہ بدوشوں کے لئے طبیب بڑی نادر جنس تھے۔ علما بھی تھے جو ختا کے حکما سے بحث مباحثہ کرتے، اور گوبی کے غارت گر مروت اور بے تعصبی سے ان کے مناظرے سنتے جو آدھے ان کی سمجھ میں آتے آدھے نہ آتے اور انہیں اس کی پروا بھی نہیں تھی۔

لیکن چنگیز خاں کے لئے نظم و نسق کا جو مرحلہ تھا اس کی کوئی حد و انتہا نہ تھی ختا کے اور خوتنوں کے پاس سے، اور روس کے میدانوں سے سوبدائی بہادر کے قاصد آتے۔ وہ خود تو دو محاذوں پر جنگی کارروائی کی رہنمائی کر رہا تھا لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ وہ گوبی میں خانوں کی مجلسِ مشاورت سے اپنا ربط برقرار رکھے۔

چنگیز خاں محض پیغاموں سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے ختا مشیر ہندوکش اس کے پاس آئیں۔ سنگلاخ چٹانوں کے تنگ راستے اور بیابانوں کی سطح انہیں پسند آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ ہر ایک نے بلاچون وچرا تعمیل کی۔

مشرق اور مغرب کے درمیان نئی شاہراہیں کھولنے کے لئے چنگیز خاں نے "یام" کو ایجاد کیا۔ یہ مغلوں کے گھوڑوں کی ڈاک تھی۔ تیرھویں صدی کے ایشیا میں ٹٹوؤں کی ڈاک۔

اُنیسواں باب

سڑکیں بنانے والے

کئی پشتوں سے گوبی کے قبائیلیوں کے یہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ تک ایک سوار خبریں پہنچایا کرتا۔ جب کوئی آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا آکے جنگ کا بُلاوا، یا کوئی اور خبر سُناجاتا تو اردو میں کوئی نہ کوئی اور اپنے گھوڑے پر زین کستا اور یہ خبریں دور دراز کے دستوں تک پہنچا آتا۔ ان قاصدوں کو دن بھر میں پچاس ساٹھ میل کی مسافت طے کرنے کی عادت تھی۔

جب چنگیز خاں کی فتوحات کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تو اس کی بھی ضرورت پیش آئی کہ یام، کی اصلاح کی جائے۔ شروع شروع میں تو اُس کی حکومت کی اور فوری ضروریات کی طرح یام کا استعمال بھی محض اس کے لشکر کے لئے تھا۔ جس راستے سے لشکر گذرتا اُس پر کچھ کچھ فاصلے سے باقاعدہ کیمپ قائم کئے جاتے۔ ہر کیمپ پر گھوڑوں کی ایک قطار نوجوان سائیسوں کی تحویل میں چھوڑ دی جاتی اور چوروں سے مقابلے کے لئے کچھ سپاہی بھی وہیں چھوڑ دیئے جاتے۔ جب ایک مرتبہ لشکر کسی راستے سے گذر چکتا تو اس سے زیادہ طاقتور دستہ کو پیچھے چھوڑنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔

یہ کیمپ جو چند یورتوں، گھوڑوں کے لئے گھاس چارے کے ایک کھلیان، اور سرما کی غذا کے لئے جو کے تھیلوں پر مشتمل ہوتا۔ غالباً سو سو میل کے فاصلے پر قائم کیا جاتا یہی قافلوں کی شاہراہ تھی۔ اسی راستے سے خزانہ بردار قراقورم کو ہیرے، جواہرات، سونے کے زیور، جیڈ کے اور مینا کاری سے مرصع ظروف اور بدخشاں کے بڑے بڑے لعل

بے جایا کرتے۔

انہیں سڑکوں سے اردو کا لوٹا ہوا مالِ غنیمت گوبی میں گھر بھیجا جاتا۔ ان قبائلی دیہاتیوں کو دن بدن زیادہ حیرت ہوتی ہوگی کہ ہر مہینے عجائب اور نوادر، اور غیر معلوم علاقوں سے انسانوں کے تحفے بڑی تعداد میں آتے رہتے۔ خاص طور پر حیرت اُس وقت ہوئی ہوگی جب گوبی کے وہ سپاہی جنہوں نے خراسان یا وسط ایشیا کے زمین سے گھرے ہوئے سمندروں کے کنارے لڑائیاں لڑی تھیں واپس ہوتے ہوں گے اور یورتوں میں آگ کے پاس بیٹھ کے انہوں نے اُردو کے کارنامے اور ناقابلِ یقین فتوحات کا حال سنایا ہوگا۔

یا شائد اُن لوگوں کو جو گھر ہی پر رہے تھے اور جو اپنے خیموں کے دروازے پر آئے دن مالِ غنیمت کے اونٹوں پر سے روز افزوں مال و دولت کا انبار اترتا دیکھتے تھے کوئی بات ناقابلِ یقین نہ معلوم ہوتی ہوگی۔ معلوم نہیں عورتیں آرائش و زیبائش کا یہ غیر معمولی سامان پا کے کیا سوچتی ہوں گی جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ یا بوڑھے جب یہ خیال کرتے ہوں گے کہ اورخونوں نے اُس دُنیا کے باہر تگ و تاز کی جس کا انہیں علم تھا تو کیا سوچتے ہوں گے؟ اس تمام مال و دولت کا کیا حشر ہوا؟ مغل عورتیں ایران کے موتیوں کے نقاب استعمال کر بھی پائیں یا نہیں؟

چرواہے اور نو عمر لڑکے بڑے رشک سے کہنہ مشق سپاہیوں کو عرب شبدیزوں کی قطاریں اپنے ساتھ لاتے دیکھتے اور یہ سپاہی اپنی زین کے تھیلوں سے کسی شہزادے یا اتابیگ کی نقرئی میناکاری کی زرہ نکال کے انہیں دکھاتے۔

مغلوں نے ان نئے تجربوں کی کوئی یادداشت باقی نہیں چھوڑی لیکن ہمیں اتنا معلوم ہے کہ وہ چنگیز خاں کی فتوحات کو پہلے ہی سے مقدر سمجھتے تھے۔ وہ اُن کے لئے "بگدو" تھا وہ جسے دیوتاؤں نے بھیجا ہے۔ وہ جس نے قانون بنایا ہے۔ یہ اُس کی مرضی تھی کہ زمین

کے جس حصے کو چاہے فتح کرلے۔

معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خاں خود اپنی فتوحات کو ہرگز آسمانی تحفہ نہیں سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ سے زیادہ اس نے کہا تھا "آسمان پر ایک ہی سُورج ہے۔ آسمان میں ایک ہی طاقت ہے۔ زمین پر ایک ہی خاقان رہ سکتا ہے۔"

اُس کی بُدھ رعایا اگر اُس کی عظمت یا پرستش کرنے لگی تھی تو وہ بلا کسی اعتراض کے اس عقیدت کو ماننے لگا تھا۔ مسلمان اُسے قہرالٰہی سمجھتے تھے۔ یہ لقب بھی اُس نے قبول کر لیا تھا۔ بلکہ جب وہ یہ دیکھتا تھا کہ قہرِ الٰہی بننے سے اس کا کام نکلے گا تو وہ مسلمانوں کے اس عقیدے کو اور پختہ کر دیتا تھا۔ وہ نجومیوں کی پیشین گوئیاں سنتا۔ مگر کرتا وہی جو اس کی اپنی تجویز ہوتی۔ نپولین کے برعکس وہ قطعاً تقدیر کا قائل نہیں تھا اور نہ اس نے سکندر کی طرح خدائی کا دعوےٰ کیا۔ جب نصف دنیا پر حکومت کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو اُس نے اُسی صبر و استقلال سے اس مقصد کی طرف توجہ دی، جیسے وہ اپنی جوانی میں ایک بھٹکا ہوا گھوڑا ڈھونڈھنے نکلا تھا۔

خطابوں کو وہ محض کاروبار کے نقطہ نظر سے جانچتا۔ ایک مرتبہ اس نے حکم دیا تھا کہ سرحد کے ایک مسلمان شہزادے کو خط لکھا جائے۔ یہ خط ایک ایرانی منشی نے لکھا اور ایران کے ذوق کے لحاظ سے تمام مرصّع خطابات خوشامد کے لہجے میں لکھے۔ جب یہ خط چنگیز خاں کو سنایا گیا تو بوڑھا مغل مارے غصّے کے آپے سے باہر ہو گیا اور چلاّ کے حکم دیا کہ اس خط کو پرزے پرزے کر دیا جائے۔

منشی سے اس نے کہا "تُو نے بڑی حماقت کا خط لکھا ہے۔ وہ شاہزادہ یہ سمجھے گا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں۔"

پھر اُس کے بعد اُس نے اپنے ایک اور منشی کو حسبِ معمول ایک مختصر سا خط تحکمانہ لہجے میں لکھوایا اور اس پر خاقان کے لقب سے دستخط کیے۔

اپنی فوجوں کے درمیان ربط قائم رکھنے کے لئے چنگیز خاں نے پرانے قافلے کے راستوں کو باہم مربوط کیا۔

افسر ڈاک کی سراؤں پر ٹھہر کے اپنی مہریں دکھلاتے۔ جن پر شہباز کی تصویر کھدی ہوتی اور پھر وہ انتظار کرتے کہ اُن کے لئے گلّے سے بال دار ٹٹّو ڈھونڈھ کے لائے جائیں۔ اور دراز ریش چینی، موٹے موٹے لحافوں جیسے روئی دار لبادوں میں لپٹے ہوئے، دو پہیوں والی گاڑیوں میں اِدھر سے اُدھر سفر کرتے ہوئے ان سراؤں پر آتے۔ اُن کی گاڑیوں پر پردے پڑے رہتے اور اُن کے نوکر بیش قیمت چائے کی ٹکیاں توڑ توڑ کے آگ پر اُن کے لئے چائے بناتے جاتے۔ ان سراؤں میں الغور حکما اُونچی مخملی سمور کی ٹوپیاں پہنے، ایک کاندھے پر زرد لبادے ڈالے ہوئے آن کر ٹھہرتے۔ یہ الغور بھی اب اُردو کا جزو لاینفک ہو چکے تھے۔

یام کی سرائے کے پاس ہی قافلوں کے اونٹوں کی بے شمار قطاریں راستہ طے کرتیں۔ ان اونٹوں پر مسلمان تاجروں کا سارا سامان، کپڑے، ہاتھی دانت اور ایسی دوسری اشیا لدلد کر اس ریگستان کو آتیں۔

یام بہ وقتِ واحد، تار، ریل، اور ڈاک کا کام دیتا تھا۔ نامعلوم سرزمینوں سے آنے والے اجنبی یہاں پہنچ کر گوبی کے مغلوں کا پتہ پوچھتے۔ نیلے چہروں والے یہودی ان سراؤں پر اپنے لدے ہوئے خچر اور گاڑیاں لے کے آتے۔ زرد فام، چوڑی ٹھوڑیوں والے ارمنی یہاں سوار ہو کے آتے اور تجسس کی نظر سے خاموش مغل سپاہیوں کو دیکھتے جو اپنے کمبل اوڑھے بیٹھے آگ تاپتے ہوتے، یا کسی خیمے میں سوتے ہوتے جس کا پردے کا دروازہ کھلا ہوتا۔

یہ مغل شاہراہوں کے مالک تھے۔ بڑے قصبوں میں ایک داروغہ مامور ہوتا جو سڑک کا افسرِ اعلےٰ ہوتا اور جو اپنے ضلع کا مطلق العنان حاکم ہوتا۔ داروغہ کے پاس ایک منشی ہوتا جو لکھتا جاتا کہ کس سرائے پر کون کون سے لوگ آئے اور کون سا مال و اسباب اس راستے سے گذرا۔

ہر سرائے پر بہت تھوڑے محافظ سپاہی ہوتے اور وہ سرائے کے حاکم کے گرد و پیش خادموں کی طرح رہتے۔ اُن کے فرائض بہت ہلکے اور مختصر سے تھے۔ قریب کے علاقوں سے جس چیز کو فراہم کرنے کا انہیں حکم ملتا وہ فوراً فراہم ہو جاتی۔ ادھر کوئی مغل اپنے لمبے بالوں والے ٹٹو پر، کاندھے پر ہلکا سا نیزہ رکھے، چمڑے کی زرہ پہنے، سمور یا ہرن کے چمڑے کا لبادہ پہنے ادھر ادھر دیکھتا نظر آیا۔ اُدھر قریب میں جتنے ہی لوگ تھے سب اس کا حکم سننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ ایشیا میں ہمیشہ ہی چھوٹے موٹے قزاق ہوا کرتے تھے، اب وہ بالکل غائب ہو گئے تھے۔ کس کی مجال تھی کہ مغلوں کی سرائے سے گھوڑا باندھنے کی رسی تک چُرا لے جائے۔ حالانکہ سرائے میں سب غافل ہی کیوں نہ ہوں یا سو رہے ہوں۔

اِن سراؤں پر قیدی مسلمان کاریگروں کے تھکے ماندے قافلے قراقورم جاتے ہوئے دم لینے کو ٹھہرتے۔ ان میں بڑھئی تھے، گویّے تھے، اینٹیں بنانے والے، لوہار، تلوار بنانے والے، قالین ساز سب ہی طرح کے کاریگر تھے۔ زمین سے گھرے ہوئے سمندر کے نواح کے ریگستانوں کو پار کرتے ہوئے یہ سردی اور تھکن سے کانپتے اور لڑکھڑاتے جاتے۔ پورا قافلہ اُردو کے ایک تنہا مغل سوار کی تحویل میں ہوتا جو ان کا نگہبان بھی ہوتا اور رہبر بھی۔ مگر بچ کے نکل جانے یا بھاگ جانے کی کیا امید تھی اور کیا موقع تھا۔

ان سراؤں پر اور عجیب عجیب قافلے آکر رُکتے۔ زرد پگڑیوں والے لاما، پوجا چکر گھماتے ہوئے، اُن کی آنکھیں دور دراز کی برفانی چوٹیوں پر جمی ہوئی ہوتیں۔ تبت کی ویران ڈھلوانوں سے آئے ہوئے سیاہ پگڑیوں والے لاما، مسکراتے ہوئے ترچھی آنکھوں والے بدھ یاتری جن کی سیاحت کا مقصد یہ ہوتا کہ مہاپانا کے راستے پر چلیں جو بدھ روشن ضمیر کا راستہ تھا۔ ننگے پاؤں سفر کرنے والے جوگی، لمبے بالوں والے فقیر، اس دنیا سے غافل۔ بھورے لبادے پہنے ہوئے نسطوری پادری جن کو جادو ٹونے زیادہ آتے تھے۔ لیکن عبادت اور انجیل کے محض چند ہی فقرے یاد تھے۔

اور کبھی کبھی پسینے میں ڈوبے ہوئے طاقتور راہوار پر بیٹھا ہوا کوئی سوار آنکلتا جو پادریوں، پجاریوں اور عمّال کے ہجوم کو تتر بتر کرکے، پورتوں کے پاس اپنا گھوڑا روک کے چلّا کے ایک لفظ سناتا۔ یہ وہ شخص تھا جو خان کے احکام لایا کرتا تھا اور آرام لئے بغیر دن بھر میں ایک سو پچاس میل کی مسافت طے کرتا تھا اور اس کے لئے سرائے کا بہترین گھوڑا فوراً تیار کرکے حاضر کردیا جاتا۔

یہ تھا 'یام'۔ دو نسلوں بعد مارکو پولو نے اپنے سفرنامے میں اس کا تذکرہ کیا ہے جب وہ کام بالو[1]، یعنی خاقانوں کے مستقر کو گیا تھا۔

"اب آپ کو جاننا چاہیے کہ خاقان کے قاصد جب خان بالیغ سے سفر کرتے تو ہر پچیس میل کے فاصلے پر راستے میں انہیں ایک سرائے ملتی جو گھوڑوں کی ڈاک کی سرائے کہلاتی۔ ان منزلوں پر اُن کے لئے بڑی اور خوبصورت سی عمارت بنی ہوتی جس میں وہ آرام کرسکتے۔ اس عمارت میں تمام کمرے آراستہ بستروں اور بیش قیمت ریشمی پردوں سے مزیّن تھے۔ اگر اس عمارت میں کوئی بادشاہ بھی آکے قیام کرتا تو انہیں آرام دہ پاتا۔"

"ان منزلوں میں سے بعض میں چار سو گھوڑے ہوتے، بعض میں دو سو۔ جب قاصد کسی ایسے حصّے سے گذرتے جس میں سڑکیں نہ ہوتیں اور ٹھہرنے کا اور کوئی مقام نہ ہوتا تب بھی منزلوں کی سرائیں وہاں بھی ضرور ہوتیں، اگرچہ کہ زیادہ زیادہ فاصلے پر ہوتیں اور ان میں خاقان کے قاصدوں کے لئے تمام ضروریاتِ زندگی فراہم ہوتیں۔ وہ چاہے جس ملک اور جس علاقے سے آئے ہوئے ہوتے۔ اپنے لئے تمام ضروری اشیا تیار پاتے۔"

---

[1] کام بالو۔ خان بالیغ۔ خاقانوں کا شہر

"کبھی کسی شہنشاہ، بادشاہ یا امیر کو اتنی دولت نصیب نہ ہوئی ہوگی جس دولت کا اندازہ ان سراؤں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ان سب سراؤں میں تین لاکھ گھوڑوں کی نگہبانی کی جاتی ہے اور جملہ عمارتوں کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہے اور یہ سب اتنے اعلیٰ پیمانے پر ہے کہ اس کو پوری طرح بیان کرنے کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔"

"اس طرح اُن مقامات سے جو دس دن کی مسافت کے فاصلے پر واقع ہیں خاقان کو ایک دن اور ایک رات میں اطلاعیں وصول ہو جاتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صبح کو خان بالیغ میں تازہ میوہ توڑ کر جمع کیا جاتا ہے اور دوسری شام کو یہ چاندو میں خاقان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ خاقان نے ان قاصدوں کو تمام محاصل معاف کر دیئے ہیں بلکہ اس کے علاوہ انہیں تنخواہیں دی جاتی ہیں۔"

"ان کے علاوہ سراؤں میں ایسے بھی آدمی رہتے ہیں جو کسی شدید عجلت یا جلدی کے موقع پر دن بھر میں دو سو پچاس میل کی مسافت طے کر سکتے ہیں اور پھر رات کو بھی اتنی ہی مسافت طے کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر قاصد ایک چوڑی کمر پیٹی پہنتا ہے جس پر گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں۔ ان گھنٹیوں کے بجنے کی آواز بہت دور سے آنے لگتی ہے۔ سرائے پہنچ کے قاصد، دوسرے قاصد کو بالکل اُسی طرح تیار پاتا ہے۔ اپنا پیغام اُسے دے دیتا ہے اور سرائے کا منشی جو اس وقت فوراً حاضر ہو جاتا ہے اُسے اس کے علاوہ ایک اور پروانہ دیتا ہے۔ یہ منشی ہر سرائے پر قاصد کے پہنچنے اور روانہ ہونے کے وقت کا اندراج کر لیتا ہے۔"

"یہ قاصد سرائے پر تازہ دم گھوڑے بدلتے ہیں جو زین اور ساز سے آراستہ انہیں تیار ملتے ہیں اور ان گھوڑوں پر سوار ہو کے وہ پھر سرپٹ روانہ ہو جاتے ہیں اور اگلی سرائے پر پھر گھنٹیوں کی آواز سن کے پہلے ہی سے گھوڑے تیار کر دیئے جاتے ہیں۔ جس رفتار سے یہ لوگ سواری کرتے ہیں وہ حیرت ناک ہے۔ رات کو وہ بہر حال

اتنی تیزی سے سفر نہیں کر سکتے جیسے دن کو، کیونکہ اُن کے ساتھ ساتھ پیدل مشعل بردار بھی چلتے ہیں۔"

"ان قاصدوں کی بڑی توقیر ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنا پیٹ، سینہ اور سر مضبوط پٹیوں سے نہ باندھیں تو اس قدر تیزی سے ہرگز سفر نہ کر پائیں۔ اُن کے پاس ایک لوح پر شہباز کی مُہر ہوتی ہے کہ وہ کوئی خاص پیغام لئے جا رہے ہیں۔ اس مہر کی رُو سے انہیں اس کا اختیار رہوتا ہے کہ اگر راستہ میں اُن کا گھوڑا تھک کے ڈھیر ہو جائے تو سڑک پر انہیں جو کوئی مسافر ملے اُسے گھوڑے سے اتار کے اُس کے گھوڑے پر سوار ہو لیں۔ کسی کی مجال نہیں جو اپنا گھوڑا اُن کے حوالے کرنے سے انکار کر سکے۔"

یہ ڈاک کی سڑکیں چنگیز خان کے نظامِ حکومت میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح تھیں۔ ہر قصبے کے مغل داروغہ کا قدرتی طور پر یہ فریضہ تھا کہ گھوڑوں کے گلّہ کی نگہداشت کرے اور قرب وجوار سے ضروری سامان رسد فراہم کرے۔ اس کے علاوہ اُن علاقوں میں جہاں اردو برسرِ جنگ ہوتا چنگیز خاں کے لئے خراج وصول کیا جاتا۔ چنگیز خان کا قانون 'یاسا' ساری مملکت کا قانون تھا اور اس نے قرآن وحدیث کی جگہ لے لی تھی۔ مردم شماری بھی کی گئی تھی۔

ہر مذہب کے پجاری اور مذہبی پیشوا محاصل سے مستثنیٰ تھے۔ یہی یاسا کا فرمان تھا۔ اردو میں جتنے گھوڑے دشمن سے چھینے جاتے۔ اُن پر نئے مالک کا نشان لگا دیا جاتا۔ خان کے گھوڑوں کا نشان علیحدہ تھا۔

مردم شماری کے کتابچوں کی خانہ پری کے لئے، اور داروغاؤں کے بہی کھاتوں کی تکمیل کے لئے مختنی چینیوں اور ایغوروں نے آمن یا سرکاری دفتر میں صیغے کھول رکھے تھے۔ مغل داروغہ کے علاوہ مفتوحہ علاقہ کے کسی معزز آدمی کو بھی کسی ذمہ دار

خدمت پر مامور کرنے کی اجازت دی جاتی۔ اس سے مغلوں کو ضروری اطلاعات اور معلومات ملتیں اور یہ ترجمان کا کام بھی انجام دیتا۔

ایک صوبہ میں چنگیز خاں نے ایک شیخ کو شیر کی شبیہہ والی لوح بھی عطا کی۔ اس شیخ کو اختیار حاصل تھا کہ وہ داروغاؤں کے احکامات کو فسخ کر دے۔ جن لوگوں کو سزائے موت مل چکی ہے اُن کی جان بخشی کر دے۔ چنگیز خاں نے مقامی حکام کو جب یہ اختیارات دیئے۔ خواہ یہ برائے نام ہی سہی، لیکن وحشت کی حکومت میں تھوڑی سی کمی پیدا ہوئی۔ ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ مگر آنے ہی والا تھا کہ مغلوں کی طرح مفتوحہ قوموں کے لوگ بھی یاسا کے حوالے سے انصاف چاہیں۔ مغلوں کے مزاج میں تلوّن نہیں تھا۔ پہلے فوجی یلغار کی دہشت اور ابتلا کے بعد مفتوحہ قوموں کے لوگ مغلوں کو کسی قدر روادار پاتے۔

لیکن چنگیز خاں کو اگر کوئی فکر تھی تو بس اپنی فوج کی، اور نئی سڑکوں کی، اور اس دولت کی جو مفتوحہ دُنیا سے اس کی قوم کی جانب کھنچی چلی آ رہی تھی۔ اُردو کے افسران نہایت نفیس قسم کی زنجیردار ترکی زرہیں پہنتے اور ان کے قبضے میں دمشق کی تابدار تلواریں تھیں۔ جہاں تک خود چنگیز خاں کا تعلق ہے وہ نئے ہتھیاروں کو تو مستقل طور پر بڑے تجسّس کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے آسائش کے سامان سے اُسے دلچسپی نہ تھی۔ وہ آخر تک گوبی کا لباس پہنتا رہا اور اس نے اپنی عادتیں نہ بدلیں۔

کبھی کبھی وہ درگذر بھی کر سکتا تھا۔ لیکن جس وقت جیسی موج ہو۔ وہ اس پر تلا ہوا تھا کہ فتح کی مہم کی تکمیل کر لے، کیونکہ یہ مہم ابھی تک نامکمل تھی۔ کبھی کبھی اُسے طیش و غضب کا سخت دورہ پڑتا۔ سمرقند کے ایک بڑے ہی کریہہ منظر بدصورت طبیب کو اُس نے اپنا منظورِ نظر بنا لیا تھا، جو اُس کی آنکھوں کا علاج

کر رہا تھا چنگیز خاں کی رواداری سے اس شخص میں اتنی جرأت بڑھ گئی کہ مغل افسروں کو اس سے تکلیف پہنچنے لگی۔ اس نے خان سے ایک بڑی حسین مغنّیہ کو مانگا جو ارگنج کی تسخیر کے وقت مغلوں کے ہاتھ لگی تھی۔

چنگیز خاں اس شخص کے اصرار سے بہت محظوظ ہوا۔ اور اس نے حکم دیا کہ اس لڑکی کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن یہ طبیب اس قدر بدشکل تھا کہ یہ اسیر حسینہ اس کی طرف مائل نہ ہوئی۔ اور یہ سمرقندی پھر چنگیز خاں کی خدمت میں یہ درخواست لے کے حاضر ہوا کہ حسینہ کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کی مرضی کی تعمیل کرے۔ اس پر بوڑھے مغل کو غصّہ آگیا اور اس نے ایسے سب لوگوں کو صلواتیں سنانا شروع کیں جو اپنے حکم کی تعمیل نہیں کرا سکتے۔ اور جو آخر میں غدّار بن جاتے ہیں۔ پھر اس نے طبیب کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس موسم خزاں میں چنگیز خاں نے تمام اعلیٰ افسروں کو حسب معمول مجلس مشاورت میں شرکت کے لئے بلا بھیجا تھا۔ لیکن اس کا بڑا بیٹا جوجی نہیں آیا تھا۔ اس نے تحفتہً کئی گھوڑے بھیج دیئے تھے اور معذرت کی تھی کہ وہ بیماری کے سبب سے نہیں آسکتا۔

اردو کے بعض شاہزادے جوجی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اس کی پیدائش اور اس کا نطفہ مشکوک ہے۔ اور اسے "تاتار" کہہ کے پکارتے تھے۔ انھوں نے چنگیز خاں کو سمجھایا کہ اس کے فرزند اکبر نے قورلتائی میں شرکت نہ کر کے اس کے حکم سے سرتابی کی ہے۔ بوڑھے مغل نے اس افسر کو بلا بھیجا، جو جوجی کے پاس سے گھوڑے لے کے آیا تھا اور پوچھا کہ کیا جوجی سچ مچ بیمار ہے۔

قپچاق سے جو قاصد آیا تھا اس نے کہا "یہ تو میں نہیں جانتا، لیکن جب میں

روانہ ہُوا تھا تو وہ شکار کھیلنے میں مصروف تھا۔"

غصّہ کے عالم میں چنگیز خاں اپنے خیمے میں چلا گیا اور اس کے افسروں کو توقع تھی کہ اب وہ نافرمانی کی سزا دینے کے لئے جُوجی کے خلاف حملہ کرے گا۔ اُس کے برعکس اُس نے اپنے منشی کو ایک خط لکھوایا اور اُسے قاصد کے حوالے کیا کہ وہ مغرب کا راستہ لے۔ چنگیز خاں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اردو میں پھوٹ پڑ جائے اور شاید اُسے بھروسہ تھا کہ اس کا بیٹا اس کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا۔ کیونکہ اُس نے سوبدائی بہادر کو حکم دیا تھا کہ وہ یورپ سے واپس لوٹ آئے اور جوجی جہاں کہیں ملے اُسے اپنے ساتھ لیتا ہُوا اُردو کے قلب کو واپس لے آئے۔

بیسواں باب

دریائے سندھ کے کنارے

اُس اہم موسم خزاں میں پیہم عمل کے سوا اور کسی بات کے لئے وقت نہیں تھا۔ ہرات اور دوسرے کئی شہروں نے فاتحوں کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ جلال الدین خوارزم مشرق میں فوج جمع کر رہا تھا۔ ہندوکش کے مشرق سے ہراول دستوں کی یہی اطلاع تھی۔ چنگیز خاں کی تجویز یہ تھی کہ خوارزمی شہزادے کے مقابلے کے لئے تُولی کو بھیجے جس پر وہ اپنے اور سپہ سالاروں سے زیادہ اعتماد کرتا تھا لیکن اسی زمانے میں ہرات کی بغاوت کی خبر ملی۔ اس لئے بہت بڑی فوج کے ساتھ تُولی کو مغرب میں خراسان بھیجا گیا۔

خوارزمی فوج کی تلاش اور استیصال کے لئے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ خود چنگیز خاں نے میدان کا رُخ کیا۔ اُس کے راستے میں کوہ بابا کے کہساروں میں بامیان کا مسلح شہر پڑتا تھا۔ وہ خود اس کا محاصرہ کرنے کے لئے ٹھہر گیا اور اپنی فوج کا بڑا حصہ ایک اور رخون کی سرکردگی میں جلال الدین خوارزم سے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔

کچھ عرصہ بعد قاصد بامیان اس خبر کے ساتھ آ پہنچے کہ جلال الدین کے ساتھ ساٹھ ہزار فوج ہے اور یہ کہ مغل سپہ سالار سے اس کا مقابلہ ہوا اور مغل سپہ سالار نے خوارزمیوں کی اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا کہ وہ چھپ کر اُس پر حملہ کر سکیں۔ ہراول کے دستے اور پیش قدمی کرنے والے سپاہی خوفناک خوارزمی شہزادے کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے ہیں۔

واقعہ جو پیش آیا یہ تھا کہ اس نازک موقع پر ایک افغان فوج جلال الدین خوارزم کے ساتھ آملی تھی اور اس کی قوت دگنی ہو گئی تھی۔ کچھ ہی عرصہ بعد یہ خبر ملی کہ ترکوں اور افغانوں نے مغل اور خون کو شکست دے کے اُس کے سپاہیوں کو پہاڑوں میں دھکیل دیا ہے۔

چنگیز خاں نے نئے سرے سے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ بامیان کے شہر پر حملہ کیا جو اُس کے راستے میں حائل تھا۔ محصورین نے اس سارے علاقہ کو پہلے ہی سے ویران کر دیا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے پتھر تک دور دور ہٹا دیئے تھے تاکہ مغل انہیں اپنی منجنیقوں میں استعمال نہ کر پائیں۔ وہ ساز و سامان جس کے ساتھ مغل اب تک عام طور پر لڑتے آئے تھے، اُن کے ساتھ نہ تھا اور فصیلوں کے مقابلے میں اُنہوں نے جو لکڑی کے برج کھڑے کئے تھے اُن پر قلعہ سے روغن نفط میں ڈوبے ہوئے آتش گیر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ مغلوں نے مویشیوں کو کاٹ کے اُن کی بھیگی ہوئی کھالوں کو ان لکڑی کے برجوں پر آگ سے بچانے کے لئے منڈھ دیا۔

چنگیز خاں نے آخری ہلّہ کا حکم دیا، جس کے معنی یہ تھے کہ جب تک قلعہ سر نہ ہو جائے حملہ جاری رہے۔ عین اُس وقت اس کا ایک پوتا جو فصیل کے نیچے تک اُس کے ساتھ ساتھ آیا تھا مارا گیا۔ بوڑھے مغل نے حکم دیا کہ اس لڑکے کی لاش جس کو وہ اس کی ہمت اور جرأت کی وجہ سے بہت چاہتا تھا خیموں میں پہنچا دی جائے۔

اُس نے اپنی فوج کو آخری ہلّہ پر اکسایا، اپنا خود اتار پھینکا اور خود سپاہیوں کی صفوں میں گھستا ہوا اُس دستے کی رہنمائی کے لئے جا پہنچا جو قلعہ کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جگہ قلعہ کی فصیل میں شگاف تھا۔ یہاں مغلوں کے قدم جم گئے اور بہت جلد بامیان پر اُن کا قبضہ ہو گیا۔ فصیل کے اندر ہر جاندار کو تہ تیغ کیا گیا اور مسجدوں اور محلوں کو مسمار کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ مغل بھی بامیان کو "موبلیغ" یعنی بلدۂ غم کہتے تھے۔

لیکن چنگیز خاں فوراً بامیان کو چھوڑ کے اپنے منتشر لشکروں کو اکٹھا کرنے نکل کھڑا ہوا۔ یہ دستے پہاڑیوں سے ہٹتے ہوئے اس کی طرف آ ہی رہے تھے شکست کھانے پر بھی یہ ایسے زیادہ بدحال نہیں ہوئے تھے۔ خان نے اُن سب دستوں کو اکٹھا کیا، اور ان کی وفاداری اور ثابت قدمی کی تعریف کی۔ بجائے اس کے کہ وہ اس بدنصیب اوخون پر الزام دھرتا جس نے جلال الدین خوارزم کے ہاتھوں شکست کھائی تھی، وہ اس کے ساتھ ساتھ اُس میدان جنگ کا معائنہ کرنے گیا اور جنگ کی تفصیلیں پوچھتا رہا اور اوخون کو سمجھاتا رہا کہ اُس نے کس کس موقع پر کیا غلط چال چلی۔

خوارزمی شہزادے نے فتح کے بعد اپنی قابلیت کے جوہر اس طرح نہ دکھائے جیسے شکست کے عالم میں اُس نے اپنی پامردی اور ہمت کے جوہر دکھائے تھے۔ اُس کے لئے وہ لمحے بڑے فخر کے تھے جب اُس کے سپاہیوں نے مغل سپاہیوں کو عذاب دے دے کے مارا تھا اور جنگ میں لوٹے ہوئے گھوڑے اور ہتھیار آپس میں بانٹ لئے۔ لیکن افغانی اُس کے افسروں سے لڑ کر اُسے چھوڑ کے چلے گئے۔

چنگیز خاں اُس کے خلاف پیش قدمی کر رہا تھا، ایک فوج کو اس نے الگ روانہ کیا تھا کہ افغانوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرے۔ جلال الدین غزنی کے مشرق کی طرف پیچھے ہٹا، لیکن مغل تیزی سے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اس نے نئے حلیفوں کو اپنی کمک کے لئے بلانے کو قاصد بھیجے، لیکن ان کے راستے میں مغل حائل تھے۔ جو تمام دروں پر قابض تھے اور ان کی نگرانی کر رہے تھے اپنی تیس ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین خوارزم پہاڑیوں سے نیچے اتر کے دریائے سندھ کی وادی میں پہنچا۔

اُسے امید تھی کہ دریائے سندھ کو عبور کرلے تو پھر اُسے دہلی کے سلطان کی مدد حاصل ہو جائے گی لیکن مغل جو غزنی میں اُس سے پانچ روز کی مسافت پر تھے، اب اس سے

نصف روز کے فاصلے پر آ گئے تھے۔ اس دوران میں چنگیز خاں نے اپنی فوج کو صرف کھانا پکانے کے لئے گھوڑوں سے اترنے کی اجازت دی تھی۔

جان پر کھیل کے خوارزم کے شاہزادے نے دریا کا رُخ کیا، اور یہ دیکھا کہ وہ ایسے مقام پر ہے جہاں دریا کا بہاؤ اتنا تیز اور پانی اتنا گہرا ہے کہ دریا کو پار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آخری مقابلے کے لئے پلٹا، اس کا بایاں پہلو ایک پہاڑ کے تلے محفوظ تھا اور اس کے دائیں بازو پہ دریا کا موڑ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔

مسلمان بہادر جو اپنی آبائی سرزمین سے نکالے گئے تھے، بے رحم مغلوں سے طاقت آزمائی کے لئے تیار ہوئے۔ جلال الدین خوارزم نے حکم دیا کہ کنارے پر جتنی کشتیاں ہیں جلا دی جائیں تاکہ اُس کے سپاہیوں کے دل میں بچ کے بھاگ نکلنے کا خیال بھی نہ آ سکے۔ میدانِ جنگ میں اُسے موقع کی جگہ مل گئی تھی۔ اب اس کا فرض تھا کہ یا تو اس جگہ کو سنبھالے یا نیست و نابود ہو جائے۔

صبح تڑکے مغل سارے محاذ پر آگے بڑھے۔ جب وہ اندھیرے کے کم ہونے پر نظر آئے تو باقاعدہ صف آرا تھے۔ چنگیز خاں اور اس کا نشان اور خاقانی محافظ دستہ کے دس ہزار سپاہی قلب لشکر کے پیچھے تھے۔ شروع شروع میں انہوں نے لڑائی میں حصّہ نہیں لیا۔

سب سے پہلے تیز و تند خوارزمی شاہزادے نے اپنے سپاہی آگے بڑھائے۔ اس کا میمنہ جو مسلمان فوجوں کا سب سے طاقتور عنصر ہُوا کرتا تھا، امین الملک کی سرکردگی میں مغلوں کے میسرے سے دوچار ہُوا اور اس پر اس شجاعت سے حملہ کیا کہ مغلوں کو دریائے سندھ کے کنارے کنارے پیچھے ہٹنا پڑا۔ حسبِ معمول مغل دستوں میں بٹ کے منتشر ہو گئے۔ خان کے ایک بیٹے کے جھنڈے تلے پھر جمع ہوئے اور پھر منتشر کر دیئے گئے۔

سیدھے ہاتھ کی طرف اُونچے سنگلاخ پہاڑوں کی وجہ سے مغل رُک گئے تھے،

یہاں وہ ٹھہر گئے۔ جلال الدین نے اس مقام سے کچھ دستے ہٹا کے امین الملک کے بڑھتے ہوئے میمنے کی کمک کو بھیجے۔ چند پہر بعد اس نے پہاڑوں کی حفاظت کرنے والے حصے سے کچھ اور دستے ہٹا لئے تاکہ اپنے قلب لشکر کو اور مضبوط بنائے۔

تقدیر کے ایک داؤں میں یا فتح حاصل کرنے اور یا سب کچھ کھونے کا فیصلہ کر کے اپنی فوج کے منتخب دستوں کے ساتھ اُس نے مغلوں کے قلب لشکر پر دھاوا کیا اور مغلوں کو کاٹتا ہوا، مغلوں کے نشان اور چنگیز خاں کو ڈھونڈھتا ہوا اُن کے قلب میں گھس گیا لیکن بوڑھا مغل وہاں تھا ہی نہیں۔ زیرِ ران اس کا گھوڑا مارا جا چکا تھا اور وہ کسی اور گھوڑے پر سوار ہو کے اور کسی طرف چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے لئے معلوم ہوتا تھا کہ خوارزمیوں نے فتح حاصل کر لی اور مسلمانوں کے نعرے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز، تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ اور زخمیوں کی چیخ پکار سے اونچے بلند ہوئے۔

مغل قلب لشکر جو اس دھاوے سے ہل گیا تھا، جم کے لڑتا رہا۔ چنگیز خاں نے دیکھ لیا تھا کہ خوارزمیوں کے میسرے کے تقریباً سارے کے سارے سپاہی دوسرے حصّوں میں بھیج دیئے گئے ہیں۔ اُس نے حکم دیا کہ بلانویان کی سرکردگی میں ایک تومان جس طرح ممکن ہو پہاڑوں کے اس پار پہنچ جائے اور جن نقیبوں سے وہ سوالات پوچھ رہا تھا اُنہیں کو اس نے اس تومان کے رہبر بنا کے بھیجا۔ یہ مغلوں کی پرانی اُلٹ دینے والی چال تھی، جس سے وہ اپنے نشان کے ساتھ دشمن پر چھا جاتے تھے۔

بلانویان اور اس کے سپاہی رہبروں کے ساتھ دشوار گذار گھاٹیوں میں ہوتے ہوئے، سنگلاخ اور ناقابلِ عبور چٹانوں پر چڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ کچھ سپاہی نیچے گھاٹیوں میں جا گرے۔ لیکن سہ پہر کو اس تومان کا بڑا حصّہ چوٹی پر جا پہنچا اور اس جگہ کی حفاظت کے لئے جلال الدین خوارزم نے جو تھوڑے سے سپاہی باقی چھوڑے

تھے اُن پر پل پڑا۔ پہاڑوں کی اس فصیل کی طرف سے خوارزمیوں کا بازو محصور ہو گیا۔ بلانویان نے اپنے دشمنوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

اس درمیان میں چنگیز خاں اپنے ساتھ دس ہزار بھاری سواروں کو لے کے قلبِ لشکر کی جانب نہیں جہاں جلال الدین خوارزم کے حملے کا خطرہ بہت زیادہ تھا، بلکہ اپنے شکست خوردہ میسرے کی مدد کو جا پہنچا۔ اس کے حملے سے امین الملک کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کے تعاقب میں چنگیز خاں نے وقت ضائع نہیں کیا، اپنے دستوں کو موڑ کے اس نے جلال الدین خوارزم کے پہلو پر حملہ کیا جو قلب میں اُس کے قلبِ لشکر سے لڑ رہا تھا۔ دریا کے پاس جلال الدین خوارزم کا جو دستہ تھا وہ اس کے اور جلال الدین کے درمیان حائل ہو گیا۔

تہبرول لیکن تھکے ماندے مسلمان اس بوڑھے مغل کی چالاکی اور فراست سے بالکل مجبور ہو گئے۔ یہ آخری چالیں اس نے اس طرح چلی تھیں جیسے کوئی شطرنج میں شہ دیتا ہے۔ بڑی تیزی اور صفائی سے انجام قریب آ گیا۔ جلال الدین نے یاس کے عالم میں ایک آخری کوشش کر کے چنگیز خاں کے محافظ دستوں پر حملہ کیا، اور کوشش کی کہ اپنی فوج کو دریا کے کنارے ہٹا لے۔ مغلوں نے اس کا تعاقب کیا، اس کے دستے منتشر کر دئے گئے۔ بلانویان اس پر پورا دباؤ ڈال رہا تھا اور بالآخر جب جلال الدین خوارزم دریا کے اُونچے کرارے دار کنارے پر پہنچا تو اس کے ساتھ صرف سات سو ساتھی زندہ بچے تھے۔

یہ جان کر کہ خاتمہ کا وقت آ گیا، جلال الدین خوارزم ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار ہوا، اپنی زرہ اتار پھینکی اور اپنی تلوار، ایک کمان اور بھر ترکش بھر تیر لے کے اونچی چٹان سے دریا کے تیز دھارے میں، اپنے گھوڑے پر سوار کود پڑا اور دور دراز کنارے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ شاہزادے کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ مغل اب آخری خوارزمیوں کو گھیر چکے تھے اور خان نے اپنے گھوڑے کو چابک لگایا اور جنگ کے میدان سے ہوتا ہُوا دریا کے کنارے پر پہنچا۔ جہاں اس نے بیس فٹ اونچی چٹان سے سوار شہزادے کو دریا میں کودتے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموشی سے جلال الدین خوارزم کو دیکھتا رہا۔ پھر انگشت بدنداں ہو کے اُس نے بے ساختہ تحسین و آفرین کی :-

"وہ باپ خوش قسمت ہے جس کا بیٹا اتنا بہادر ہو۔"

اس نے جلال الدین خوارزم کی جرأت اور شجاعت کی تعریف میں دریغ نہیں کیا لیکن وہ اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ کچھ مغلوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے تعاقب میں دریا کو تیر کے پار کریں لیکن چنگیز خاں نے اس کی اجازت نہ دی۔ اس نے جلال الدین خوارزم کو تیز دھارے اور دریا کے تموّج کے باوجود دوسرے کنارے پر پہنچتا دیکھا۔ دوسرے دن اُس نے ایک تومان بلا نویان کی سرکردگی میں بھیجا کہ دریا کو ایک پایاب مقام سے پار کرے۔ یہ بلا نویان وہی سردار تھا۔ جس نے سنگلاخ چٹانوں اور چوٹیوں پر چڑھ کے خوارزمیوں کی فوج پر پہلو سے حملہ کیا تھا۔

بلا نویان نے ملتان اور لاہور کو تاراج کیا، گریزاں شاہزادے کا پتہ چلا کے تعاقب بھی کیا لیکن پھر دہلی جانے والے قافلوں کے ہجوم میں اُس کی کھوج نہ لگ سکی گوبی کی سطح مرتفع کے باشندوں کو یہاں کی شدید گرمی بڑی عجیب معلوم ہوئی اور بلا نویان نے واپس پلٹ کے خان سے عرض کی:

"اس مقام کی گرمی سے آدمی مرجاتے ہیں اور یہاں کا پانی نہ تازہ ہے نہ صاف ہے۔"

اس طرح شمالی حصّے کے علاوہ باقی ہندوستان مغلوں کی فتح سے بچ گیا۔

جلال الدین زندہ بچ گیا لیکن اس کی عظمت کا وقت نکل گیا تھا۔ پھر بھی وہ مغلوں کے اردو سے لڑتا رہا لیکن اب اُس کی حیثیت ایک آوارہ گرد بہادر کی تھی جس کا اپنا کوئی وطن نہ ہو۔

دریائے سندھ والی لڑائی آخری جنگ تھی جس میں خوارزمیوں کی عسکری طاقت نے مغلوں کا جم کے مقابلہ کیا۔ تبت سے بحیرۂ خزر تک مقاومت ختم ہو چکی تھی اور اس مملکت کی باقی ماندہ آبادی فاتحوں کی غلام بن چکی تھی۔ جب یہ جنگ ختم ہوئی تو جیسا کہ ختا کی لڑائیوں کے بعد ہُوا تھا، بوڑھے مغل کو اپنے وطن کی یاد ستانے لگی۔

اُس نے کہا "میرے بیٹوں کو ایسے ملکوں اور شہروں میں رہنے کی تمنا ہو گی مجھے تو نہیں ہے"۔

ایشیائے بعید میں اُس کی ضرورت تھی۔ اہلِ ختا کے کاندھوں پر مغلوں کا جُوا مضبوطی سے جما چکنے کے بعد مقولی بہادر فوت ہو چکا تھا۔ گوبی میں خانوں کی مجلسِ مشاورت بے چین تھی اور آپس میں حجت اور تکرار کر رہی تھی۔ ہیا کی سلطنت میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ ہیا کا علاقہ جو تبت کے دور دراز ڈھلوانوں کے پاس ہے کوئی آٹھ سو میل دُور ہو گا اور وہاں پہنچنے کے لئے اس نے کشمیر کی طویل وادیوں کا رُخ کیا۔ لیکن سکندرِ اعظم کی طرح اُس نے دیکھا کہ ناقابلِ عبور پہاڑی سلسلے اُس کے راستے میں حائل تھے۔ اس دشواری کو دیکھ کے اس نے سکندر سے زیادہ عقلمندی دکھائی اور ملا اپس وپش دُنیا کی چھت پامیر سے ہوتا ہوا واپس لوٹا تاکہ اُس کاروانوں کی شاہراہ پر سفر کرے، جو اس نے اپنے حملے

کے وقت خود تیار کروائی تھی۔

اس نے پشاور کو تاراج کیا اور تیزی سے کوچ کرتا ہوا سمرقند واپس پہنچا۔ ۱۲۲۰ء کے موسم بہار میں اس نے سمرقند کی دیواروں اور اس کے باغات کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور اب ۱۲۲۱ء کی خزاں میں دنیا کی چھت کے سائے میں وہ جو کام کرنے نکلا تھا پورا کر چکا تھا۔

دانا لیو چیتسائی نے رائے دی کہ "اب وقت آگیا ہے کہ قتل و غارت کو ختم کیا جائے۔"

جب مغل اردو جنوب کے ویرانوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا واپس ہوا تو چنگیز خان نے حسب معمول حکم نافذ کیا کہ تمام اسیرانِ جنگ کا قتلِ عام کیا جائے۔ اس طرح وہ بدنصیب ہجوم جو ان خانہ بدوشوں کے ہجوم کے پیچھے پیچھے گھسٹتا چلا آتا تھا ختم کر دیا گیا۔ مسلمان بادشاہوں کی حرم سراؤں کی خواتین اور بیگمات جن کو پکڑ کے مغل گوبی لئے جا رہے تھے، انہیں اجازت دی گئی کہ سڑک کے کنارے اپنے ملک کو آخری بار دیکھ کے رو دھو لیں۔

معلوم ہوتا ہے کبھی کبھی ایک آدھ لمحہ ایسا بھی آیا کہ بوڑھے مغل نے اپنے فتوحات کے مطلب پر غور کیا۔

اس نے ایک مسلمان عالم سے پوچھا "کیا تیری رائے میں بنی نوعِ انسان کو میری خونریزی یاد رہے گی؟" اس نے چین اور عالمِ اسلام کے اس علم و فضل کے متعلق سوچا جسے سمجھنے کی اس نے کوشش کی اور پھر بہت جلد اس کی دلچسپی ختم ہو گئی "میں نے داناؤں کی دانشمندی پر غور کیا ہے۔ اب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے خونریزی تو کی ہے لیکن یہ جانے بغیر کہ یہ ٹھیک تھی یا نہیں لیکن داناؤں کی دانشمندی کی مجھے کیا پروا؟"

جو پناہ گزین سمرقند میں جمع ہو گئے تھے اور جو خوف سے کانپتے ہوئے اس کی خدمت میں تحفے لے آئے تھے وہ ان سے مہربانی سے پیش آیا۔ اس نے ان سے باتیں کیں۔ نئے سرے سے انہیں اُن کے بادشاہ خوارزم شاہ کی کمزوریاں سمجھائیں کہ نہ اسے اپنے وعدے پر قائم رہنا آتا تھا اور نہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرنا۔ اس نے ان مفتوحہ آدمیوں ہی میں سے صوبہ دار اور گورنر مقرر کئے اور جس طرح کے انسانی حقوق اُس زمانے میں ممکن تھے انہیں عطا کئے یعنی یاسا کے مطابق ان کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے بیٹوں نے ان لوگوں پر حکومت کی۔

دُنیا کا فاتح، اپنے زخموں کی خراش کو اب زیادہ محسوس کرنے لگا تھا اور یہ سمجھ گیا تھا کہ اب اس دُنیا میں اُسے زیادہ نہیں رہنا ہے۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ نظم و نسق مکمل ہو جائے۔ بغاوت فرو ہو جائے، یاسا کا قانون نافذ ہو لے، اور اس کے بیٹے حکومت سنبھال لیں۔

اُس نے ڈاک کی سڑکوں پر تمام سرداروں کے پاس ہرکارے بھجوائے کہ سیر دریا کے کنارے، اُسی مقام کے قریب جہاں سے اُس نے خوارزم کی سرحد میں قدم رکھا تھا، ایک بڑی مجلسِ مشاورت میں آ کے شریک ہوں۔

اکیسواں باب

قوریلتائی

اس مجلسِ مشاورت کے لیے جو مقام تجویز کیا گیا تھا۔ وہ سات میل کے قریب قُطر کا ایک سبزہ زار تھا۔ مغلوں کو سوچ بچار کے لیے اس سے بہتر مقام شاید ہی کہیں ملتا کیونکہ یہاں دریا کے پاس کی دلدلوں میں مُرغابیاں افراط سے تھیں اور ہری بھری اونچی اونچی گھاس میں تیتر اڑتے پھرتے تھے۔ چراگاہوں کی کوئی حد نہیں تھی اور ڈھلوانو پر شکار افراط سے تھا۔ یہ ابتدائے بہار کا زمانہ تھا اور اسی زمانے میں قوریلتائی منعقد کرنے کا دستور تھا۔

حکم کی تعمیل میں پابندی کے ساتھ اُردو کے سرداروں کی سواریاں آنے لگیں۔ صرف محنتی سوبدائی بہادر جو یورپ سے بُلایا گیا تھا۔ ذرا دیر بعد پہنچا۔

ربع مسکون کے ہر گوشے سے یہ سردار آئے۔ یہ مغل سلطنت کے شہباز تھے۔ دُور دراز صوبوں کے سپہ سالار، گردش کرنے والے ترخان، محکوم سردار اور ایلچی۔ خانہ بدوش بہادروں کے اس مستقر کو وہ بہت دور دور سے سفر کر کے آئے تھے اور معمولی خدم و حشم کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ ختا سے آنے والے کبت کاؤں کو ٹھاٹھ کی جوڑی والے بیل کھینچ کھینچ کے لائے تھے جو ریشمی غلاف پہنے تھے۔ چوبتروں پر محکوم ملکوں سے چھینے ہوئے جھنڈے اور پرچم لہرا رہے تھے۔

تبت کی ڈھلوانوں سے جو سردار آئے تھے اُن کی بند گاڑیوں پر چمڑے کا سنہرا کام تھا اور اُنہیں سست رو لمبے بالوں والے یاک کھینچ کے لائے تھے۔ جن کے سینگ

بہت چوڑے ہوتے ہیں اور جن کی دُمیں ریشم کی طرح ملائم ہوتی ہیں۔ مغلوں کے یہاں ان جانوروں کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ امیر جنگ تُولی خراسان سے اپنے ساتھ اونٹوں کی قطاریں لایا تھا چغتائی جو برف پوش پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا آیا تھا اپنے ساتھ ایک لاکھ گھوڑے لایا تھا۔ اردو کے یہ سارے سردار کمخواب اور طلائی اور نقرئی جاموں میں ملبوس تھے، جن پر وہ سمور کے لبادے اور بھیڑیوں کی بھوری نقرئی کھالیں اوڑھے تھے تاکہ ان کے بیش قیمت کپڑے میلے نہ ہو جائیں۔

طیان شان سے قوم ایغور کا سردار ایدیقوت آیا تھا جو تمام حلیفوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ چوڑے چہرے والے قرغیز عیسائیوں کا شیر بادشاہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تھا کہ مغل فاتح کا حلیف بنے۔ لمبے اُونچے ترکمان بڑے شاندار لبادے پہنے آئے تھے۔

گھوڑوں کا ساز اب موسم زدہ چمڑے کا نہیں تھا بلکہ کھنکھناتی ہوئی لوہے کی زنجیروں کا تھا، گھوڑوں کے جوؤں پر چاندی کا مرصع کام صیقل اور جڑے ہوئے ہیروں سے چمک رہا تھا۔

گوبی سے ایک بڑا چھیبا لڑکا قوبیلائی آیا تھا، جو تُولی کا بیٹا تھا۔ قوبیلائی کی عمر ابھی نو سال کی تھی۔ اُسے شکار میں پہلی مرتبہ شریک ہونے کی اجازت دی گئی اور شہنشاہ کے پوتے کے لئے یہ بڑے فخر کی بات تھی۔ چنگیز خاں نے خود اپنے ہاتھوں یہ رسم ادا کی۔

اُردو کے سردار اب قوریلتائی کے مقام پر جمع ہو گئے تھے۔ یہ ایک اتنا بڑا سفید شامیانہ تھا کہ اس میں دو ہزار آدمی آسانی سے سما سکتے تھے۔ اس کا ایک دروازہ صرف چنگیز خاں کے استعمال کے لئے تھا۔ جنوب کے دروازے پر جو سپاہی ڈھالیں لئے ہوئے سوار کھڑے تھے، وہ محض محافظ دستہ کے تھے۔ اردو کا نظم و ضبط اتنا سخت تھا اور اس نئی سلطنت کے معمول اس قدر معین تھے کہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ بلا اجازت مغل فاتح کے اقامت کے

خیموں کے قریب پہنچ سکے۔

گوبی میں پہلے چنگیز خاں کی خدمت میں گھوڑے اور عورتیں اور ہتھیار پیش کئے جاتے تھے۔ اب اردو کے سرداروں اور محکوم حکمرانوں نے اُسے نئی طرح کے تحفے دیئے۔ ایسے بیش بہا مال و جواہر جو نصف کرۂ ارض کے خزانوں سے لوٹ لوٹ کے فراہم کئے گئے تھے۔ مورخ کا بیان ہے "ایسی دولت و شان اس سے پہلے کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔"

اس مغل سلطنت کے شہزادے اب گھوڑیوں کے دودھ کے بجائے شہد کھا رہے تھے اور ایران کی سفید اور سرخ شرابیں پی رہے تھے۔ خان نے بھی اعتراف کیا تھا کہ اُسے شیراز کی شراب بہت پسند ہے۔

وہ محمد خوارزم شاہ کے تخت پر چڑھا بیٹھا تھا جسے وہ سمرقند سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے پاس ہی اُس مرحوم مسلمان بادشاہ کا تاج اور شاہی عصا رکھا تھا۔ جب قوریلتائی کا آغاز ہوا تو خوارزم شاہ کی والدہ کشاں کشاں لائی گئی۔ اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں۔ خوارزم شاہ کے تخت کے نیچے جانوروں کے بالوں کا بنا ہوا خاکی سمور کا ٹکڑا پڑا تھا یہ گوبی میں اس کی سرداری کی مسند تھی۔

مشرق سے آئے ہوئے سرداروں کو اس نے اپنے گذشتہ تین برسوں کی فتوحات کی داستان سنائی۔ اُس نے متانت سے کہا "یاسا کی برکت سے میں نے بہت بڑی سلطنت پر قبضہ کیا ہے۔ تم اُس کے قانونوں کی پابندی کرتے رہنا۔"

اس ہوشیار مغل نے اپنے کارنامے گنانے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ اب اُسے جو حاصل کرنا تھا وہ یہ تھا کہ اُس کے سارے سردار قانون کی پابندی کریں۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ خود سب کو مشورہ دے۔ اُس کے سردار اپنے طور پر خود جنگ کر سکتے تھے اور اُسے معلوم تھا کہ اگر ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی تو یہ بڑی خرابی کی بات ہو گی۔ اپنی فتوحات کی وسعت کا اندازہ کرانے کے لیے اس نے یکے بعد دیگرے ایلچیوں کو اپنے تخت کے نزدیک

بُلوایا۔

اپنے تینوں بیٹوں کو اُس نے یہ کہہ کے تنبیہہ کی "آپس میں ہرگز لڑنا جھگڑنا نہیں سب بے چُون وچرا اوگدائی سے وفاداری کرنا"

اس کے بعد قوریلتائی میں مہینہ بھر جشن ہوتا رہا اور اس درمیان میں دو ایسے مہمان پہنچے جن کا بڑا انتظار تھا۔ پولینڈ کی سرحد سے سوبدائی بہادر آیا تھا اور اپنے ساتھ جوجی کو لیتا آیا تھا۔

چنگیز خاں کے سب سے بڑے بیٹے کو تجربہ کار اور خون ڈھونڈھ لایا تھا اور اسے راضی کر لیا تھا کہ قوریلتائی میں شرکت کرے اور پھر سے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہو۔ جوجی چنگیز خاں کے سامنے حاضر تھا اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اس کے سامنے دوزانو تھا۔ اس سے اس بوڑھے فاتح کو بڑی مسرت ہوئی کیونکہ وہ جوجی کو بہت چاہتا تھا، اگرچہ کہ اپنی محبت کو وہ ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔

یورپ کی چراگاہوں کا فاتح سوبدائی بہادر اپنے آقا کے لئے تحفۃً ایک لاکھ قپچاقی گھوڑے لایا تھا۔ جوجی کو دربار زیادہ پسند نہیں تھا، اس نے وولگا کے کنارے واپس جانے کی اجازت چاہی اور اُسے یہ اجازت مل گئی۔

جشن ختم ہوا، چغتائی پہاڑوں پر چلا گیا، دوسرے اُردوؤں نے قراقورم کا راستہ لیا۔ مؤرخ کا بیان ہے کہ روزانہ چنگیز خاں سوبدائی بہادر کو بُلا بھیجتا اور اس سے یورپ کے ملکوں کے حالات پُوچھتا۔

بائیسواں باب

اختتامِ کار

اپنے وطن واپس پہنچ کے زندگی کے باقی دن وہاں گذارنا چنگیز خاں کی قسمت میں نہیں لکھا تھا۔ اُس کے بیٹوں کے لئے سب کام مکمل ہو چکے تھے، صرف دو کی کسر رہ گئی تھی جس دنیا کا بوڑھے چنگیز خاں کو علم تھا۔ اُس میں صرف دو دشمن قوتیں باقی رہ گئی تھیں، ایک تو تبت کے قریب کی جھگڑالو ہیا سلطنت، دوسرے جنوبی چین میں سنگ خاندان کی پرانی حکومت۔ اس نے قراقورم میں اپنے لوگوں کے ساتھ موسم گذارا۔ بورتہ اُس کے ساتھ تھی اور پھر وہ سوار ہو کے نکل کھڑا ہوا۔ سوبدائی بہادر کو سُنگ کی سرزمینوں کی فتح کے لئے بھیجا اور ہیا کے صحراؤں کے قبائل کی سرکوبی کا خود چنگیز خاں نے بیڑا اٹھایا۔

اور اس میں اس نے کامیابی حاصل کی۔ جاڑوں کے موسم میں منجمد دلدلوں کو عبور کر کے جب وہ پہنچا تو اس نے اپنے قدیم دشمنوں کو وہاں اکٹھا پایا۔ بچے کھچے خطائی مغربی چین کی فوجیں، ترک اور ہیا کی تمام تر فوجیں۔ تاریخ میں ہمیں تباہ کاری اور بربادی کی بھیانک تصویر نظر آتی ہے۔ سمور پوش مغل ایک منجمد دریا کے برف پر کس طرح لڑتے ہوئے گذرے، اُن کے مقابل جو متحد محاذ تھا۔ اُس نے اکٹھا ہو کے چنگیز خاں کے قلبِ لشکر پر کس طرح حملہ کیا۔ اس لڑائی میں تین لاکھ آدمی مارے گئے۔

اور پھر عبرت ناک انجام۔ دھوکہ کھا کے، زیر و زبر ہو کے، گریزاں شکار کی طرح متحدین کے باقی سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مغل اردو کے راستے میں جتنے ایسے آدمی آئے جو ہتھیار اُٹھا سکتے تھے انہیں قتل کر دیا گیا۔ ہیا کا بادشاہ بچ کے ایک پہاڑی قلعہ میں جا چھپا جو

برف پوش چوٹیوں اور گھاٹیوں میں محفوظ تھا اور وہاں سے اس نے جابر خان کو اطاعت نامہ لکھ بھیجا۔ اپنی منافرت اور یاس کو دوستی کے پردے میں چھپا کے اس نے درخواست کی کہ جو غلطی ہو چکی تھی وہ معاف کر دی جائے۔

چنگیز خاں نے اُس کے ایلچیوں کو جواب دیا "اپنے آقا سے کہہ دینا کہ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ میں اس کو بھول چکا۔ میں تمہارے آقا کو اپنا دوست سمجھوں گا۔"

لیکن چنگیز خاں جنگ کو ختم کرنے پر تیار نہ تھا جس طرح ان متحدین کا سر نیچا کیا گیا تھا اُسی طرح سُنگ کے باشندوں کو شکست دینا تھا۔ درمیانی جاڑوں میں اردو نے قدیم چین کی سرحدوں کی طرف کوچ کیا۔ دانائے کامل لیو چینسائی نے سُنگ کو نیست و نابود کرنے کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

"اگر تُو ان سب آدمیوں کو مار ڈالے گا تو تیری مدد کون کرے گا اور تیرے بیٹوں کے لئے دولت کون پیدا کرے گا۔"

بوڑھے فاتح نے غور کیا۔ شاید یہ یاد کیا کہ جب وہ آباد زمینوں کو ویران کر چکا تو چین کے داناؤں ہی کی بدولت نظم و نسق برقرار رہ سکا۔ خلاف توقع اُس نے جواب دیا:

"میں تجھے مفتوحہ قوموں کا سردار بناتا ہوں ــــ میرے بیٹوں کی خدمت وفاداری سے کرنا۔"

لیکن وہ سُنگ کو فتح کرنے کے ارادے سے باز نہیں آیا۔ اس فتح کی تکمیل ضروری تھی۔

وہ اُسی طرح زین پر سوار رہا اور اپنی فوجیں زرد دریا کے اُس پار لے گیا۔ یہاں خان کو یورپ کی چراگاہوں میں جوجی کی موت کی اطلاع ملی۔ اس نے اپنے خیمے میں تنہا رہنے کی خواہش ظاہر کی اور خاموشی کے عالم میں اُس نے اپنے فرزند اکبر کی موت کا بڑا رنج کیا۔

زیادہ دن نہیں گذرے تھے جب بامیان میں اُس کے سامنے اوگدائی کا خوردسال لڑکا مارا گیا تھا اور اس نے ریخوریاب کو رنج نہ کرنے کا حکم دیا تھا" اس معاملے میں میرا کہنا مان۔ تیرا بیٹا مارا گیا ہے۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ہرگز نہ رونا۔"

اُس نے خود بھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ جوجی کی موت کا اُسے صدمہ ہے۔ لشکر آگے بڑھتے رہے سب کام معمول کے مطابق ہوتا رہا، لیکن چنگیز خاں اب اپنے افسروں سے کم بات چیت کرتا تھا اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جب بحیرۂ خوارزم کے قریب ایک نئی فتح کی خبر اسے سنائی گئی تو اس پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ نہ اُس نے کچھ کہا، نہ تعریف کی۔ جب لشکر ایک گھنے صنوبروں کے جنگل میں پہنچا، جہاں اب بھی درختوں کے سائے میں برف نہیں پگھلی تھی۔ حالانکہ سورج گرم تھا، اُس نے لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔

اُس نے قاصدوں کو تیزی سے تُولی کے پاس دوڑایا جو اُس کے اور بیٹوں کے مقابل زیادہ قریب تھا۔ یہ امیرِ جنگ جواب بڑا بھرپور جوان تھا، خان کے یورت کے سامنے گھوڑے سے اُترا تو اس نے اپنے باپ کو آگ کے قریب ایک قالین پر سمور کے لبادوں میں لپٹا ہُوا، لیٹا پایا۔

بوڑھے مغل نے اپنے بیٹے کو مرحبا کہہ کے یہ کہا "اب مجھے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کے، اور تجھے چھوڑ کے مجھے یہاں سے جانا ہے۔"

وہ کچھ عرصہ سے بیمار تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس بیماری میں اُس کی جان گھُلی جا رہی ہے۔ اس نے اپنے پاس اردو کے افسروں کو بلا بھیجا اور جب تُولی اور یہ سب افسر دو زانو ہو کے غور سے اُس کے الفاظ سننے لگے تو اس نے اُنہیں واضح ہدایتیں دیں کہ کس طرح سُنگ کی سلطنت کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے، کیونکہ اُس نے یہ جنگ شروع تو کی تھی لیکن اسے ختم نہ کر پایا تھا۔ تُولی کو حکم تھا کہ مشرق کی زمینیں اُس کی تحویل میں آئیں اور مغرب کی سرزمینوں پر چغتائی کی حکومت ہو۔ اور اوگدائی اُن سب کا آقا ہو اور قراقورم میں خاقان بن کے تخت نشین ہو۔

جیسا کہ خانہ بدوشوں کا معمول ہے۔ وہ بلا تاسف کئے مر گیا۔ اپنے بیٹوں کے لئے اُس نے دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور سب سے زیادہ تباہ کُن فوج اس طرح

چھوڑی جیسے کوئی اپنے وارثوں کے لئے خیمے اور گلّے چھوڑ جائے۔ یہ ۱۲۲۷ء کا واقعہ ہے جو بارہ جانوروں والی جنتری کے حساب سے مُوش والے برس کا واقعہ ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اپنے مرض الموت کے زمانے میں چنگیز خاں نے اس کا انتظام کر دیا تھا کہ اُس کے پرانے دشمن ہیا کے بادشاہ کو تباہ و برباد کر دیا جائے جو اب اُردو کی طرف آرہا تھا۔ خان نے حکم دیا تھا کہ جب تک یہ ہو نہ جائے اس کے مرنے کی خبر کو پوشیدہ رکھا جائے۔

ایک نیزہ اس فاتح شہنشاہ کی یورت کے سامنے جو خیمہ گاہ سے ذرا الگ نصب تھا، گاڑ دیا گیا تھا۔ نیزے کی اَنی زمین میں دھنسی ہوئی تھی۔ نجومی اور دانشور جو چنگیز خاں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے انہیں محافظ سپاہی اس طرف آنے نہ دیتے تھے اور صرف اعلیٰ سردار خیمے کے دروازے سے اس طرح اندر آتے اور باہر جاتے۔ گویا اُن کا آقا بیمار ہے اور بستر پر پڑے پڑے اُنہیں ہدایتیں دے رہا ہے۔ جب ہیا کا بادشاہ اور اس کی ہمرکاب فوج مغل اردو میں پہنچ گئی تو اُسے ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا، اعزاز کے خلعت پہنائے گئے اور اردو کے سرداروں کے درمیان بٹھایا گیا۔ پھر چُن چُن کے ہیا کے بادشاہ اور اُس کے ایک ایک ساتھی کو قتل کر دیا گیا۔

چنگیز خاں کو کھونے کے بعد، ایک ایسے آدمی کی موت کے بعد جسے بظاہر کوئی شکست نہ دے سکتا تھا اور جو اُن کی ہر مراد برلاتا تھا اُس کے اورخون اور شاہزادے اُس کی لاش کو واپس گوبی لے گئے۔ دفن سے پہلے ضروری تھا کہ اس کی لاش قوم کو دکھائی جائے اور اس کی پہلی بیوی بورتہ کے گھر پہنچائی جائے۔

چنگیز خاں نے تُنگ کے علاقے میں وفات پائی تھی۔ وہ مغل سپاہی جو اُس کے جنازے کا رتھ لئے جا رہے تھے انہوں نے ریگستان تک راستے میں جو ملا تھا اُسے قتل کر دیا تھا تاکہ دشمنوں کو چنگیز خاں کی موت کا علم نہ ہونے پائے۔ ریگستان پہنچ کے اردو

کے پرانے جنگ آزمودہ سپاہیوں نے جنازے کے ساتھ ساتھ باآوازِ بلند ماتم شروع کیا۔
اُنہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ اب چنگیز خاں اُن کے قومی نشان کے آگے آگے سوار ہو کے نہ چل سکے گا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق ادھر اودھر کی مہمات پر نہ بھیج سکے گا۔
ایک سپید سر ترخان نے کہا: "اے آقا بلدو تُو ہمیں اس طرح چھوڑ کے چلا گیا؟ تیرا پیدائشی ملک اور اُس کی ندیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ تیرے خوش قسمت وطن میں تیرا سنہرا مکان، جس کے اطراف بہادر سورما کھڑے ہیں۔ تیرا انتظار کر رہا ہے۔ تو ہمیں کیوں اس گرم سرزمین میں پیچھے چھوڑ گیا۔ جہاں اتنے دشمن مرے پڑے ہیں؟"
ریگستان کی سطح طے کرتے کرتے اوروں نے بھی ماتم کیا ہے۔ اُن کے ماتم کے الفاظ کو مورخ نے یوں دہرایا ہے:۔
"کبھی تو شہباز کی طرح جھپٹا کرتا تھا، اب ایک لڑکھڑاتی ہوئی گاڑی تجھے اٹھائے لئے جا رہی ہے۔

اے میرے خان!

"کیا تو سچ مچ اپنے بال بچوں، اپنی قوم کی قوریلتائی کو چھوڑ کے چلا گیا؟
اے میرے خان!

"کبھی تو ہماری سرواری کرتا تھا، اور غرور وفخر سے عقاب کی طرح چکر لگاتا تھا لیکن اب تُو لڑکھڑا کر گر چکا ہے۔

اے میرے خان!"

فاتح کی لاش گھر لائی گئی۔ قراقورم نہیں بلکہ اُن وادیوں میں جہاں اپنے لڑکپن میں اُس نے بڑے استقلال سے زندہ رہنے کی کوشش کی تھی، یہ اس کی وہ موروثی سرزمین تھی جسے وہ کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اُردو کے ہرکارے سوار ہو کے چراگاہوں کے راستے ہر طرف دوڑ گئے تاکہ ارخانوں، شہزادوں اور دُور دراز سپہ سالاروں کو یہ خبر سنائیں

کہ چنگیز خاں مرگیا۔

جب آخری سردار اُس یورت کے دروازے پر پہنچ کے اتر چکا جس میں چنگیز خاں کی لاش رکھی تھی تو اُس کی لاش آخری آرام گاہ کو پہنچائی گئی۔ غالباً اُس جنگل کو جسے اپنی قبر کے لئے خود اُس نے استعمال کیا تھا۔ کسی کو ٹھیک ٹھیک پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں دفن کیا گیا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک بڑے درخت کے نیچے اُس کی قبر کھودی گئی۔

مغلوں کی روایت ہے کہ ایک قبیلے کو فوجی خدمت معاف کر دی گئی اور صرف یہ فرض اُس کے تفویض کیا گیا کہ وہ اُس مقام کی نگرانی کرے جہاں چنگیز خاں دفن کیا گیا تھا۔ ان درختوں کے جھنڈ میں ہمیشہ خوشبو جلائی جاتی۔ یہاں تک کہ اطراف کا جنگل اتنا گھنا ہو گیا کہ اور درختوں میں وہ بڑا سا درخت کھو گیا جس کے نیچے چنگیز خاں دفن تھا اور اس کی قبر کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

چوتھا حصّہ

حرفِ آخر

ماتم میں دو سال گذر گئے۔ اس دو سال کے عرصے میں تولی نگرانِ کارِ حکومت بن کر قراقورم میں مقیم رہا۔ اور مقررہ وقت پر شاہزادوں اور سپہ سالاروں نے پھر واپس گوبی کو سفر کیا تاکہ متوفی فاتح کی مرضی کے مطابق اپنا نیا شہنشاہ، نیا خاقان منتخب کریں۔

یہ شاہزادے اپنے حق کے مطابق بادشاہ بن کے آئے تھے۔ وراثت کے متعلق چنگیز خاں کی یہی وصیت تھی سخت مزاج چغتائی جو زندہ بیٹوں میں اب سب سے بڑا تھا وسط ایشیا اور اسلامی ملکوں سے آیا تھا۔ خوش مزاج اوگدائی گوبی کی سطح مرتفع سے۔ عالیشان" باتو" جو جوجی کا بیٹا تھا روس کے میدانوں سے۔

ان سب نے مغل اہلِ قبائل کی طرح پرورش پائی تھی لیکن اب وہ دُنیا کے بڑے بڑے ٹکڑوں اور اس کی مال و دولت کے مالک تھے۔ اُن کے علم کے مطابق جتنی دُنیا تھی اُس کا بڑا حصّہ ان کے تصرف میں تھا۔ وہ وحشیوں میں پرورش پائے ہوئے ایشیائی تھے، مگر چاروں میں سے ہر ایک کے حکم میں ایک بڑی طاقتور فوج تھی۔ اپنے نئے نئے علاقوں میں اُنہیں شراب عیش کا چسکا لگ چکا تھا چنگیز خاں نے کہا تھا "میرے وارث اطلس اور کمخواب کے سنہرے کاڑھے ہوئے کپڑے پہنیں گے خوب گوشت کھائیں گے اور شاندار گھوڑوں پر سواری کریں گے۔ جوان اور حسین عورتوں کو اپنی آغوش میں لیں گے لیکن یہ یاد نہ کریں گے کہ کس کی وجہ سے انہیں یہ سب نعمتیں ملیں۔"

اگر وہ آپس میں لڑ پڑتے اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی تو یہ قدرتی امر تھا۔ دو سال کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ خانہ جنگی ضرور ہو گی اور اس کی پہل چغتائی کی طرف سے ہو گی جو اب سب بھائیوں میں بڑا تھا اور مغلوں کے دستور کے مطابق خان بننے کا حقدار تھا۔ لیکن اس پہ سے ہجوم پر مرے ہوئے فاتح کی وصیت کا نقش مرتسم تھا جس آہنی

پنجے نے نظم و ضبط قائم کیا تھا۔ اُسی کی گرفت میں وہ ابھی تک متحد اور متفق تھے۔ یہ یاسا کا فرمان تھا ــــ اطاعت ــــ اپنے بھائیوں سے وفاداری ــــ خانہ جنگی سے احتراز۔

کئی مرتبہ چنگیز خاں نے انہیں تنبیہہ کی تھی کہ اگر وہ آپس میں لڑ پڑے تو اُن کی سلطنت غائب ہو جائے گی اور وہ خود مٹ جائیں گے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ اُس کی یہ نئی سلطنت صرف ایک شخص کے اقتدار، اور اس کی اطاعت کی بنیاد پر نہیں چل سکے گی۔ اسی لئے اُس نے جنگجو تُولی یا تند مزاج چغتائی کو نہیں بلکہ سیدھے سادے فیاض اوگدائی کو اپنی جانشینی کے لئے انتخاب کیا تھا۔ اس انتخاب کی وجہ یہ بھی کہ وہ اپنے بیٹوں کی طبیعتوں کو بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا چغتائی ہرگز سب سے چھوٹے بھائی تُولی کی اطاعت نہ کرتا اور تُولی، امیر جنگ زیادہ دن تک اپنے بخت گیر بڑے بھائی کی خدمت نہ کر سکتا۔

جب سب شہزادے قراقورم میں جمع ہوئے تو تُولی جو امیر الامرا (اُرلغ نوئین) اور نگراں گار سلطنت تھا، اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوا اور اوگدائی سے درخواست کی گئی کہ وہ تخت و تاج کو قبول کرے۔ اوگدائی نے جو امیر قوریلتائی تھا یہ کہہ کے اس خدمت کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ وہ اپنے چچاؤں اور بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے اس اعزاز کو قبول کرنے کا اہل نہیں ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ اوگدائی اپنی ضد پر قائم تھا، یا شاید اس وجہ سے کہ نجومیوں کی رائے میں وقت مناسب نہیں تھا، چالیس دن شک اور تذبذب کے عالم میں گذر گئے۔ تب اوزخون اور بوڑھے بوڑھے جنگجو اوگدائی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غصے کے عالم میں اس سے کہا "تو یہ کیا کر رہا ہے؟ خان نے خود تجھے اپنا جانشین انتخاب کیا تھا"

تُولی نے بھی زور دیا۔ اپنے باپ کے آخری الفاظ سنانے اور دانائے ختا یلیو چیتسائی نے جو خزانچی تھا اپنی پوری ذہانت اس کوشش میں صرف کر دی کہ کوئی نئی آفت نہ آئے۔ تُولی پر شک اور خوف کا عالم تھا اور اس نے اس چینی وزیر سے جو نجومی بھی تھا یہ پوچھا کہ تخت نشینی کے لئے آج کا دن مبارک ہے یا نہیں۔

ختائی نے فوراً جواب دیا "آج کے بعد پھر کوئی اور دن مبارک نہیں"۔

تُولی نے اوگدائی کو مجبور کیا کہ سمور پوش چبوترے کے اوپر بچھے ہوئے طلائی تخت پر تخت نشین ہو،

اور جب نیا خاقان تخت نشین ہو رہا تھا تو لیو چیتسائی نے اس کے قریب پہنچ کر چغتائی سے خطاب کیا۔ اس نے کہا "عمر میں تو اُس سے بڑا ہے لیکن تو اس کی رعایا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا اور سب سے پہلے تُو ہی تخت کے سامنے سجدہ کر۔"

ایک لمحہ کی ہچکچاہٹ کے بعد چغتائی نے اپنے بھائی کے آگے اپنا سر سجدے میں جھکا دیا۔ قوریلتائی کے شامیانے میں جتنے سردار اور امیر تھے سب نے یہی کیا اور اوگدائی کو خاقان انتخاب کر لیا گیا۔ پورے مجمع نے باہر نکل کے جنوب مشرق میں آفتاب کی طرف سر جھکایا اور سارے لشکر نے یہی کیا۔ اس کے بعد ضیافت کا دور شروع ہوا جو خزانہ چنگیز خاں نے چھوڑا تھا، جو دولت نامعلوم دنیا کے چاروں گوشوں سے اکٹھا کی گئی وہ سب دوسرے شاہزادوں، امیروں، افسروں اور فوج کے مغلوں پر نچھاور کر دی گئی[1]

اوگدائی نے ان سب لوگوں کی خطائیں معاف کر دیں جو اس کے باپ کے مرنے کے وقت سے اب تک کسی نہ کسی جرم پر ماخوذ ہوئے تھے۔ اس زمانے کے اور مغلوں کے مقابل اوگدائی نے بڑی رواداری سے حکومت کی۔ وہ لیو چیتسائی کے مشورے پر عمل کرتا جو ایک طرف تو بڑے عزم و استقلال سے اپنے آقاؤں کی سلطنت کی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسری طرف مغلوں کو روک رہا تھا کہ وہ بنی نوعِ انسان کو اور زیادہ نیست و نابود نہ کریں۔ اس نے اس موقع پر خوفناک سوبدائی بہادر کی مخالفت کی جرأت کی جب کہ یہ اور خون تولی کے ساتھ ہونان کے علاقے میں جنگ کر رہا تھا اور ایک بڑے شہر کے باشندوں کا قتلِ عام کرنا چاہتا تھا۔

اس ہوشیار مشیر کار نے اس طرح حجت کی "ان کئی سالوں میں ہماری فوج رعایا کے پیدا کیے ہوئے غلّہ اور اس کی دولت کی بنا پر لڑتی رہی ہے اگر ہم سب انسانوں کو قتل کر دیں گے تو خالی ویران زمین کو لے کر کیا کریں گے؟"

اوگدائی نے یہ بات مان لی اور پندرہ لاکھ چینیوں کی جان بخشی کر دی جو اس شہر میں جمع ہوئے تھے۔

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ چالیس حسین عورتیں اور چالیس خوبصورت مشکی گھوڑے چنگیز خاں کی قبر پر ذبح کر کے قربانی کیے گئے۔

لیو چتسائی ہی نے محصول جمع کرنے کے باقاعدہ اصول بنائے۔ مغلوں سے ایک ایک فیصد مویشی اور چین کے ہر خاندان سے چاندی یا ریشم کی شکل میں ایک معین رقم۔ اس نے اوگدائی سے بحث کر کے اس سے پڑھے لکھے چینیوں کو خزانہ اور نظم و نسق کے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کرایا۔

اس نے تجویز یوں پیش کی: "جب کوئی برتن بنوانا ہوتا ہے تو تو کوزہ گر سے بنواتا ہے۔ اسی طرح ہی کھاتوں اور حساب کتاب کو ٹھیک رکھنے کے لئے پڑھے لکھے آدمیوں کا استعمال کرنا چاہیئے۔"

"اچھا" مغل نے جھلا کے جواب دیا "تو پھر تو ان کا استعمال کیوں نہیں کرتا؟"

ادھر اوگدائی نے اپنے لئے ایک نیا محل تعمیر کرایا، ادھر لیو چتسائی نے مغل لڑکوں کے لئے مدرسے کھولے۔ روز قراقورم کو، جواب اردو بالیغ (دربار کا شہر) کہلاتا تھا پانچسو چھکڑے آتے۔ ان چھکڑوں میں کھانے پینے کی چیزیں، غلہ، قیمتی ساز و سامان ہوتا جو ذخیروں اور شاہی خزانے میں جمع کیا جاتا۔ ریگستان کے خانوں کی حکومت نصف دنیا پر مستحکم ہو چکی تھی۔

سکندر اعظم کی سلطنت کے برعکس چنگیز خاں کی مغل حکومت اس کے مرنے کے بعد جوں کی توں برقرار رہی۔ اس نے مغل قبیلوں کو ایک حاکم کا مطیع بنا دیا تھا، ان کے لئے ایک پکا قانون بنا دیا تھا جو بھونڈا اور غیر مہذب سہی لیکن اس کے مقصد کے لئے موزوں تھا اور اپنی حکومت کے زمانے ہی میں اس نے سلطنت کے نظم و نسق کی بنیادیں ڈال دی تھیں۔ اس آخری کام میں اسے لیو چتسائی سے بڑی مدد ملی تھی۔

اس فاتح نے اپنے جانشینوں کو سب سے زیادہ اہم چیز جو ورثے میں عطا کی وہ مغل فوج تھی۔ اس کی وصیت کے مطابق مغل ارضو اوگدائی، چغتائی، اور تولی کے مابین منقسم ہو گیا۔ یہ اردو گویا اس کی ذاتی فوج تھی۔ فوج کو اکٹھا کرنے، اسے تربیت دینے اور جنگ میں نقل و حرکت کرنے کے اصول وہی باقی رہے جو چنگیز خاں نے ایجاد کئے تھے۔ مزید برآں اس فاتح کے بیٹوں کو سوبدائی بہادر اور ایسے اور کار آزمودہ جرنیل ورثے میں مل گئے تھے جو سلطنت کی حدود وسیع کرنے کے کام کے لئے بہت موزوں تھے۔

اس نے اپنے بیٹوں اور اپنی رعایا میں یہ خیال مضبوطی سے قائم کر دیا تھا کہ مغل ہی دنیا

کے قدرتی طور پر مالک ہیں۔ اُس نے طاقتور سے طاقتور سلطنتوں کی کمر اس طرح توڑ دی تھی کہ جو کام باقی رہ گیا تھا۔ وہ اس کے بیٹوں اور سوبدائی بہادر کے لئے زیادہ مشکل نہ تھا جیسے پہلی یلغار کے بعد اِدھر اُدھر دشمن کی مقاومت کو قلع قمع کیا جائے۔

اوگدائی کی حکومت کے ابتدائی دور میں ایک مغل سپہ سالار چارموغان نے جلال الدین خوارزم کو شکست دے کے اس کا خاتمہ کر دیا اور بحیرۂ خزر کے مشرق کے علاقوں مثلاً آرمینیا میں مغلوں کی حکومت مستحکم کی اسی زمانے میں سوبدائی بہادر اور تولی دریائے ہوانگ ہُو کے جنوب میں دور تک بڑھ گئے اور چینیوں کے باقی ماندہ علاقے کو تسخیر کیا۔

سنہ ۱۲۳۵ء میں اوگدائی نے دوبارہ قوریلتائی طلب کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغلوں کی فتوحات کے دوسرے اہم دور کا آغاز ہوا۔ باتو، جو زریں خیل کا اولین خان تھا، سوبدائی بہادر کی ہمراہی میں مغرب کو بھیجا گیا، جس کی وجہ سے یورپ میں بحیرۂ اڈریاٹک اور وی آنا کے دروازوں تک سارے علاقے میں کہرام مچ گیا۔ دوسری فوجوں نے کوریا، چین اور جنوبی ایران میں جنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ فتوحات کی یہ موج سنہ ۱۲۴۱ء میں اوگدائی کی موت کے بعد واپس سمٹ آئی اور سوبدائی جو تلا ہوا تھا کہ یورپ کو فتح کر کے رہے گا پھر ایک مرتبہ وہاں سے واپس بلا لیا گیا۔

اس کے بعد کے دس سال کشمکش میں گذرے۔ چغتائی اور اوگدائی کے گھرانوں میں جھگڑا بڑھتا گیا۔ تھوڑے دنوں کے لئے کیوک خاقان بنا۔ جو ممکن ہے کہ نسطوری عیسائی ہو، ممکن ہے نہ ہو لیکن جس کے وزیر عیسائی تھے۔ جن میں ایک لیو چیتسائی کا بیٹا بھی تھا جس نے اپنے خیمے کے سامنے ایک چھوٹی سی عیسائی عبادت گاہ بنوائی تھی۔ اُس کے بعد حکومت اوگدائی کے گھرانے سے نکل گئی اور تُولی کے بیٹے منکو خاں اور قوبیلائی خاقان بنے۔ پھر مغلوں کی فتح کی تیسری اور سب سے بھاری موج دنیا پر چھا گئی۔

قوبیلائی کے بھائی ہلاکو نے سوبدائی بہادر کے بیٹے کی مدد سے عراق پر حملہ کیا۔ بغداد اور دمشق کو فتح کیا اور خلافت کی طاقت کو ختم کر دیا۔ وہ یروشلم کے مقابل نمودار ہوا۔ انطاکیہ جس پر عیسائی صلیبی محاربین کے جانشینوں کا قبضہ تھا، مغلوں کا مطیع ہو گیا۔ مغل ایشیائے کوچک میں سمرنا

تک گھس آئے اور قسطنطنیہ سے صرف ایک ہفتے کی مسافت پر رہ گئے۔

تقریباً اسی زمانے میں قوبیلائی خان نے جاپان پر حملہ کرنے کے لئے بحری بیڑہ تیار کیا اور اپنی سرحدیں ملایا تک وسیع کیں، تبت کے اس پار بنگال تک پہنچ گیا۔ اس کا دور حکومت (۱۲۵۹ تا ۱۲۹۴ء) مغلوں کا عہدِ زرّیں سمجھا جاتا ہے۔ قوبیلائی خان نے اپنے آباؤ اجداد کی بود و باش کا طریقہ چھوڑ دیا، اپنا دربار ختا کے علاقے میں لے گیا اور اس کی عادات و اطوار مغلوں کے مقابل چینیوں سے زیادہ ملتی جلتی تھیں۔ اُس نے بڑی میانہ روی سے حکومت کی اور اپنی رعایا کے ساتھ انسانیت کا سلوک کیا کرتا تھا۔ مارکو پولو نے ہمارے لئے اُس کے دربار کی بڑی جیتی جاگتی تصویر کھینچی ہے۔

لیکن دربار کو چین منتقل کرنا، مرکزی سلطنت کے ٹوٹنے کا شگون تھا۔ ایران کے ایلخان جو ہلاکو کے جانشین تھے اور جنہوں نے ۱۳۰۰ء میں غازان خان کی سرکردگی میں سب سے زیادہ طاقت حاصل کی۔ خاقان سے اتنے فاصلے پر تھے کہ اس سے ربط قائم نہ رکھ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ تیزی سے مسلمان ہوتے جا رہے تھے۔ روس کی طرف زرّیں خیل کا بھی یہی احوال تھا۔ قوبیلائی خان کے اپنے مغل بدھ مت قبول کر رہے تھے۔ چنگیز خاں کے اس بیٹے کے مرنے کے بعد مذہبی اور سیاسی خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور مغلوں کی حکومت کئی سلطنتوں میں بٹ گئی۔

۱۴۰۰ء کے قریب ایک ترک فاتح تیمور لنگ نے پھر اس مغل سلطنت کے وسط ایشیائی اور ایرانی ٹکڑوں کو یکجا کیا اور زرّیں خیل کو شکست دی جس کی بنیاد جوجی کے بیٹے باتو خان نے رکھی تھی۔ ۱۳۶۸ء تک مغل چین پر قابض رہے۔ ۱۵۵۵ء تک جا بجا روس میں اُن کی طاقت باقی رہی۔ یہاں تک کہ انہیں ایوانِ خونخوار نے زیر کر لیا۔ بحیرۂ خوارزم کے اُس پار اُن کے پوتوں میں سے اُزبکوں نے ۱۵۰۰ء میں شیبانی خاں کی سرکردگی میں بڑی طاقت حاصل کر لی اور چنگیز خاں کی اولاد میں ایک شہزادہ بابر کو ہندوستان میں دھکیل دیا جہاں وہ عظیم مغل خاندان کا پہلا بادشاہ بنا۔

اٹھارھویں صدی کے وسط میں، چنگیز خاں کی پیدائش کے چھ سو سال بعد اس فاتح کے جانشینوں کی حکومت کا ہر جگہ خاتمہ ہو گیا۔ اُس زمانے میں مغلوں کی حکومت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

اور مشرق میں منگولیا کو نامور چینی شہنشاہ کیان تنگ کی فوجوں نے تسخیر کر لیا۔

اِسی زمانے میں کریمیا کے تاتار خان روس کی ملکۂ عظمیٰ کیتھرن کی رعایا بن گئے اور اسی زمانے میں بدقسمت قلماق یا تر غوت قبیلے نے دریائے اتیل (وولگا) کے کنارے کی چراگاہوں کو چھوڑ کے مشرق کی طرف اپنی آبائی زمین کا طویل اور وحشت ناک سفر شروع کیا جسے ڈی کوئنسی نے اپنے مقالے "ایک تاتاری قبیلے کا فرار" میں بڑی خوبی سے بیان کیا ہے:۔

اٹھارھویں صدی کے وسط کے ایشیا کے تاریخی نقشے کو اگر ایک نظر دیکھا جائے تو چنگیز خاں کے اُردو کے خانہ بدوش جانشینوں کی آخری جائے پناہ کا نام نظر آجائے گا۔ طوفانی جھیل بیکال اور جند کے بحرِ تلخ کے درمیانی وسیع علاقوں کا نام مبہم طریقے پر "تاتار" یا "آزاد تاتار" لکھا نظر آئے گا۔ یہاں برِ اعظم کے اس وسطی علاقے میں قرایت، قلماق اور مغل جاڑے اور گرمیوں کی چراگاہوں کے درمیان مارے مارے پھرا کرتے تھے، اور سمور کی یورتوں میں رہتے تھے، اپنے ریوڑ ہنکایا کرتے تھے اور انہیں اس کا قطعاً علم نہ تھا کہ انہیں وادیوں میں ایشیا کے پر ببر جان نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن موت نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، اور یہیں سے چنگیز خاں کا یاک کی دُم والا نشان دُنیا کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

اس طرح مغل سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ وہ پھر اُن خانہ بدوش قبیلوں میں بٹ گئی جن کے درمیان سے وہ نمودار ہوئی تھی۔ جہاں پہلے جنگجو لڑنے بھڑنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ وہاں امن پسند چرواہے باقی رہ گئے۔

مغل شہسواروں کا وحشت ناک مرقع مختصر سے زمانے کے لئے اُبھرا اور پھر کوئی نقش چھوڑے بغیر مٹ گیا۔ ریگستان میں قراقورم کا شہر ریت کی تہوں کے نیچے دفن پڑا ہے۔ چنگیز خاں کی قبر اس کے وطن کی ندیوں کے پاس کسی جنگل میں چھپی ہوئی ہے۔ اُس نے اپنی فتوحات میں جو مال و متاع جمع کیا، وہ اُن لوگوں کے تصرف میں آیا، جو اس کے ساتھی اور

سپاہی تھے۔ بورتہ کی قبر کا کوئی نشان باقی نہ رہا، جو چنگیز خاں کی جوانی کی بیوی تھی۔ اس کے زمانے میں کسی مغل نے اُس کے کارناموں کے متعلق کوئی رزمیہ نظم نہیں لکھی۔

اُس کی فتوحات کا زیادہ تر اُس کے دشمن مورخوں نے ذکر کیا ہے۔ تہذیب و تمدن پر اُس کا حملہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ نصف کرۂ ارض میں پھر نئے سرے سے ابتدا کرنی پڑی۔ پریسٹر جان کی حکومت اور ختا، قراختائی، خوارزم ــــ اور اُس کے مرنے کے بعد ــــ بغداد، روس اور پولینڈ کی سلطنتیں نیست و نابود ہو گئیں جب یہ ناقابل شکست وحشی کسی قوم کو فتح کرتا تو اور سب لڑائیاں خود بخود ختم ہو جاتیں۔ حالات کی پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بُری بالکل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو لوگ باقی بچتے۔ اُن کے درمیان عرصے تک امن قائم رہتا۔

قدیم روس کے عظیم شہزادوں کی آبائی دشمنی جو تور، لادی میر اور سُسرال کے حکمرانوں کے درمیان تھی، اس عظیم ترسانحے کے باعث دفن ہو گئی۔ پُرانی دُنیا کی یہ ساری شکلیں ہمیں پرچھائیوں کی طرح موہوم دکھائی دیتی ہیں۔ مغل اولانش جہاں کہیں گئے سلطنتیں کچل گئیں اور تاجدار دہشت کے عالم میں بھاگ نکلے اور ختم ہو گئے۔ اگر چنگیز خاں پیدا نہ ہوا ہوتا تو کیا ہوتا یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

لیکن جو ہوا وہ یہ تھا کہ اس مغل کے بعد تمدن دوبارہ پیدا ہوا۔ جیسا کہ رومۃ الکبریٰ کے دورِ امن میں ہوا تھا۔ قومیں، یا اُن کا جتنا کچھ حصہ بچ سکا تھا، ایک جگہ سے اکھاڑ کے دوسری جگہ پہنچائی گئیں۔ مسلمانوں کے علوم و فنون اور ہنر مشرق بعید پہنچائے گئے۔ چینیوں کی قوتِ اختراع اور نظم و نسق کی اہلیت مغرب کے ملکوں میں پہنچی۔ اسلامی دُنیا کے ویران باغوں میں کچھ عرصہ بعد مغل ایلخانوں کی سرپرستی میں مسلمان علماء اور معماروں نے اگر ایک نیا عہدِ زرّیں نہیں تو ایک عہدِ سیمیں ضرور دیکھا اور تیرھویں صدی چین میں ادب اور خاص طور پر ڈراما کے نشوونما کے لحاظ سے مشہور ہے، یہ بڑی شان و شوکت

کی صدی تھی اور یونان کی صدی کہلاتی ہے۔

جب مغل اُردو کی پسپائی کے بعد پھر سے سیاسی ترتیب و ترکیب شروع ہوئی تو جو کچھ پیش آیا وہ ایک قدرتی لیکن بڑا غیر متوقع امر تھا۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے والے روسی شہزادوں کے درمیان سے ایوانِ اعظم کی عظیم سلطنت نمودار ہوئی اور چین جس کو تاریخ میں پہلی بار مغلوں نے متحد کیا تھا، ایک واحد سلطنت بن گیا۔

مغلوں اور ان کے دشمن مملوکوں کی نمود کے بعد محاربات صلیبی کے طویل باب کا خاتمہ ہو گیا۔ اب عیسائی زائرین حفاظت سے ضریحِ مقدس کی زیارت کو جا سکتے تھے اور مسلمان مسجدِ سلیمان کی زیارت کر سکتے تھے۔ پہلی بار یورپ کے پادری ایشیائے بعید تک سفر کر سکتے تھے اور بے سود کوشش کرتے تھے کہ شیخ الجبل کا پتہ چلائیں جو پہلے صلیبیوں کو پریشان کیا کرتا تھا، یا پریسٹر جان اور ختا کی سلطنتوں تک پہنچیں۔ ان سب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

بنی نوعِ انسان میں اس عظیم پیمانے پر جو زلزلہ آیا اُس کا اہم ترین نتیجہ یہ تھا کہ عالمِ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت تباہ و ویران ہو گئی۔ خوارزم کی فوجوں کی شکست کے ساتھ ہی مسلمانوں کی بنیادی فوجی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور بغداد اور بخارا کی تباہی سے خلفا اور آئمہ کا پرانا تمدن مٹ گیا۔ نصف عالم میں عربی علماء اکابر کی زبان نہ رہی۔ ترک مغرب کی طرف دھکیل دیئے گئے اور اُن کے ایک قبیلے نے جو عثمانی کہلاتا تھا قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک سُرخ دستار والے لاما نے قوبیلائی کو تاج پہنایا۔ اور اپنے ساتھ لاسا سے بدھ مت کے بھکشوؤں کا ایک جمِ غفیر لیتا آیا۔

تباہ کار و خونخوار چنگیز خاں نے یورپ کے عہدِ تاریک کی دیواریں مسمار کر دیں۔ اُس نے سڑکیں بنائیں۔ یورپ چین کے علوم و فنون سے آگاہ ہوا۔ اُس کے بیٹے کے دربار میں ارمنی شہزادے اور ایرانی امرا، روسی شہزادوں کے دوش بدوش بیٹھتے تھے۔

سڑکوں کی تعمیر اور شاہراہوں کے کھلنے کے بعد خیالات و مفروضات میں بڑا انقلابِ عظیم پیدا ہوا۔ یورپ والوں میں ایشیائے بعید کے متعلق بڑی دلچسپی اور کھوج پیدا ہو گئی۔ پادری روبرک کے نقشِ قدم پر مارکوپولو کمبالو (خان بالیغ) پہنچا۔ دو سو سال بعد واسکوڈی گاما سمندر کے راستے ہندوستان پہنچا۔ کولمبس جب اپنے بحری سفر پر روانہ ہوا ہے تو اس کا ارادہ امریکہ پہنچنے کا نہیں تھا بلکہ خانِ اعظم کی سرزمین تک پہنچنے کا تھا۔

محمد اقبال عباسی